مجموعہ مقالات انقلاب اسلامی

مؤسسۂ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ

بین الاقوامی امور

مجموعہ مقالات انقلاب اسلامی

ترجمہ: سید نوشاد علی نقوی خرم آبادی نظر ثانی: سید گلشن عباس نقوی

ناشر: مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ۔ بین الاقوامی امور

پتہ: جمہوری اسلامی ایران تہران خیابان شہید باہنر خیابان یاسر خیابان سودہ ۵

پوسٹ بکس: ۶۱۴۔۱۹۵۷۵ کوڈ: ۱۹۷۷۶

ٹیلی فون: ۵۔۲۲۲۹۰۱۹۱ ۲۲۲۸۳۱۳۸ فیکس: ۲۲۲۹۰۴۷۸ (۲۱ ۰۰۹۸)

طبع: اول۔۱۴۲۸ھ۔۲۰۰۷ء

تعداد: قیمت: ریال

ای میل: pub@imam-khomeini.ir

ویب سائٹ: www.imam-khomeini.org

(مجموعہ مقالات انقلاب اسلامی بہ زبان اردو)

ایران کا اسلامی انقلاب اپنے ظہور و مبارزت اور انقلاب و قیام کے محرک کے اعتبار سے دوسرے تمام انقلابات سے الگ نوعیت رکھتا ہے، یہ انقلاب خداوند عالم کی جانب سے اس مظلوم اور غارت زدہ عوام کیلئے الٰہی ہدیہ اور غیبی تحفہ ہے۔ [1]

حضرت امام خمینیؒ

مقدمہ

اگرچہ ہر انقلاب کا تجزیاتی مطالعہ اس کی سیاسی و سماجی تعلیمات کے حدود میں ہوتا ہے لیکن اسلامی انقلاب ایران کے وسیع اثرات کو دیکھتے ہوئے کہ جس کی بنا پر افکار و نظریات میں عظیم تبدیلی رونما ہوئی اور اس کے اثرات تمام بشری معارف جیسے دین واخلاق کلچر و اقتصاد وانسانی کردار میں دیکھے جارہے ہیں، اسلامی انقلاب کے سلسلہ میں مفکرین کی تحقیقات کا نتیجہ چاہے جو بھی ہو لیکن ان کے اپنے اعتراف کے مطابق انقلاب اسلامی ایران کی تمام جہتوں اور وسعتوں کو نہیں بیان کیا جاسکتا ہے اور انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد تمام وہ رائج اصول و نظریات جو عظیم و بااہمیت انقلاب جیسے انقلاب فرانس وروس کی تشریح کے سلسلے میں قائم ہوئے تھے ۱۹۷۹ء میں رونما ہونے والے انقلاب اسلامی ایران کے ساتھ ہی ان پر نظر ثانی کی جانے لگی یا اپنی افادیت کھو بیٹھے اس عظیم اسلامی انقلاب کے سلسلہ میں تجزیہ اور نظریات کا بہت زیادہ حصہ ایسے مفکرین وارباب نظر کی طرف سے پیش کیا گیا ہے جو انقلاب کے وجود اور اس کی نوعیت کے محرکات سے ناآشنا یا کامل آگاہی نہیں رکھتے ہیں وہ بجائے اس کے کہ قرن حاضر کے عظیم الشان و بے نظیر انقلاب کے سلسلہ میں حقیقی مستندات و شواہد کے ذریعہ غیر جانبدارانہ بیان و نظریہ پیش کریں وہ اپنے ذہنی مفروضات اور بے بنیاد اصولوں کی توجیہہ کرتے ہیں، ایران کا اسلامی انقلاب بے بدیل اور منحصر بہ فرد حقیقت ہے، ارباب فکر و نظر کو چاہئے کہ اپنے ذوق طبع وسیاسی و معاشرتی سلیقہ و نظریات سے بالاتر ہو کر اس کے تمام زاویوں اور جہات کی تحقیق کریں ورنہ ذاتی ذوق وسیاسی اغراض ومقاصد کے پرتو میں انقلاب کی ماہیت کو پیش کرنے کی صورت میں انقلاب کے تمام پہلو اجاگر و آشکار نہیں ہو سکتے ہیں جس کی بنا پر اسلامی انقلاب اپنی عظیم افادیت واثرات کھو بیٹھے گا۔

انقلاب اسلامی ایران کے حقیقی فہم وادراک کیلئے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس انقلاب کے بانی حضرت امام خمینیؒ کے نظریات وخیالات کی طرف رجوع اور ان سے استفادہ کیا جائے، ایران کے اسلامی انقلاب کی حقیقت اور حضرت امام خمینیؒ کی شخصیت

1. صحیفہ امام، ج ۲۱، ص ۴۰۲۔

ایک دوسرے کی مترادف ہیں [1] امام خمینیؒ نے انقلاب کے اصول وضع نہیں کئے، بلکہ آپ انقلاب کے بانی ومعمار تھے آپ کے الہام بخش کردار و نظریات ہی کی بناپر انقلاب کو قوام ملااور وہ کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

حضرت امام خمینیؒ کی شخصیت انقلاب اسلامی ایران میں اس طرح رچی بسی ہے کہ آپ کی شخصیت، افکار وکرداراور نظریات کوالگ کرکے انقلاب کی ماہیت کا صحیح ادراک ممکن نہیں، بلکہ اس صورت میں انقلاب کی حقیقت بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ [2]

حضرت امام خمینیؒ ایسی درخشان باعظمت وضوفشاں شخصیت کے مالک تھے کہ ایرانی عوام کا اسلامی انقلاب آپ ہی کی عالمانہ قیادت واصلاح پسند فکر سے رونما ہوا۔ اس انقلاب کی کامیابی آپ کے حکیمانہ تدبر کا نتیجہ ہے۔ آپ کی درایت ہی کی بناپر انقلاب اپنے فراز ونشیب وپیچ وخم میں عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ [3]

اس مقدمے کا ہدف انقلاب اسلامی کی شناخت کے سلسلہ میں ایک زاویہ اور جہت کو پیش کرنا ہے ورنہ انقلاب اسلامی کی جامع وہمہ گیر شناخت کیلئے عمیق مطالعہ وانقلاب کے تمام پہلوؤں کے اجاگر وآشکار ہونے کیلئے محققین ودانشوروں کی مزید سعی وکوشش کی ضرورت ہے۔

یہ مقدمہ ذیل کے عناوین پر مشتمل ہے: ۱۔ تعریف انقلاب ۲۔ ہدف وماہیت انقلاب ۳۔ آغاز انقلاب کے اسباب وعلل ۴۔ انقلاب کی کامیابی کے عوامل ۵۔ انقلاب کے نتائج واثرات۔

۱۔ انقلاب کی تعریف

ظہور انقلاب کے سلسلہ میں جو آراء ونظریات ہیں ان سب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انقلاب کی ایک واضح وجامع تعریف ہونا چاہیے۔ لہذا ہم سب سے پہلے انقلاب کی تعریف کو پیش کررہے ہیں۔

---

1. ''دنیاکے کسی خطہ میں یہ انقلاب امام خمینیؒ کے نام کے بغیر جانا نہیں جاتاہے''، حضرت آیت اللہ خامنہ ای رہبر انقلاب اسلامی کا بیان۔

2. تین اہم دلائل کی بناپر امامؒ کے کردار وافکار انقلاب اسلامی کا جزءلاینفک ہیں: ۱۔ انقلاب کی ماہیت کا امامؒ کی شخصیت سے مرتبط ہونا۔ ۲۔ انقلاب اسلامی کے تمام مراحل میں امامؒ کے نفوذ قیادت کا نمایاں ہونا۔ ۳۔ انقلاب اسلامی کا امامؒ کے عرفانی نظریات سے متاثر ہونا۔ (انقلاب اسلامی کے اصول وتھیوری کی تحقیق، منصور حاجی، فصلنامہ حضور، خرداد ۸۳)

3. امام خمینیؒ وہ نعمت ہیں جو خدانے اس زمانہ میں عطا کی ہے۔ شہید مرتضیٰ مطہریؒ، نہضت ہائے اسلامی در صد سال اخیر، انتشارات صدرا، ص ۸۱۔

۱۔۱۔۱ لغوی تعریف: لغت میں انقلاب، ایک حالت سے دوسری حالت میں پلٹنے کو کہتے ہیں یعنی دگرگوں ہونا، حالات کی تبدیلی، پلٹنا، رجعت، تغییر، تحول، تبدل، شورش و خلفشار۔ ایک دوسرے دانشور نے انقلاب کو قلب، تبدیلی اور الٹ پلٹ قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے انقلاب کی تعریف الٹ پلٹ اور تبدیلی کو قبول کرنے سے کی ہے۔[1]

بعض دانشور انقلاب کے لاطینی کلمہ سے استفادہ کرتے ہوئے جدید زمانے کی جانب رجحان اور تاریخ پر نظر ثانی کو انقلاب قرار دیتے ہیں اور انقلاب کی تعریف بازگشت زمان سے کرتے ہیں یعنی انقلاب ایک نئے زمان و عصر و تاریخ کو وجود میں لاتا ہے اس تعبیر کی بنا پر انقلاب موجودہ ہیئت و زندگی و تاریخ سے پلٹتے ہوئے جدید عناصر سے ملحق ہونا ہے اور بنیادی تغیرات پیدا کرتا ہے جو عموماً تشدد آمیز رویئے سے وجود میں آتے ہیں۔[2]

۲۔۱۔۱ اصطلاحی تعریف: سماجی و سیاسی حالات پر اثر انداز ہونے والے انقلاب کی مختلف تعریفیں پیش کی گئی ہیں اور اکثر محققین و مفکرین نے اپنے افکار و نظریات کے پیش نظر خاص جہت ہی کو مورد تحقیق و تعریف قرار دیا ہے اور دوسرے عناصر سے غفلت برتی ہے یا چشم پوشی کی ہے۔[3]

انقلاب کی بعض تعریفیں ذیل میں بیان کی جا رہی ہیں:

انقلاب یعنی ایک سیاسی و معاشرتی نظام کو سرنگوں کر کے ایک جدید نظام کو بروئے کار لانا جو زندگی کے تمام شعبوں میں بنیادی تبدیلی کا سبب واقع ہو۔[4]

سوروکین کے نظریہ کے مطابق انقلابی تحول و تبدیلی سریع و فوری اور تشدد آمیز ہوتی ہے اور گزشتہ پارٹی، قانون اور اس کی نااہلیت ثابت ہو جاتی ہیں۔[5]

---

1. مجموعہ مقالات راہ انقلاب، ج ا، مقالہ عوامل موثر در پیدائش انقلاب اسلامی، محمد حسن احمدی راد۔

2. در آمدی بر دائرۃ المعارف علوم اجتماعی، ڈاکٹر باقر روحانی، انتشارات کیہان ۱۳۷۰، ص ۶۴۳۔

3. سیاسی علوم کے دانشوروں کے نظریات تین محور میں قرار دیئے جا سکتے ہیں: ۱۔ جن میں فقط انقلاب کو وجود میں لانے والے اسباب و وقائع مد نظر ہیں۔ ۲۔ جن میں انقلاب کے سلسلہ میں تاریخی تحول و تکوینی امور پیش نظر ہیں۔ ۳۔ جن میں انقلاب کے آثار و نتائج کا جائزہ لیا گیا ہے جیسے اقتصاد، سیاست، معاشرے اور کلچر وغیرہ۔ علوم سیاسی کے دانشمندوں کے نظریات و آراء کے اختلاف کی بنا پر انقلاب کے آثار و نتائج و اہداف کے سلسلہ میں تعارض پیش آتے ہیں۔ مقالہ بررسی تھیوری انقلاب از دیدگاہ اندیشمندان و حضرت امامؒ، منصور حاجی، حضور وغیرہ، نامہ خرداد۔

4. راہ انقلاب، ج ا، عوامل و موثر در پیدائش انقلاب اسلامی، محمد حسن احمدی راد، ص ۳۸۔

5. در آمدی بر دائرۃ المعارف علوم اجتماعی، روحانی، کیہان صفحہ ۶۴۲ تا ۶۴۴۔

برنیتون، انقلاب کو ایک فوری وبنیادی جانشین سے تعبیر کرتا ہے جو ایک نظریہ کی سیاسی جماعت و قانون کو ناکام قرار دیتے ہوئے اس کی جگہ نیا نظام امور کو ہاتھوں میں لے لیتا ہے۔[1]

ایک اور دانشور کا بیان ہے کہ انقلاب متضاد امور کا مجموعہ اور غیر متوقع آثار و ظہور سے مملو ہے جس میں مختلف نظریات رکھنے والے ملت کے تمام افراد شریک ہیں اس میں تمام امور درہم و برہم ہوتے ہیں اور یہ تشدد کے ہمراہ ہوتا ہے۔[2]

بعض افراد انقلاب کیلئے دنیا میں رائج اصطلاح کے حق میں ہیں یعنی کچھ افراد کا نئی حکومت کی تشکیل کیلئے موجودہ حکومت کے خلاف، شورش ونافرمانی کرنا تاکہ حکومت کے ڈھانچے اور اس کے تمام اداروں اور ان کے تعلقات میں بنیادی تبدیلی لائیں جو ایک انقلاب کے مقاصد واہداف کا خاصہ ہے۔[3]

بعض افراد انقلاب کو اچانک تغیر و تبدیلی قرار دیتے ہیں جس میں معاشرتی نظام وسیاسی واقتصادی ڈھانچے وغیرہ متاثر ہوتے ہیں، افراد ہی نہیں، بلکہ پالیسی واہداف میں عظیم تغیر پیدا ہوتا ہے۔[4]

بائیں بازو کے سیاسی ادب میں بھی ایک قدیمی معاشرتی نظام کو سرنگوں کر کے ایک جدید وترقی یافتہ نظام کو بروئے کار لایا جانا مطلوب وپسندیدہ عمل ہے۔[5]

ہانٹنگٹن انقلاب کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ انقلاب یعنی بنیادی واساسی تبدیلی جو سریع اور تشدد آمیز ہوتی ہے اور معاشرے پر مسلط کلچر، معیار، سیاسی رہنما، اداروں اور حکومت کی سیاسی پالیسیاں اسی تبدیلی کی مرہون منت ہوتی ہیں۔[6]

ہانا آرنٹ کا قول ہے کہ انقلاب سیاسی آزادی کی ایک کوشش ہے جو اس کے ذریعہ حاصل کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔[7]

---

1. درآمدی بر دائرة المعارف علوم اجتماعی، روحانی، کیہان صفحہ ۶۴۲تا۶۴۴۔
2. درآمدی بر دائرة المعارف علوم اجتماعی، روحانی، کیہان صفحہ ۶۴۲تا۶۴۴۔
3. دائرة المعارف تشیع، موضوع انقلاب اسلامی ایران، ج ۲، ۱۳۶۸، ص ۵۶۲۔
4. فرہنگ علوم سیاسی، علی آقا بخشی، مینو افشاری راد، نشر چاپا، ۱۳۷۹، ص ۵۰۷۔
5. فرہنگ علوم سیاسی، علی آقا بخشی، مینو افشاری راد، نشر چاپا، ۱۳۷۹، ص ۵۰۷۔
6. راہ انقلاب، ج ۲، مقالہ آسیب شناسی پژوہش ہائے انقلاب اسلامی ایران، سید فرہانی، دی ۲۹۶۔
7. راہ انقلاب، ج ۲، مقالہ جوانان وآیندہ انقلاب اسلامی ایران، علی اکبر آقائی، ص ۲۔۳۱۹۔

ہر برٹ مار کوز، انقلاب کو عوامی ناپسندی، بیزاری، فضول خرچی اور ایک صارف معاشرے نیز انسانی جہالت کا نتیجہ بتاتا ہے۔ انقلاب کا ہدف انسان کی درونی حقیقت کو بروئے کار لانا، نیز جدید معاشرے کی تخلیق اور اس کی نوعیت کو تبدیل کرنا ہوتا ہے۔ [1]

انقلاب کے سلسلہ میں موجودہ تعریفیں جامع و کامل نہیں ہیں یہ تعریفیں انقلاب کے اصل اہداف و عناصر، ظہور و کامیابی کے عوامل کو پیش کرنے کے بجائے دوسرے عناصر پر مشتمل ہیں اور انقلاب کے دوسرے ابعاد وزوایا کو اسی سے مرتبط سمجھتی ہیں۔ [2] یقینا انقلاب، اصلاح، شورش، بغاوت، تغیر، آشوب وفتنہ کے مفاہیم سے الگ ہے، بلکہ خاص حقیقت و خصوصیت کا حامل ہے، انقلاب کی ان تمام تعاریف کے ذریعہ ہر انقلاب کی بنیادی خصوصیات کا ذیل کے موارد میں جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

۱۔ انقلاب بنیادی، سریع واچانک تغیر و تحول کا حامل ہے

بیشتر اوقات انقلاب پیش گوئی اور روک تھام کے قابل نہیں ہوتا اور اچانک وفوری وقوع پذیر ہوتا ہے جس کی بنا پر معاشرتی وسیاسی نظام زیر وزبر ہو جاتے ہیں ان میں اساسی تبدیلی رونما ہوتی ہے یہاں تک کہ گزشتہ سیاسی واقتصادی وسماجی نظام مفقود ہو جاتے ہیں اور تمام مراحل جدید انداز اور انقلابی نظریہ کے مطابق طے ہوتے ہیں اور بنیادی تغیر و تحول انجام پاتا ہے۔ [3]

یہ تغیر و تحول جس قدر بنیادی واساسی ہوتا ہے اسی قدر سماجی، سیاسی واقتصادی نظام کے مسائل ٹکراؤ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور صفحہ روزگار سے محو ہونے لگتے ہیں انقلاب کا مفہوم وسیع و عمیق ہے تغیر و تحول انقلاب کا جزء لاینفک ہیں۔

۲۔ انقلاب میں قیام کے اصل کردار عوام کا ہوتا ہے

جس انقلاب میں عوام کی شرکت اور ان کا کردار زیادہ ہوتا ہے، اس پر انقلاب کی تعریف زیادہ ہی صادق آتی ہے دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ انقلاب میں عوام وملت کا عمل ودخل ہونا چاہیے، انقلاب عام لوگوں کی انقلابی حرکت سے شروع ہوتا ہے

---

1. راہ انقلاب، ج ۲، مقالہ جوانان وآیندہ انقلاب اسلامی ایران، علی اکبر آقائی، ص ۴۱۹۔
2. مقالہ نگرشی اجمالی بہ نظریہ ہائے انقلاب در علوم اجتماعی وریشہ ہائے آن، ج ۱، ص ۱۶، ۱۵۔
3. مجموعہ مقالات انقلاب اسلامی، درآمدی بر دائرۃ المعارف علوم اجتماعی، روحانی، ص ۴۶۸ وپیرامون انقلاب اسلامی، مرتضیٰ مطہریؒ، ص ۳۰، ۳۱۔

اور ان ہی کے ارادوں سے خاص سمت واہداف حاصل کرتا ہے عوام ہی کی حمایت سے انقلاب کامیابیوں یا ناکامیوں کی منزلوں کو طے کرتا ہے انقلاب کے سربراہ و قائدین اس حمایت کے ہمیشہ و ہر مراحل میں محتاج ہوتے ہیں۔

۳۔ ہر انقلاب خاص اہداف و نظریات کا حامل ہوتا ہے

بعض مفکرین کا کہنا ہے کہ فکری انقلاب رونما نہیں ہوتا ہے یا وہ اس کو دوسرے انقلابات کی ہی ایک قسم سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عوام وافراد کے مطالبات فکر و خیال کا اظہار اور شعار انقلاب سے اس انقلاب کے اہداف و مقاصد کو درک کیا جاسکتا ہے۔ انقلاب کے اہداف و نظریات کبھی محدود و موقت، کم اثر یا زیادہ، دنیا کے تمام یا کچھ خطہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انقلاب کے بعض اہداف و مقاصد مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں۔ سیاسی آزادی، مادی و اقتصادی بہتری، سماجی و مذہبی، آئیڈیالسٹ۔۔۔

بہر حال ہر انقلاب اپنے اغراض و مقاصد کا حصول چاہتا ہے، موجود حالت پسندیدہ نہیں ہونے کی بنا پر انقلابی فکر وجود میں آتی ہے اور وہی انقلاب کے اغراض و مقاصد کو طے کرتی ہے اور انقلاب اسی خصوصیت وصفت سے پہچانا جانا ہے۔ دراصل ایک انقلاب کا دوسرے انقلاب سے فرق و امتیاز، اہداف واغراض اور فکر و نظریات کی بنا پر ہوتا ہے اگرچہ ممکن ہے کہ ان اہداف و نظریات کو صریحاً بیان نہ کیا گیا ہو لیکن روح انقلاب کی بنیاد یہی نظریات ہوتے ہیں۔[1]

۴۔ انقلاب عموماً تشدد کے ہمراہ ہوتا ہے

ہر انقلاب طرد و نفی کے ہمراہ ہوتا ہے اور یہ نفی سابقہ حکومت کے تمام عناصر یا ان میں سے بعض کے خلاف عموماً پر تشدد اقدامات کے ہمراہ ہوتی ہے۔ اکثر انقلاب پر امن طریقے سے رونما نہیں ہوتے، بلکہ مظاہرہ، آشوب وفتنہ، مبارزت و شورش کے ہمراہ ہیں جس کی بنا پر معترضین موجودہ حکومت کے افراد کو حذف و طرد کر کے ہی اپنے مقصد تک پہنچتے ہیں اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں۔[2] بہر حال ہر انقلاب اس صورتحال کا شکار ہوتا ہے اور فریقین میں سے جس کی طاقت استقامت، جانفشانی وصبر زیادہ ہو وہ کامیاب ہوتا ہے۔

---

1. پیرامون انقلاب اسلامی، ص ۳۱ تا ۳۶۔
2. فرہنگ مطہر، ص ۱۶۹۔

۵۔ انقلاب ارتقاء کے اقدام اور آگے بڑھنے کا نام ہے

انقلاب ماضی کے تاریک دور، ارتجاعی کیفیت وانحطاط کو قبول نہیں کرتا، انقلاب موجود صورتحال کو ختم کر کے بنیادی واساسی تغیر پیدا اور کرتا ہے مطلوب حالت کو وجود میں لاتا ہے تاکہ معاشرہ اور اس کے افراد ارتقاء و تکامل کی راہ پر گامزن اور انسان، انسانیت سے قریب تر ہوں۔[1] جیسا کہ شہید مطہریؒ مفہوم انقلاب کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ انقلاب کے اجزاء میں سے ایک تقدس وتعالی، یعنی تکامل وکمال کی تلاش پائی جاتی ہے، سماجی انقلاب کے مفہوم کے مطابق، ایک صورتحال کو اپنے ارادہ واختیار سے ختم کرنا تاکہ بہتر صورتحال پیدا کی جاسکے، موجود حالت کو دگرگون کرنا تاکہ اعلیٰ نظام و ترقی پسند قانون کا اجراء ہو۔[2]

ان تمام تعاریف کو دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ انقلاب اچانک وفوری، اساسی تغیر و تحول کا حامل ہے جس میں افراد موجودہ نظام حکومت کے خلاف تشدد آمیز اقدامات انجام دیتے ہیں تاکہ بہتر صورتحال وجود میں آئے جس سے معاشرہ ارتقاء و تکامل کی راہ پر گامزن ہو۔ البتہ انقلاب کے مفہوم میں دوسری خصوصیات بھی پوشیدہ ہیں جن کی تحقیق کی جانی چاہیے۔[3]،[4]

۱۔۲ انقلاب اسلامی کی تعریف

انقلاب اسلامی، ایک بدیع وجدید کلمہ ہے جو ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد سیاسی وسماجی علوم کے انسائیکلوپیڈیا میں وارد ہوا ہے، اسی کلمہ کے بارے میں ابھی تک جامع ومانع تحقیق نہیں کی جاسکی ہے، بلکہ اس سلسلہ میں موانع کا شکار ہے اور عام طور سے یہ موانع، انقلاب اسلامی کے بارے میں جامع معلومات وشناخت کا فقدان، انقلاب کے دشمنوں کا خود غرض ہونا اور آشکار ومخفیانہ عداوت رکھنا، نیز بعض محققین کا انقلاب کے سلسلہ میں قدیم تھیوری وجانبدارانہ مفروضوں کو اپنائے ہونا، عالمانہ حقیقت فہمی کیلئے اکثر محققین کا علمی وتحقیقی اعتبار سے کمزور ہونا، بہرحال اس تمام صورتحال کے باوجود انقلاب اسلامی عالمی شہرت کا حامل ہے اور دشمنوں کے نزدیک بھی موثر وتوجہ طلب صورت اختیار کرتا جارہا ہے اسی بناپر نہ چاہتے ہوئے بھی ایران کا اسلامی انقلاب قرن حاضر کا عظیم سماجی وسیاسی واقعہ تصور کیا جانے لگا ہے اور اس پر تحقیق کی جارہی ہے جس کے تناظر میں جدید نظریات وجود میں آرہے ہیں جیسے Structuralism, Functionalism نظریہ جدید سماجی تحریکیں، نظریہ انقلابات عظیم، جان فوران کا معیار

---

1. کتاب پیرامون انقلاب اسلامی، ص۶۔
2. ایضاً، ص۱۱۰، نقل از فرہنگ مطہر، ص۹۔۱۶۸۔
3. دوسری خصوصیات جیسے انقلابی تحریک کا وجود، گزشتہ تاریخ سے منقطع ہونا، موجود نظام کا درونی اعتبار سے زوال کا شکار ہونا، فرہنگ علوم سیاسی، ص۵۰۷۔۵۱۰۔
4. عظیم انقلابات خاص خصوصیات کے حامل ہیں جیسے تہذیب وتھیوری میں تبدیلی، سماجی ومعاشرتی رویہ میں تغیر، سیاسی ڈھانچے میں تحول وغیرہ۔

ونمونہ، کریزمیٹک لیڈرشپ کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اکثر نظریات سابقہ انقلابات سے متعلق تحقیقات کے نتائج کی بنیاد پر قائم کئے گئے اور اپنے اندر جدید انقلاب اسلامی اور گزشتہ انقلابات کے موازنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ضمناً تجزیہ کا زیادہ حصہ، فکری میلانات کی بنیاد پر ہے انہوں نے مختلف علوم جیسے سوشیالوجی، نفسیات، فلسفہ، ادب، اقتصاد وسیاست کے زاویہ نگاہ سے انقلاب اسلامی کو مورد توجہ قرار دیا ہے، ہم یہاں پر صرف انقلاب اسلامی کی تعاریف کے اہم حصہ پر مجموعی نظر ڈالیں گے۔

۱۔ ناکام اقتصادیات کا نظریہ

اس نظریات کے حامی افراد کا خیال ہے کہ ایران کا اسلامی انقلاب صحیح اقتصادی پروگرام کے اجراء نہ ہونے کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے۔ غلط اقتصادی پروگرام نے ایرانی معاشرے میں عمیق فاصلے اور طبقاتی اختلافات پیدا کر دیئے تھے جو انقلاب کا سبب بنے اگر اقتصادی پروگرام متوازن ہوتا یعنی جدید وماڈرن اقتصادی پروگرام کے اجراء کے ساتھ قدیمی وروایتی طرز کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہوتا تو انقلاب رونما نہ ہوتا اس نظریہ کے مطابق انقلاب غیر متوازن اقتصادی پروگرام کی وجہ سے شعلہ ور ہوا اور حالات کنڑول سے خارج ہو گئے یہ نظریہ مارکس ازم سے نزدیک ہے جو ایران میں اقتصادی نظام کے ناکارہ ہونے کو انقلاب اسلامی کا باعث قرار دیتا ہے بعض صاحبان نظر جیسے نیکی کدی، ندا اسکا چپول ولونی اس صف میں نظر آتے ہیں۔[1] اس نظریئے کے حامی افراد اقتصادی پہلو کو اہم قرار دیتے ہوئے انقلاب اسلامی کے دوسرے اسباب کو نظر انداز کرتے ہیں اور اسے انقلاب کا اصل سبب بتاتے ہوئے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ایران میں غیر متوازن اقتصادی پروگرام انقلاب کا باعث بنا ہے۔

۲۔ سیاسی ترقی نہ ہونے کا نظریہ

اس نظریئے کے قائلین کا خیال یہ ہے کہ اسلامی انقلاب مغربی تہذیب اور ایرانی معاشرہ کے اسلامی کلچر وفرہنگ کے تضاد وتعارض کا نتیجہ ہے اس لئے کہ ایرانی معاشرہ سیاسی عدم پیشرفت کا شکار تھا، حکومت بغیر سیاسی پیشرفت کے، سیاسی شرکت کے پروگرام کو آگے بڑھانا چاہتی تھی کہ یہ فضا شدید مطالبات کا باعث بنی اور حکومتی اداروں نے ان مطالبات کو پورا نہ کیا جس کی بنا پر انقلاب برپا ہو گیا اس نظریہ کے مطابق انقلاب دراصل، ترقی پسند پروگرام کے مقابل مذہبی وروایتی معاشرے کا ردعمل تھا یہ طبقہ، مغربی تہذیب سے جسے شاہ ایران ترقی پسند پروگرام کے نام پر رائج کر رہا تھا، خطرہ محسوس کرنے لگا تھا۔[2] جبکہ حقیقت اس کے برعکس

---

1. مارکس ازم ایران کے اسلامی انقلاب کو اقتصادی بدحالی، فقر اور غریبی کا نتیجہ سمجھتا ہے جو شاہ کی ڈکٹیٹر شپ اور ظلم سے پیدا ہوئی تھی۔
2. مقالہ بررسی تھیوری انقلاب، حاجی، ص۸۷۔

ہے، اسلامی انقلاب کے فراز ونشیب کے مطالعہ سے ایرانی عوام کا سیاسی رشد و بلوغ اظہر من الشمس ہے جس نے بند سیاسی ماحول، مذہبی گھٹن، نام نہاد آزادی اور مغرب پرستی کے خلاف آواز اٹھائی۔[1] ایرانی عوام متفق اسرائے تھے کہ شاہ کی پالیسیاں مغرب زدہ اور سامراجی ہیں۔ جن کا مقصد مذہب اور دین کو کمزور کرنا ہے، لہذا ایرانی عوام کا انقلاب دین ومذہب کی حفاظت وصیانت کیلئے عالم وجود میں آیا ہے۔

۳۔ حریت پسند کا نظریہ

اس نظریہ کے حامل افراد کا خیال ہے کہ ہر انقلاب استبداد و ظلم سے رہائی حاصل کرنے کیلئے رونما ہوتا ہے اور اس کا مقصد سماجی آزادی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ہر انقلاب میں حریت پسندی پوشیدہ ہوتی ہے۔ ہانا آرنٹ جو اس تھیوری کا بانی ہے اس کے نظریہ کے مطابق ہر انقلاب کی وجہ حریت پسندی ہے، انقلابیوں کی دلی تمنا وآرزو سماج کو آزادی عطا کرنا ہوتی ہے۔[2] اگرچہ ایران کے انقلاب کا اہم ہدف حاکم جماعت کے استبداد سے رہائی حاصل کرنا تھا لیکن اسے انقلاب کیلئے علت تامہ نہیں کہا جاسکتا ہے، بلکہ حریت انقلاب کے اہداف میں سے ایک تھی۔

۴۔ مذہب اور عقیدہ کا نظریہ

اس نظریئے کے قائلین کے مطابق مذہب وعقیدہ کو ایرانی معاشرے میں خاص مقام حاصل ہے۔ لہذا وہ ایران کے اسلامی انقلاب میں اصل سبب کی حیثیت رکھتا ہے۔[3] یہ وہ سبب ہے جو ایران کے سماجی ومعاشرتی، فردی واجتماعی شعبوں، بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں زمانہ قدیم سے مذہب تشیّع کے نام سے موجود تھا جو اپنے ماننے والوں کیلئے شرعی ذمہ داری کے طور پر ظلم وفساد واستبداد کے خلاف مبارزت کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس اقدام کیلئے تمام وسائل کو بروئے کار لانے کی دعوت دیتا ہے۔ اس عقیدہ کی بعض خصوصیتیں مندرجہ ذیل ہیں:

---

1. کودتائے امریکائی، ۲۸ مرداد، ۱۳۳۲ھ ش (۱۹ اگست ۱۹۵۳ء)۔
2. کتاب نظریہ ہائے انقلاب، ص ۷۶۔
3. مقالہ انقلاب در ایران، سال ۱۹۷۹، حمید عنایت، ترجمہ منظر الہی، فرہنگ توسعہ، شمارہ ۴۔

امام عصر (ع) کا ظہور اور عصر غیبت [1] عالم دین کی قیادت و رہبری۔۔۔ کربلا کا واقعہ اور امام حسین (ع) کا قیام [2] امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔۔۔ تولا و تبرا، امام علی و ائمہ اطہار (ع) کی محبت و مودت، عدل علویؑ حکومت کے قیام کا آئیڈیل تجربہ۔۔۔ حکومت و معاشرے کے سلسلہ میں مصلحانہ نظر۔۔۔ ائمہ معصومین (ع) کی سنت و سیرت اور شعائر کی قدردانی۔۔۔ [3]

درحقیقت ایران کے اسلامی انقلاب نے اسلام کے سیاسی اصول زندہ کئے، اس انقلاب کے بنیادی اصول و اسلوب کا سرچشمہ شیعی اسلام ہے۔ [4] ۱۹۷۹ء میں رونما ہونے والے انقلاب کے عمیق مطالعے سے اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ انقلاب کے ظہور و تکمیل کا اصل سبب مذہب و اسلام تھا اور دوسرے عوامل اس کے تحت میں قرار پاتے ہیں۔ حامد الگار ایران کے اسلامی انقلاب کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ ایران کے اسلامی انقلاب اور انقلاب فرانس و روس کے درمیان آشکار امتیاز، مذہب و دین کا ہے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کو تحرک بخشنے والا مذہب ہے جبکہ انقلاب فرانس و روس کیلئے مذہب کا تصور پایا ہی نہیں جاتا۔ ایران کا انقلاب مسجدوں سے شعلہ ور ہوا اور آخر کار شاہ کی اسلام دشمن پالیسیوں کو ناکام کرتا ہوا کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ [5]

حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں انقلاب کی تعریف

شہید مطہری اسلامی تحریکوں کے سلسلہ میں تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایران میں مسلمانوں کی تحریک ایک عرصہ سے شکست سے دوچار ہونے کے بعد اسلامی ہدایات کو مد نظر رکھ کر مغرب کے سرمایہ دارانہ اور مشرق کے کمیونسٹ نظام پر غالب آسکی۔ [6] اسی بنا پر آپ نے انقلاب کیلئے ''دھماکہ'' کا لفظ استعمال کیا، آپ اسلامی انقلاب کو اسلامی ماہیت و ہویت کا حامل اور اسلامی راہ پر گامزن سمجھتے ہیں۔ [7] ایران کا اسلامی انقلاب صرف اس وقت کے استبداد اور استعماری چال کے خلاف شورش و بغاوت نہ تھا، بلکہ

---

1. حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں: ہم سب ظہور امامؑ کے منتظر ہیں اور اس سلسلہ میں اسلام کی خدمت کریں امام مہدیؑ کا انتظار اسلام کی طاقت کا انتظار ہے۔ صحیفہ امام، ج۸، ص ۳۷۔
2. ''اسلامی انقلاب ایران عاشور اور اس کے عظیم الٰہی انقلاب کا پرتو ہے''۔ حضرت امام خمینیؒ، نقل از مقالہ تحلیل قیام امام حسینؑ۔ صحیفہ امام، ج۱۰، ص۳۱۵۔
3. مذہب تشیع میں ایسے مفاہیم میں جن سے انقلابی فکر کا ادراک کیا جا سکتا ہے جیسے، مفہوم تاریخ تشیع سماجی عدالت پسندی، دنیاوی حکومت کی بے وقعتی، مفہوم شہادت، یہ مکتب تشیع کے بانی ان مفاہیم کے عملی نمونے ہیں۔ مقابلہ اندیشہ انقلابی امام خمینیؒ، ص۲۶۔
4. انقلاب در ایران سال ۱۹۷۹ء نقل از کتاب درآمدی بر ریشہ ہائے انقلاب اسلامی، عبد الوہاب، ص۱۵۶ و ص۱۶۱۔
5. بررسی تھیوری ہائے انقلاب، منصور حاجی، ص۸۷، شمارہ ۴، ص۶۔
6. نہضت ہائے اسلامی در صد سالہ اخیر، مرتضیٰ مطہری، ص۵۷۔
7. جمہوری اسلامی، مرتضیٰ مطہری، ص۱۴۵۔

اسلامی اصول و حکومت کو حیات نو بخشنے اور حضرت رسول اکرم ﷺ کے دور جیسا صالح معاشرہ و سماج وجود میں لانے کیلئے تھا اس انقلاب کا مقصد شریعت اسلام کے احکام کا اجرا کرنا تھا، یعنی انقلاب کے تمام زاویئے اسلامی تھے واضح انداز میں یوں کہا جائے کہ تحریک کا ہدف اسلام اور انقلاب اسلام تک پہنچنا تھا ایرانی عوام صرف شاہ کے استعماری نظام کا تختہ پلٹنا نہیں چارہے تھے بلکہ اسلامی نظام و حکومت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے آرزومند تھے۔

امام خمینیؒ کی نگاہ میں ایران کا اسلامی انقلاب دنیا کے تمام انقلابات کے مقابل ماہیت اساس کے اعتبار سے مختلف ہے۔[1] یہ وہ انقلاب ہے جو فقط مذہبی و دینی جذبے کے تحت رونما ہوا۔ اسلامی انقلاب ایران کے قائد کی نظر میں اس انقلاب اور دوسرے انقلابوں میں نمایاں فرق ہے۔ وہ انقلاب ایمان و اسلام اور خدا کیلئے برپا نہیں کئے گئے لیکن یہ انقلاب خدا کیلئے ہے، ابتدا ہی سے خدا کیلئے تھا۔ اللہ اکبر کیلئے تھا اور آئندہ بھی خدا ہی کیلئے رہے گا۔[2] لہذا انقلاب اسلامی ایران کی تشریح، دنیا کے دوسرے انقلابات سے رائج تھیوری کے ساتھ نہیں کی جاسکتی ہے، دوسرے انقلابات کی بنیاد مادی و دنیاوی ہے، نیز اقتصادی و سیاسی مسائل کی بنا پر برپا ہوئے ہیں لیکن اسلامی انقلاب، معنویت و اسلام کی بنیاد پر استوار ہے۔ شاید یہ انقلاب دوسرے انقلابات سے فرعی مشابہت رکھتا ہو لیکن اصالت و ماہیت میں تباین کی حیثیت رکھتا ہے۔[3] لیکن اکثر محققین انقلاب اسلامی انقلاب کے اسی پہلو و عنوان سے غفلت کا شکار ہیں اس لیے حضرت امام خمینیؒ انقلاب اسلامی ایران کو ہر زاویہ وپہلو سے دوسرے انقلابات سے جدا قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ انقلاب اپنے ظہور و وجود، قیام و مبارزت اور فکر و ارادہ میں دوسرے ہر انقلاب سے الگ ہے۔[4]

امام خمینیؒ کے نظریہ کے مطابق انقلاب اسلامی ایران کی یہ تعریف کی جاسکتی ہے: ایران کا اسلامی انقلاب ایک الٰہی ہدیہ ہے جو تمام افراد کی مشارکت و تعاون کے ذریعہ اسلامی و عدالت پسند حکومت کے قیام کیلئے آیا ہے تاکہ پوری دنیا میں مظلومین و مستضعفین کی حمایت اور ان کا دفاع کرے۔[5] انقلاب کی اس تعریف کیلئے امام خمینیؒ کے اقوال و بیانات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

---

1. کتاب چارچوبی برائے شناخت انقلاب اسلامی، ہمت زادہ، ص ۱۵۔
2. صحیفہ امام، ج ۱۶، ص ۶۹، نقل از بررسی تھیوریہائے انقلاب، حاجی، ص ۴۸۔
3. تکمیل بحث کیلئے مقالہ فوق کا مطالعہ کیا جائے۔
4. وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینیؒ؛ صحیفہ امام، ج ۲۱، ص ۴۰۲۔
5. انقلاب کی یہ تعریف مقالہ نگار نے امام خمینیؒ کے فرمودات و بیانات سے اخذ کی ہے۔

۲۔ اسلامی انقلاب کی ماہیت واہداف

الف۔ اہداف انقلاب

ہر انقلاب کے اہداف و مقاصد ہوتے ہیں جو اس انقلاب کی امنگوں کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور انقلاب کی عظمت واہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان ہی اہداف واغراض کی بناپر انقلاب کی ماہیت وہویت واضح اور انقلاب کو امتیازی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ ہر انقلاب کی شناخت اپنے ہدف و مقصد سے ہوتی ہے مقصد جس قدر بلند و عظیم ہوتا ہے انقلاب اسی قدر باوزن و عظیم اور عالمی شہرت کا حامل ہوتا ہے ایسے صفات والے انقلاب کبیر و عظیم انقلاب کے نام سے پہچانے جاتے ہیں، انقلاب کبیر کے صفات غیر محدود، علاقائی اثرات سے بالاتر، عالمی افکار و نظریات کے حامل اور ہر پہلو پر اثرانداز ہوتے ہیں، ایران کا انقلاب ان صفات کا حامل ہوتے ہوئے عصر حاضر کا عظیم و کبیر انقلاب شمار ہوتا ہے۔ انقلاب اسلامی ایران کے اہداف واغراض حسب ذیل ہیں:

اول: دین ومعنویت کا احیاء

معنویت کے فقدان کے دور میں جب کہ انسان مادیات کا ہوسناک طریقہ سے اسیر ہے جس کی بناپر انسانی تشخص مسخ ہوتا جا رہا ہے دین اور معنویت کی گفتگو وبازگشت الٰہی معجزہ سے شباہت رکھتی ہے۔ ٹیکنالوجی اور مادی عصر میں جبکہ اکثر عالمی رائے عامہ سیاست سے دین کی جدائی کا عقیدہ رکھتی تھی اور اپنے زعم ناقص میں اس مادی ترقی وپیشرفت کو بہشت تصور کرتی تھی اسلامی انقلاب نے بندگی خدا، تعالی انسان اور معنویت ودین کو محور قرار دے کر عالم وجود میں قدم رکھا اور دنیا کے ایک گوشہ میں اسی بناپر حکومت کی داغ بیل ڈالی ایسے انقلاب اس وقت اور مخالفت ومزاحمت کا شکار ہونے لگتے ہیں جب نعرہ پر اکتفانہ کرتے ہوئے احکام اسلامی کے اجرائ، شریعت کی پاسبانی اور انسان ساز مکتب اسلام کو اپنا واقعی نصب العین قرار دیتے ہیں۔[1] واضح وروشن الفاظ میں یوں کہا جائے کہ جب انقلاب کے تمام اقدامات اللہ کیلئے اور شرعی فرض کی ادائیگی کے طور پر ہوں۔[2] تو انقلاب ہدف و مقصد کے عنوان سے منفرد ہوتا ہے اور اس کے ساتھ دنیا کے کسی انقلاب کا موازنہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ البتہ عصر گزشتہ سے ہی ایسے بلند اہداف تشیّع میں پائے جاتے ہیں جو عرصہ دراز سے مہجوریت کے باوجود ختم ہو نہ سکے، بلکہ ہمیشہ اپنے قائدین خصوصاً حضرت امام حسین (ع) کی سیرت

---

1. امام خمینیؒ کا قول ہے اسلام گہوارہ سے لحد تک انسان کی راہنمائی کی تھیوری ہے۔ صحیفہ امام، ج ۲۱، ص ۲۸۹۔
2. سورۂ سبا، آیت ۴۶۔

ونقش قدم پر عمل کرتے ہوئے عدل ومساوات، معنویت ودین کے معیار پر معاشرہ کی تشکیل کیلئے سعی وکوشش کرتے رہے اور انہوں نے ظالم وستمگر حکومت کو کبھی بھی تسلیم نہیں کیا، بلکہ ایسی حکومت کو ختم کرنے سے اپنی تمام ہستی کو فدا کرتے رہے ہیں۔[1]

یہ انقلاب دین ومعنویت کو حیات نو بخشنے کا دعویٰ کرتے ہوئے میدان میں اترااور اس نے عظیم مقصد کیلئے دنیا میں منفرد کردار ادا کیا۔ انقلاب کا یہ مقصد کلی وعالمی تھا جس نے اس مادیات کے دور میں تمام توحید پرستوں کو ایک پرچم کے تحت لا کھڑا کیا درحقیقت انقلاب اسلامی تمام توحید کے علمبرداروں کو حیات بخشنے والا ثابت ہوا ہے۔[2] اسلامی انقلاب ایران نے جس اسلام کو پیش کیا ہے وہ گوشہ نشینی، زہد خشک اور ظالموں وستمگروں کا دفاع کرنے والے اسلام سے میل نہیں کھاتا، بلکہ یہ خالص محمدیؐ اسلام ہے جو امریکی اسلام کے مقابل ہے۔[3] ایسا اسلام پہلے مرحلہ میں افراد میں تحول ومعنویت کا آغاز کرتا ہے پھر اس تحول ومعنویت کو عام کرتے ہوئے سماج ومعاشرے پر اثرات مرتب کرتا ہے اور ایک معنوی ودینی معاشرہ وجود میں لاتا ہے اور جب تک ایسے سماج ومعاشرہ کا قیام عمل میں نہ آئے تب تک ہدف ومقصد تک رسائی مشکل ودشوار ہوتی ہے اور یہ الٰہی سنت ہے۔[4]

دوم: عدالت وحقانیت کا احیاء

انسان ساز دین اسلام میں ظلم سہنا، ظلم کرنے کی طرح ناپسندیدہ ہے۔ ظلم کا مقابلہ اور حقانیت کا دفاع حقیقی قائدین اسلام کی روش وسیرت ہے، اسلامی ودینی معاشرہ کا لازمہ قربت وخوشنودی الٰہی، انسان کی اصلاح نیز، ہر قسم کی ناانصافی، ظلم وامتیازی سلوک کا خاتمہ ہے۔ احکام وشریعت اسلام کے نفاذ کی شرط نعمت وموہبت الٰہی کا عطا ہونا ہے ایسا عظیم مقصد خدا محور سماج ومعاشرہ وجود میں آنے کا باعث ہوتا ہے جو مکتب اسلام کا اصل ہدف ہے جس کے وجود کی خوش خبری خداوند عالم نے بشریت کو دے رکھی ہے۔[5] اور امام عصر (ع) کے ظہور وقیام کا مقصد بھی اسی ہدف کے حصول کیلئے ہے۔ معاشرہ میں طبقاتی فاصلے، انسانی حقوق کی پامالی، حکمراں اور ظالموں کے امتیازی سلوک، مستضعفین پر ظلم وبربریت کے مقابل اسلامی انقلاب ایران کا عدالت پسندی کا نعرہ بلند کرنے اور استبداد وثروت جمع کرنے کے خلاف عملی اقدام کے باعث ان کی نیندیں حرام ہونے لگی ہیں، انقلاب کی یہ خصوصیت سماج ومعاشرہ

1. حضرت امام حسین (ع) اپنے قیام کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں خواہشات نفسانی کی بناپر نہیں اٹھ کھڑا ہوا ہوں میرا مقصد ظلم وفساد کا پھیلانا نہیں، بلکہ میرا مقصد اپنے جد کی امت کی اصلاح کرنا ہے میرا مقصد امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔
2. مقالہ ابعاد ناشاختہ امام خمینیؒ، محمد جواد حجتی کرمانی، حضور، شمارہ ۹، ص ۱۷۵۔
3. ۔۔۔۔۔۔سدہ ودورہ جدید، ش ۱۸، ص ۴۱؛ صحیفہ امام، ج ۲۱، ص ۲۳۹۔
4. قرآن کریم، سورۂ رعد، آیت ۱۱۔
5. سورۂ قصص، آیت ۵۔

کیلئے آگاہی نیز نظام اسلامی کی عظمت و جواز کا سبب بنی ہے۔ امام خمینیؒ کے انقلاب کا اصل ہدف و مقصد حق طلبی و عدالت کا قیام شمار کیا جاتا ہے۔[1]

سوم: استعماریت کی نفی اور حریت پسندی

وسیع پیمانہ پر استعماریت کے نفوذ سے اقوام کے مفادات اور ان کی خود مختاری کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ ممالک کا وابستگی کی پالیسی پر عمل پیرا ہونا، نوکر و پٹھو حاکموں کا وجود مختلف سیاسی حربوں کا استعمال یہ وہ عوامل ہیں جو استعماریت کے مفادات کا تحفظ کئے ہوئے ہیں۔ لہذا وہ معاشرہ و سماج جو سیاسی اقتصادی و ثقافتی میدان میں حقیقی خود مختاری کو حاصل نہ کر سکے اس کی سامراجیت کے پنجے سے رہائی ناممکن ہے۔ خود مختاری کے معنی یہ ہیں کہ ملک اپنے مفادات و مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے پالیسیاں اختیار کی جائیں اور استکباری طاقتوں کے زیر تسلط نہ ہوں۔[2] اس قسم کی خود مختاری، غیر خدا پہ تکیہ نہ کرنے کے مترادف ہے اور دین کی اصل علامت تصور کی جاتی ہے۔ حریت پسندی کی ماہیت، انقلاب اسلامی ایران میں آشکار و نمایاں ہے جیسا کہ اس کے بنیادی نعروں، خود مختاری، آزادی، جمہوری اسلامی اور نہ شرقی نہ غربی جمہوری اسلامی سے نمایاں ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ جو ملک و ملت کسی طاقت پر اعتماد و تکیہ کئے بغیر، بلکہ ان کی آشکار مخالفت کرتے ہوئے اپنی خود مختاری کی آواز عالمی سطح پر پہنچانے کیلئے سعی کرتی ہے تو اسے اس کی قیمت بھی چکانی پڑتی ہے۔[3] حضرت امام خمینیؒ کی تقریر میں ۲۰۰ مرتبہ سے زیادہ خود مختاری کے لفظ کا استعمال انقلاب اسلامی ایران کے خود مختاری کے نظریئے کی اہمیت و عظمت کو اجاگر کرتا ہے۔

چہارم: حریت پسندی اور استبداد کا انکار

ظالم حکمراں ڈکٹیٹر شپ کے ذریعہ ہمیشہ گھٹن کا بازار گرم کئے رہتے ہیں جس کی بنا پر ملک سامراجی طاقتوں کے تسلط کا محور بنتا چلا جاتا ہے۔ جو معاشرہ اس نوعیت کی حالت کو جھیل رہا ہوتا ہے تحرک و قیام انقلاب کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ انسانی طبیعت و مزاج کا لازمہ آزاد زندگی اور آزاد فکر کرنا ہے وہ آزار، اذیت، شکنجہ، پر تشدد اقدامات، جلاوطنی جیسے اعمال سے محفوظ رہنا چاہتا

---

1. مقالہ مبانی انقلاب اسلامی و دیدگاہ امام خمینیؒ، محمد رحیم عیوضی، مجموعہ مقالات دہمین سیمینار بررسی سیرۂ نظری عملی امام، عروج، ص ۱۳۳۔
2. پہلے مرحلہ میں ملک کی خود مختاری کا تحفظ اور غیر ملکی تسلط کا خاتمہ۔۔۔ صحیفہ امام، ج ۳، ص ۴۸۸۔
3. مبانی انقلاب اسلامی۔۔۔، محمد رحیم عیوضی، ص ۱۲۔

ہے، حریت پسند انسان کبھی بھی اپنی کردار کشی برداشت نہیں کرتااور عزت و حرمت کا پاس ولحاظ چاہتا ہے۔ منزلت و کرامت پسندی، شخصیت و عزت طلبی انسان شناسی، ایسے عناصر ہیں جن کا شمار عظیم اہداف میں ہوتا ہے خصوصاً انسان ساز مکتب اسلام میں دوسرے انسانوں کی قید سے رہائی و آزادی انسانیت کا لازمہ ہے۔[1]

حضرت امام خمینیؒ کے حریت پسند مزاج نے حریت پسندی کو شاہ کی ظالم حکومت سے کئے جانے والے عوام کے ایک اساسی مطالبے میں تبدیل کر دیا تھا۔ آپ کی فطرت و عادت میں استبداد کا مقابلہ رچا بسا تھا۔ آپ کی راہ و روش سے اسلامی حکومت کے مستقبل کے خطوط نمایاں تھے۔[2]

ب۔انقلاب اسلامی کی ماہیت و خصوصیات

ایران کا اسلامی انقلاب کا مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے جائزہ لیا جانا چاہیے، لیکن اس انقلاب کے دینی و اسلامی پہلو کے حامل ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا ہے، اس کا وجود و قوام اسی ہویت پر استوار ہے اس کے بغیر دوسرے تمام عوامل بے اثر ہیں اس انقلاب کی ماہیت اسلام پسندی اور اس کا مقصد اسلامی حکومت کی تشکیل ہے۔[3] حکومت کی شکل، مبارزت کی نوعیت اقتضائی امر ہیں زمان و مکان کے حالات سے وابستہ ہیں ہر وہ روش و طریقہ جو انسانی و اخلاقی موزونیت رکھتے ہیں اور سماج و معاشرہ کو دینی و اسلامی قوانین کے نفاذ کے رغبت دلاتے ہوں مطلوب و پسندیدہ ہیں اور اقتصاد، سماجی رفاہ، مادی ترقی، عوامی بہتری، ملکی و سماجی آزادی وغیرہ جیسے دوسرے عوامل کو انقلاب کی اسلامی ماہیت کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑھا چڑھا کر بیان کرنا حقیقت سے دور ہونے کے مترادف ہے، کبھی بھی یہ عوامل حقیقی سبب کا کردار ادا نہیں کر سکتے ہیں۔ البتہ انقلاب کی اسلامی ماہیت و مذہب تشیع کے نجات بخش اصولوں کے ہمراہ دوسرے عوامل و مطالبات بھی تھے جو اسی محور کی روشنی میں انقلاب کے مطالبات کو مستحکم کرتے تھے ایسے عوامل کبھی بھی ناچیز و کم اہمیت شمار نہیں کئے جائیں گے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کی ماہیت اسلامی ہونے کے ساتھ ایرانی عوام کا قیام اہم خصوصیتوں کا حامل ہے اور بعض خصوصیتیں دنیا کے سماجی و معاشرتی تحریک میں مشترک بھی ہیں لیکن یہ اشتراک سبب نہیں بنتا کہ ایرانی عوام کے قیام کی امتیازی خصوصیت کو حذف کر دیا جائے۔ اس انقلاب کی امتیازی خصوصیت دنیا میں رائج خصوصاً دو قطبی نظام لبرال ازم و مارکس ازم کی نفی کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام کی مرکزیت کا بھی اعلان ہے۔ بعض خصوصیات میں اشتراک کے باوجود ایرانی عوام کا

---

1. ولا تکن عبد غیرک۔۔۔امام علی(ع)؛ کتاب پیرامون انقلاب اسلامی، مطہری، ص ۴۳۔

2. مبانی انقلاب، محمد عیوضی، ص ۱۲۱۔

3. اس انقلاب کی اساس اسلام پر ہے۔ ہم اسلام کے علاوہ کسی اصول و امر کو قبول نہیں کر سکتے۔ یہ وہ کلمات تھے جس نے عوام کا جذبہ بیدار کر کے رکھ دیا اس کے علاوہ کوئی اور طاقت ایسی نہ تھی جو اس عظیم ملت کو ایک واحد راستہ پر لا سکتی۔ تبیان، دفتر ۲۶، ص ۵۲؛ صحیفہ امام، ج ۱۳، ص ۲۶۔

قیام وانقلاب منحصر بہ فرد خصوصیت کا حامل ہے جو دنیا کے دوسرے انقلابات میں کم اثر یا محصور و محدود نوعیت کا ہے۔ ہم اس تشریح کے ساتھ ایران کے اسلامی انقلاب کی چند خصوصیات بیان کررہے ہیں:

اول: انسان ساز مکتب اسلام کا مرکزی کردار

انقلاب اسلامی ایران کی اہم ترین وبنیادی ترین خصوصیت اسلام کو مکتب فکر قرار دینا ہے اس انقلاب نے عصر حاضر کے انسان کیلئے اسلام کو جامع وہمہ گیر وسیلہ نجات کے طور پر پیش کیا ہے۔ حضرت امام خمینیؒ دنیاوی مسائل میں بھی انسان کی مشکلات کا حل وچارہ معنویت واخلاق کو بتاتے ہیں۔ آپ کی نگاہ میں انسان کا دینی قلمرو سے اعراض بڑی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ معنویت کا فقدان آج کے انسان کیلئے اخلاق و معنویت سے دوری اور مقام انسانیت سے تنزل کا سبب بن چکا ہے۔ انبیائے کرام (ع) کے اہداف و مقاصد انسان سازی، خداخواہی، ارتقاء اور معنویت ہیں، جن کو امام خمینیؒ نے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے رکھا تھا۔ ان اہداف تک رسائی، انسانی حیات میں دین ومذہب کے کردار کے احیا کے بغیر ممکن نہیں ہے۔[1] لہذا امام خمینیؒ نے دین وسیاست کے عدم افتراق کا نظریہ پیش کیا تاکہ بشریت کو مذہب گریزی اور خود رفتگی سے نجات ملے۔ آپ نے تمام مکاتب فکر کو چیلنج کرتے ہوئے اسلامی مکتب فکر کے نظریات کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور تمام بشریت کو بتادیا کہ تمہاری لاعلاج بیماری کا علاج صرف معنویت والوہیت کی طرف بازگشت ہے۔[2]

حضرت امام خمینیؒ دینی معارف، عرفان وفلسفہ اور دوسرے انسانی علوم پر وسیع نظر کے مالک اور کامل احاطہ رکھتے تھے۔ آپ نے اسلامی مکتب میں کچھ ایسے جوہر ملاحظہ کرنے کے بنا پر ہی فرمایا تھا کہ اگر دنیا اپنی ہزاروں کمر شکن مشکلات سے نجات حاصل کرکے انسانی زندگی سے ہمکنار ہونا چاہتی ہے تو اسلام کی طرف رجوع کرے۔[3] امام خمینیؒ تمام انسانیت کیلئے دین اسلام کو جامع وکامل دین سمجھتے تھے۔[4] جیسے آپ کے پیروکاروں نے تعجب انگیز عمل وحرکت کے ذریعہ ثابت بھی کردیا ہے۔

---

1. بانی انقلاب اسلامی حضرت امام خمینیؒ نے پیغمبران الٰہی کی راہ وروش سے الہام لیتے ہوئے اور معنویت کے بحران اور فساد گستر حالات میں معنویت وسیاست کے اتحاد کو پیش کرتے ہوئے بشریت کیلئے نئی راہ ہموار کی ہے۔ مقالہ معنویت گرائی در نہضت امام خمینیؒ، ناد علی سالمی، حضور، ش ۴۴۔

2. امام خمینیؒ نے مادی نظریات کے برخلاف بشری مشکلات ومسائل کی وجہ اقتصاد وقدرت ومادی وسائل کو قرار دیا۔ آپ نے معنویت کو ان کا علاج قرار دیا تاکہ انسان فلاح ورستگاری کو حاصل کرسکیں بشرطیکہ الٰہی قدرت واسلامی حکم پر عمل پیرا ہوں۔ مقالہ معنویت گرائی در نہضت امام خمینیؒ، ناد علی صالح، حضور شمارۂ: ۴۴۔

3. صحیفہ امام، ج۶، ص ۱۸۰۔

4. انسانی اطوار کو عالم بشریت پر حاکم قرار دینے کا واحد راستہ اسلام کے نورانی احکام کی پیروی ہے اس لیے کہ اس مکتب فکر نے تمام پہلوؤں پر نگاہ رکھتے ہوئے مادیات کو معنویت کے وسیلہ سے معتدل کر رکھا ہے اور الٰہی رنگ میں ڈھال دیا ہے۔ معنویت گرائی در نہضت امام خمینیؒ، صاطی، حضور، شمارہ ۴۴۔

دوم: انقلاب کا ہمہ گیر ہونا [1]

عام طور سے انقلاب سماج، سیاست اور اقتصاد کے بعض پہلوؤں میں اساسی وبنیادی تغیر پیدا کرنے کیلئے بر پا ہوتے ہیں یا حکومتی ڈھانچے میں کچھ تبدیلیاں کر کے متوقف ہو جاتے ہیں یا انقلابی جماعت کے راضی ہو جانے پر ختم ہو جاتے ہیں، اکثر انقلابات میں انقلاب سے متعلق امور وحالات میں تبدیلی تو ہو جاتی ہے لیکن بقیہ صورتحال میں کوئی تغیر نہیں ہوتا ہے لیکن انقلاب اسلامی ایران عام وکلی تحول و تغیر کا سبب بنا ہے۔ درحقیقت اسلامی انقلاب نے معاشرہ وسیاست کے ہر شعبہ میں بنیادی تبدیلی کی ہے۔ اقتصاد، سیاست ومعاشرت کے تمام امور انقلاب سے قبل کی نوعیت سے میل نہیں کھاتے ہیں۔

سماج ومعاشرے کے تمام زاویئے اس انقلاب سے متاثر ہوئے ہیں، صریحاً کہا جاسکتا ہے کہ اس انقلاب کے مخاطب فقط ایرانی، دینی واسلامی سماج ومعاشرہ نہ تھا، بلکہ کل جہان وبشریت ہے اسی بناپر صدائے انقلاب نے ملکی، قومی، مذہبی، انسانی افکار کو متاثر کرتے ہوئے حریت پسند انسانوں کی فطرت کو اپنا مخاطب قرار دیا ہے۔ [2]

سوم: عوام پر بھروسہ واعتماد

ہر انقلاب وسماجی تحریک کی امتیازی خصوصیت اس کا عوام پر اعتماد ہے جس قدر افراد کی شرکت وسیع ہوتی ہے اسی قدر انقلاب وتحریک کو قوی ومستحکم تصور کیا جاتا ہے۔ [3] انقلاب وتحریک کا ظہور، آغاز کامیابی اور بقاء کا معیار عوامی شرکت ہے۔ جتنے فیصد شرکت ہوتی ہے اس قدر حیات وبقا کا امکان ہوتا ہے۔ البتہ بعض اوقات سرکردہ شخصیتیں عوام کے احساسات سے ذاتی مفاد حاصل کرتی ہیں لیکن اسلامی انقلاب ایران کا عوام سے تعلق حقیقی ودائمی ہے۔ یہ عوام کے ایک ایک فرد سے مرتبط ہے۔ اس انقلاب میں عوام کی وسیع شرکت بے نظیر ہے، دنیا کے کسی بھی انقلاب میں ایسی مثال نہیں ملتی، یہ انقلاب کسی خاص صنف وطبقہ سے مخصوص نہیں، بلکہ تمام طبقات اور سماج ومعاشرے کے افراد، ہر قسم کے ذاتی مفاد وسلیقہ سے بالاتر ہو کر اسلام پسندی کے پرچم تلے شہنشاہی

---

1. عظیم انقلاب کا امتیاز واصالت سماجی اعتبار سے نامحدود ہونا قومیت سے بالاتر ہونا عالمی افکار کا حامل ہونا اور تمام معاشرے میں نفوذ رکھنا اسی بناپر انقلاب ایران عظیم انقلاب تھا کیونکہ اس انقلاب نے حکومت کے بنیادی اصول نیز ساخت وساز کی بساط کو الٹ کر رکھ دیا۔ جوانان وآئندہ انقلاب اسلامی، علی اکبر آقائی، ج ۲، ص ۴۸۔

2. یعنی وہ احساسات جو انبیائے کرام (ع) انسان میں پیدا کرتے ہیں یعنی احساس خدا طلبی، خداپرستی جو ہر انسان کی فطرت میں پوشیدہ ہے۔ نہضت صد سالہ اخیر، مرتضیٰ مطہری، ص ۶۰۔

3. حکومت کے پشت پناہ عوام ہوتے ہیں، اگر عوام کی پشت پناہی حاصل نہ ہو تو حکومت برقرار نہیں ہو سکتی ہے۔ صحیفہ امام، ج ۱۱، ص ۴۵۹۔

نظام کے خلاف باشکوہ و کم نظیر اجتماع کئے ہوئے نظر آتے ہیں۔[1] عوام کا بے مثال اتحاد، اسلامی انقلاب ایران کیلئے فیصلہ کن ثابت ہوا اور یہ اتحاد حضرت امام خمینیؒ کی الٰہی قیادت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔[2]

چہارم: مرجعیت و قیادت

اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام کو منظم کرنے نیز ان کی ہدایت و قیادت اور مقررہ اہداف کا حصول اور تقدیر ساز فیصلے صرف توانا و آگاہ قائد کے نظریات اور مینجمنٹ کے ذریعے ہی ممکن ہیں۔ دنیا کے انقلابات کے مطالعے سے یقین کیا جاسکتا ہے کہ حضرت امام خمینیؒ کی شخصیت انقلاب کے ظہور و آغاز قیام و کامیابی میں انتہائی اہم کردار رکھتی ہے۔ ایسی جامع شخصیت کسی بھی انقلاب میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ آپ کی فردی و اجتماعی خصوصیت، مختلف علوم و معارف میں مہارت ایران و جہان کے تاریخی واقعات کی شناخت، عصر جدید کے سیاسی مسائل سے آگاہی، دینی و مذہبی قیادت و مرجعیت جیسے امور کی بنا پر آپ انقلاب اسلامی کے روح رواں و قائد عظیم الشان اور آپ کے افکار، نظریات اور خیالات انقلاب کیلئے تھیوری قرار پائے۔ آپ کی ذات مبارک دینی قیادت و سیاسی رہبریت کا مجموعہ تھی۔[3]

حضرت امام خمینیؒ نے اسلامی انقلاب کی تھیوری کو کہ جو ولایت فقیہ کے دروس دینے کے دوران وجود میں آئی، عملی جامہ پہنا دیا۔[4] اپنی فکر و نظر کو انقلاب اسلامی ایران کی شکل میں دنیا والوں کے افکار و نظریات کے سامنے پیش کردیا کہ دین اسلام ہمہ گیر خصوصیت کا حامل ہے۔ حضرت امام خمینیؒ بعض ایسی صفات کے حامل تھے جن کی بنا پر ایرانی عوام آپ پر قلبی اطمینان واعتماد رکھتے تھے اور انقلاب کی پر خطر صورتحال میں اس اعتماد میں اضافہ ہی ہوتا رہا، کریزمیٹک اور قائدین کے برخلاف آپ کی رہبریت و قیادت عقلانیت اور عوام کے حقوق کے احترام پر استوار تھی۔[5] حضرت امام خمینیؒ کے بعض اہم صفات جن کو عام مقبولیت حاصل تھی حسب ذیل ہیں:

---

1. اسلامی انقلاب میں معاشرہ کے تمام طبقات کے افراد شریک تھے جنہوں نے شاہ کی حکومت کو جو ہر اسلحہ سے لیس تھی گرادیا۔ مقالہ انقلاب اسلامی ایران در میان انقلاب ہائے بزرگ جہان، منوچہر محمدی، کتاب نقدیش ۱۳، ب ۱۳۷۸۔
2. انقلابی افراد کا بنیادی مطالبہ سماجی و اقتصادی وابستگی کو ختم کرنا اور استبداد و ظلم کا خاتمہ تھا۔ مقالہ انقلاب ایران در چشم اندازی تطبیقی۔۔۔ نیکی، کدی، حسین علی نوذری، ایران فردا، ش ۱۲، ص ۵۸۔
3. احمد ہوبر کا کہنا ہے کہ امام خمینیؒ عصر حاضر کے پہلے مذہبی لیڈر ہیں جنہوں نے ایسا انقلاب برپا کیا جو تینوں پہلوؤں یعنی سیاسی، اقتصادی و سماجی پر مشتمل تھا۔ یہ ان کیلئے عظیم کامیابی ہے۔ مقالہ امام وانقلاب، ص ۲۷، ص ۶۶۔
4. ولایت فقیہ، کتاب امام خمینیؒ کے دروس کا مجموعہ جو آپ نے نجف اشرف میں جلاوطنی کے دوران دیئے تھے۔
5. مقالہ رابطہ امام خمینیؒ و مردم در انقلاب اسلامی، منوچہر محمدی، حضور ۲۵۔

۱۔آپ رہبر و قائد کے عنوان سے عمیق و وسیع نفوذ رکھتے تھے۔

۲۔ ظلم و ستم،استبداد و استکبار کے مقابل شجاع اور صریح تھے اور دوٹوک انداز میں عمل فرماتے تھے۔

۳۔انقلابی جدوجہد کی طویل مدت میں عملی میدان میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔

۴۔۱۵ خرداد کے عوامی مظاہرے وقیام اور اس کے بعد ایک باتجربہ مجاہد کے عنوان سے پہچانے گئے۔

۵۔عوام کے سلسلہ میں اعتماد طرفین کے عنصر پر یقین کامل رکھتے تھے۔

۶۔انقلاب کے ملکی اور غیر ملکی دشمنوں کے مکر وحیلہ سے کامل ودقیق آشنائی رکھتے تھے۔

۷۔ایران کے عوام کہ جو آئینی تحریک سے لے کر اب تک روشن خیالوں اور قوم پرستوں کی قیادت سے مایوس ہو چکے تھے شیعہ علماء کی طرف رجوع کرنے لگے۔[1]

ج۔اسلامی انقلاب دنیا کے دوسرے بڑے انقلابات سے موازنہ [2]

دنیا کے بڑے انقلابات میں انقلاب فرانس، روس اور چین کا شمار ہوتا ہے۔ایران کے اسلامی انقلاب کے عوامل ورجحان اور اہداف کے ادراک کیلئے دنیا کے بڑے انقلابات سے اس کا موازنہ کیا جاسکتا ہے اگرچہ اسلامی انقلاب خاص خصوصیت وعظمت کا حامل ہے۔شائد بعض عوامل واہداف میں ان کے ساتھ شریک ہو لیکن اس مقام پر اختلافی امور مسائل پیش کئے جارہے ہیں:

۱۔ایران کا اسلامی انقلاب تمدن خیز تھا کیونکہ اس کا پیغام دنیا کی سب اقوام کیلئے تھا جبکہ دوسرے انقلابات فقط مشرق یا مغرب کے محدود علاقے کی بہتری کیلئے تھے اور وہ یہ ترقی یکطرفہ چاہتے تھے یا وہ یہ ترقی دوسری تمام چیزوں کی نفی کے حاصل کرنا چاہتے تھے۔

---

1. مقالہ رابطہ امام خمینیؒ و مردم در انقلاب اسلامی، منوچہر محمدی، حضور ۲۵؛انقلاب در ایران سال ۷۹، حمید عنایت۔

2. تکمیل بحث کیلئے مندرجہ ذیل حوالہ دیئے جارہے ہیں:

۱۔انقلاب اسلامی در میان انقلاب بزرگ جہان، منوچہر محمدی، کتاب نور، ش ۳؛ ۲۔کتاب چارجوی برائے تحلیل وشناخت انقلاب اسلامی، حشمت زادہ، فصل ۵؛ ۳۔انقلاب ایران در چشم اندازی تطبیقی، نیکی کدی نوذری، ایران فردا، ش ۱۲۔

۲۔ انقلاب اسلامی ایران ایک اصلاحی انقلاب تھا یعنی اسلامی و روایتی پہلو کا حامل تھا اس کے حامی وطرفدار ایرانی اسلامی معاشرہ تھا اس انقلاب کے نفوذ کی وجہ دینی و مذہبی عنصر تھا۔

۳۔ فرانس و روس میں حاکم جماعت کمزور و ناتواں تھی حالانکہ ایران میں حاکم نظام قوی وطاقتور تھا، نیز اس کو مشرق و مغرب کی سامراجی حکومتوں کی طرف سے فوجی واطلاعاتی حمایت حاصل تھی۔

۴۔ انقلاب ایران کی اجتماعی طاقت عوام، قیادت وعقیدہ کی بنا پر تھی۔

۱۔۴۔ عوامی شرکت: ایران کا اسلامی انقلاب عمومی شرکت واتحاد کا نتیجہ تھا لیکن فرانس و روس کے انقلاب میں عوامی شرکت بہت ہی کم تھی، بلکہ خاص افراد وعلاقے کی بغاوت کا نتیجہ تھا۔

۲۔۴۔ قیادت: انقلاب ایران کی قیادت و رہبری کامیابی سے قبل اور کامیابی کے بعد ایسی شخصیت کے ہاتھوں میں تھی جو نظام کیلئے صاحب نظر، حاکم اور معمار تھا یعنی تمام عناصر ایک ہی شخصیت میں جلوہ گر تھے لیکن فرانس و روس کے انقلاب میں کوئی ایسی جامع شخصیت نہ تھی۔

۳۔۴۔ عقیدہ: ایران کے اسلامی انقلاب میں اسلامی عنصر بہت قوی تھا لہذا عوام نے دینی رہنما کی قیادت میں حکومت کے خلاف بغاوت و شورش کی۔[1] جبکہ روس و فرانس کا انقلاب صرف حکومت کے خلاف ہی نہ تھا بلکہ دینی مرکز و قیادت یعنی مسیحی علما و کلیسا کے خلاف تھا۔

مجموعی طور پر فرانس و روس کے انقلابات ملک کی سیاسی اقتصادی و سماجی بدحالی کے نتیجے میں رونما ہوئے تھے جبکہ ایران کے اسلامی انقلاب نے اجتماعی اور مذہبی طاقت استعمال کر کے ایک مضبوط حکومت کو اس کی تمام تر قوت کے باوجود سرنگوں کر دیا۔ اسی وجہ سے مبصرین انگشت بدنداں رہ گئے۔[2،3]

1. انقلاب اسلامی در میان انقلاب ہائے بزرگ جہان، منوچہر محمدی۔
2. انقلاب اسلامی در میان انقلاب ہائے بزرگ جہان، منوچہر محمدی۔
3. انقلاب اسلامی در میان انقلاب ہائے بزرگ جہان، چارچوبی برائے تحلیل، حشمت زادہ، ص۲۴۹۔

۵۔ انقلاب فرانس کا نتیجہ فردی آزادی تھا جسے اجتماعی عدالت و سرمایہ داری کو ختم کر کے حاصل کیا گیا اور انقلاب روس کا ماحصل اجتماعی عدالت ڈکٹیٹر شپ کے ہمراہ تھا جسے فردی آزادی کو نابود کر کے پایا گیا تھا لیکن اسلامی انقلاب ایران میں آزادی و اجتماعی عدالت نے متوازن حقوق پائے ہیں۔

۶۔ انقلاب فرانس کا مقصد، آزادی، برادری و برابری ہے اور انقلاب روس کا ہدف معنویت کی نفی اور کمیونسٹ اقتصادی نظام ہے لیکن اسلامی انقلاب کا مقصد اللہ کی حاکمیت عدالت کا قیام اور معاشرہ کو تشخص بخشنا ہے۔[1] معنویت اقتصاد کے ہمراہ۔ عدالت آزادی کے ساتھ انقلاب کے نعرے: خود مختاری، آزادی، جمہوری اسلامی کے ذریعے قائم ہوئی۔

۳۔ انقلاب اسلامی کے ظہور و تشکیل کے اسباب

انقلابات کے آغاز اور تشکیل کے علل و اسباب مختلف ہوتے ہیں ممکن ہے یہ اسباب کسی خاص زمان و مکان میں پیدا ہوئے ہوں اور ایک تحریک کے مانند سماجی و معاشرتی تحول کا سبب بنے ہوں جیسے انقلاب و جنگ وغیرہ، علل جیسے گروہ کے رہبران کا قتل صاحبان انقلاب کی جلا وطنی یا شکنجے، آزادی کا فقدان و سیاسی گھٹن، حاکم جماعت کے افراد اور عوام میں فاصلے، فکری سماجی و سیاسی بد عنوانی و کرپشن معاشرے کے نظریات اور حکمرانوں کے فعل و عمل میں تضاد، فقر و غریبی اتنے علل کے درمیان ایک انقلاب کے اصل محرک و علت کا حصول دشوار ہے، بسا اوقات وہ اس پیچ و خم میں گم ہو کر رہ جاتا ہے لیکن انقلاب اسلامی ایران کے سیاسی و مذہبی قائدین کے موقف کے شفاف و آشکار نیز انقلابی طاقت کے سلسلہ میں سمت و جہت کے روشن و واضح ہونے کی بنا پر انقلاب کے ظہور اور اس کی تشکیل نیز استمرار کے علل و اسباب کو درک کرنا مشکل امر نہیں ہے۔ ذیل کی عبارت میں چند اسباب ذکر کئے جا رہے ہیں:

۱۔ انقلاب اسلامی کے وجود و آغاز کے اصل اسباب

یہ بات مسلم ہے کہ انقلاب کے دوران معاشرہ طولانی مدت کے بعد بحران کے مرحلہ سے دوچار ہوتا ہے اور حاکم نظام کے عدم جواز کا مسئلہ آہستہ آہستہ زور پکڑتا ہے لیکن بحران کا مسئلہ ایک چنگاری کے ہی ذریعہ کنٹرول سے خارج ہو جاتا ہے ظہور و آغاز کے عوامل اسی چنگاری کے مانند عمل کرتے ہیں۔ انقلاب اسلامی کے آغاز کے اہم ترین عوامل حسب ذیل ہیں:

---

1. کتاب چار چوبی برائے تحلیلی و شناخت انقلاب، حشمت زادہ، فصل ۵۔

الف۔اسلام ستیزی اور عوام کے مذہبی و دینی عقیدہ کی مخالفت

استعمار کا اصل و مخفی طریقہ عوام کے مذہبی و دینی عقیدے کی تضعیف و تخریب ہے جو ضمیر فروش حاکموں کے ہاتھوں کی جاتی ہے تاکہ ان کے مقاصد و مفادات کا تحفظ ہو سکے۔ عام طور سے جاہ طلب ضمیر فروش، استعمار زدہ عناصر مل ہی جاتے ہیں تاکہ ان کے اہداف کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ ایران میں بھی پہلوی خاندان نے اس ذمہ داری کو سنبھالا تھا۔ البتہ اس تحریف و تضعیف کے سلسلہ میں باپ اور بیٹے کے طریقہ کار و روش میں فرق تھا لیکن دونوں ایک ہدف و مقصد کیلئے کام کر رہے تھے وہ اسلام ستیزی اور دین کی تضعیف کا کام حسب ذیل عنوان سے انجام دے رہے تھے:

۱۔ دین کو سیاست سے جدا رکھنا کہ یہ جدید یورپ کا محوری نظریہ تھا جو دوسرے معاشروں میں نفوذ کر چکا تھا اور دین کو سیاسی میدان سے ہٹا کر الگ تھلک کر دیا تھا۔[1]

۲۔ الحاد و اباحی گری کی ترویج جیسے گمراہ فرقہ بہائیت کی پشت پناہی اور ایسے قوانین کا اجرا جو بظاہر جدید اور ترقی یافتہ تھے لیکن باطن میں اسلام مخالف تھے جیسے ریاستی و صوبائی انجمن کا قانون[2] لیکن امام خمینیؒ کی فوری اور دوٹوک مخالفت کی بنا پر شاہ کا حربہ ناکام رہا۔ امام خمینیؒ کے اس عمل سے ایک مرتبہ پھر سب کی نگاہیں مرجعیت اور شہر مقدس قم کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ امام خمینیؒ کی تلاش وسعی سے شیعہ علماء دوبارہ سیاسی میدان میں اتر پڑے اور آئینی تحریک کی شکست کے تجربہ سے استفادہ کرتے ہوئے جو مغرب زدہ دانشوروں کے انحراف سے پیش آیا تھا، رہبریت و قیادت کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔[3] علماء تشیع کا دوبارہ سیاسی میدان میں قدم جمانا اور قیادت کو ہاتھوں میں لینا ایک عالمانہ قدم اور معاشرے کے حالات سے ہم آہنگ تھا جس کا ہدف ایرانی سماج سے ناانصافی کو ختم کرنا واسلامی و شیعی اصول کا احیا و تحفظ کرنا تھا۔[4]

---

1. شاہ دینی علما کے مقام و نفوذ کو دیکھ چکا تھا جیسے تمباکو تحریک، آئینی تحریک۔ ۱۹۱۹ء کی قرارداد کی مخالفت۔ ۱۹۲۰ء میں عراق کا انقلاب وغیرہ میں دینی علما نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ تمباکو و آئینی تحریک و انقلاب عراق میں برطانوی استعمار نے دینی علما سے شکست فاش کھاتی تھی اسی بنا پر شاہ ایران دینی علما کی اہانت کے ذریعہ ان کے کردار کو محدود کرنا چاہتا تھا لہذا اس نے دین و سیاست کی جدائی کے منصوبے کا اجرا کیا۔ کتاب انقلاب اسلامی۔۔۔۔۔

2. یہ قانون اس وقت کے مرجع آیت اللہ بروجردی کی وفات کے بعد اسد اللہ علم نے پیش کیا اور پھر امام خمینیؒ کی مخالفت سے حکومت کو اسے کالعدم کرنا پڑا اور حکومت نے معذرت خواہی کی۔

3. تحریک تمباکو، آئینی تحریک، تیل کے قومیائے جانے کی تحریک، قیام ۱۵ خرداد، انقلاب اسلامی، یہ پانچ تحریکیں تاریخ ایران کی عظیم سیاسی وسماجی عظیم تحریکیں ہیں سب ایسے اعتبار سے ایرانی معاشرے پر اثرانداز ہوئی ہیں کہ انقلاب اسلامی تمام تحریکوں کا مجموعہ تھا۔ در آمدی بر ریشہ ہائے انقلاب اسلامی، مجموعہ مقالات۔

4. مقالہ انقلاب در ایران، حمید عنایت، ص ۱۵۴۔

۳۔ اخلاقی بے راہ روی و بے حیائی کی ترویج

گمراہ کن لٹریچر ومجلے وفساد وفحشاء کے مراکز کی توسیع کے ذریعہ جوان نسل کی تباہی، انسانی طاقت وقوت فکر کی تخریب، پردے پر پابندی [1] اور خواتین سے ناجائزہ فائدہ اٹھائے جانے جیسے اسباب کی بناپر سماج ومعاشرہ تباہ کن حالات سے دچار تھا، جوان طبقہ جس سے معاشرے کو قوام ملتاہے اخلاقی بے راہ روی وغیر انسانی افعال میں سر گرم تھااور معاشرے میں فردی واجتماعی سلامتی وارتقاکا دور تک نام ونشاں نہ تھا۔

۴۔ اسلام کے عظیم و گران بہا کلچر، تمدن وتاریخ کی میراث کو جعلی ومصنوعی تشخص یعنی ایرانی شہنشاہیت میں تبدیل کرنا۔[2]

۵۔ دینی علماودانشوروں کی توہین جن کا آشکار نمونہ شہر قم کے مدرسہ فیضیہ پر حملہ اور علماء کو زدوکوب کرنا۔[3] اس اہانت آمیز حرکت سے شاہ کی دین مخالفت ماہیت ابھر کر سامنے آگئی اوراس کے مکروہ چہرے سے نقاب اٹھ گئی۔

۶۔ حکومت کے اہم عہدے غیر شیعوں کو دے کر غیر مسلموں کو مسلمانوں پر مسلط کرنا۔

۷۔ زبان فارسی کی حفاظت وپاسداری کے بہانے دینی واسلامی کلمات کو حذف کرنااور ہجری شمسی تاریخ کو شہنشاہی تاریخ میں تبدیل کرنا۔[4]

۸۔ اہل بیت اطہار (ع) کی مجالس عزا خصوصاًماہ محرم پر پابندی عائد کرنا۔ حضرت امام خمینیؒ نےاس مذہبی ودینی شعائر کو خاص درایت وتدبیر کے ذریعہ انقلاب اسلامی کے مفاہیم کی ترویج کیلئے استعمال کیا جس کی بناپر محرم وصفر[5] کی مجالس شاہ کی برائیوں اوراس کے کرتوت کے فاش کئے جانے میں تبدیل ہوگئی تھیں۔[6] شاہ کی اسلام ستیزی اور دینی ومذہبی شعائر کی توہین انقلاب کے آغاز

---

1. پردے پر پابندی، اخلاقی بے راہ روی کی ترویج کیلئے پہلا قدم تھاجو ترکی میں اتاترک اورایران میں شاہ نے اٹھایا۔

2. تاریخ ۲۵۰۰ سالہ ایران۔

3. فیضیہ کاواقعہ ۲فروردین ۱۳۴۲ھ ش(یکم اپریل ۱۹۶۳ ء)میں ہواتھاجب شاہ کے افرادنے علماکوزدوکوب کیا۔یہ واقعہ انقلاب اسلامی کی پیشرفت میں بہت موثرثابت ہوا تھا۔

4. کتاب نہضت صدسالہ اخیر، مرتضیٰ مطہری، ص۶۱۔

5. محرم وصفرنے اسلام کوزندہ کرر کھاہے۔سیدالشہداءؑ کی فداکاری نے اسلام کوزندہ کردیاہے۔ صحیفہ امام، ج۱۵، ص۳۳۰۔

6. امام خمینیؒ نے امام حسین(ع) کی مجالس عزاانقلاب سیاسی اسلام کیلئے ہمہ گیر محور کے طورپراستفادہ کیا۔واقعہ کربلاکواسوہ قراردے کرہمارے جوانوں نے بے خوف ہو کر شہادت کے جام نوش کئے اورانقلاب ایران کے تحفظ کی ضمانت فراہم کردی۔چارچوبی برائے تحلیل، حشمت زادہ، ص۱۵۶۔

وتشکیل کی اصل وبنیادی علت تھی۔[1] اسی بناپر حضرت امام خمینیؒ نے شاہ کے ظلم کو آشکار کرتے ہوئے اعلان فرمایا، ہم نظام حاکم کو اس کے ظلم کی وجہ سے ختم کرنے پر مجبور ہیں۔ ہم بدعنوان، ظالم، خائن اور جائر حکومت کا تختہ پلٹ کر رہیں گے۔ یہ وہ فرض ہے جس پر سب مسلمان اسلامی ممالک میں عمل کریں اور انقلاب اسلامی سیاسی کو بروئے کار لائیں۔[2]

ب۔اغیار سے وابستہ ہونا

ایرانی حکومت اور عہدیداروں کی اغیار سے وابستگی اور اغیار کا نفوذ وتسلط قاجار حکومت کے دور سے شروع ہو کر پہلوی کے زمانہ میں اپنے اوج کو پہنچتا ہے۔[3] خصوصاً شاہ پہلوی اپنی حکومت کے دوسرے دور میں امریکہ سے شدید وابستہ ہو چکا تھا[4] اسی لیے آخری وقت تک ان کا مطیع وفرمانبردار رہا جس طریقہ سے اس کا والد رضا شاہ اپنی حکومت کو برطانیہ کی دین سمجھتا تھا اور آخر دم تک اس کی خدمت وناز برداری میں مصروف رہا۔

لیکن ایرانی عوام شروع ہی سے استعماریت سے بر سر پیکار رہے مشرق ومغرب سب نے استعماری رول ادا کرتے ہوئے ایرانی عوام کے حقوق پامال کئے ہیں استعمار نے پٹھو حکومت سے اپنے سیاسی واقتصادی مفادات کی حفاظت کروائی ہے اور اپنے اہداف کے حصول کیلئے کسی بھی فعل سے دریغ نہیں کیا ان ناگوار وقایع میں شرم آور اقتصادی وسیاسی قرار دادیں، تمبا کو پر اجارہ داری رکھنے والی کمپنی کیلئے پرمٹ دینا، دوسری عالمی جنگ میں سرزمین ایران پر حملہ[5] اخلاقی بے راہ روی وبے حیائی کی ترویج، عوام کی غریبی وفقر، زیادہ رقم کے قرض دے کر ملک کو مقروض بنانا، متعدد بغاوتیں، مذہبی وقومی شخصیتوں کا قتل، ملک کے ذخائر خصوصاً پٹرول سے سوء استفادہ، سیاسی واقتصادی وفوجی امور میں غیر ملکی مشیروں کی مداخلت ملک کو دوسرے ممالک کی منڈی اور ایک صارف ملک میں تبدیل کرنے، ملک کے حالات کی اصلاح کرنے والی آئینی تحریک اور تیل کو قومیانے کی تحریک جیسی انقلابی وسماجی تحریکوں کو کچلنے کی کوشش، اس وابستگی سے ایران کا سیاسی وسماجی چہرہ بطور آشکار متغیر ہو کر رہ گیا تھا جس نے ایران کے سماج ومعاشرے پر کافی برا اثر ڈالا۔ اکثر عوامی انقلابی تحریکیں انہیں آثار کو مٹانے اور استعماریت کی موجودگی کو ختم کرنے نیز ان کی پٹھو حکومتوں کو سرنگوں کرنے

---

1. انقلاب کے اسباب میں سے ایک شاہ کی اسلام مخالف پالسی تھے۔ مقالہ: نگاہی بہ نظریہ ہائے انقلاب اسلامی، جواد منصوری، رواق اندیشہ، ص۵، ص۴۰۱۔
2. کتاب چارچوبی برائے تحلیل، حشمت زادہ، ص۱۲۵ نقل از ولایت فقیہ حضرت امامؒ، ص۳۵۔
3. مقالہ آسیب شناسی پژوہش انقلاب اسلامی ایران، سید فرہاد سجادی، راہ انقلاب، ج۲، ص۲۵۔
4. امریکی بغاوت ۲۸ مرداد ۱۳۳۲ھ ش (۱۹ اگست ۱۹۵۳ء)۔
5. ایرانی حکومت نے جنگ میں غیر جانبداری کا اعلان کر رکھا تھا پھر بھی ایران کی سرزمین پر قبضہ کیا گیا جو بین الاقوامی قانون کے خلاف تھا۔

کیلئے وجود میں آئی تھیں، جیسے قیام رستمی علی دلواری کی قیادت میں، تمبا کو تحریک، آئینی تحریک، قیام جنگل میرزا کوچک خان جنگلی کی قیادت میں، تیل قومیانے کی تحریک اور ۱۵ خرداد کا قیام نظام حاکم وابستہ ہونے کی بناپر عوامی مقبولیت سے ہاتھ دھو بیٹھا تھااور عوام کے درمیان اس حکومت کی ذرہ برابر حیثیت نہ رہ گئی تھی، یہ وابستگی جس قدر شدید ہوتی جارہی تھی اسی قدر حکومت تزلزل کا شکار ہو رہی تھی لہذا یہ حکومتیں دوسرے وسیلوں مثلاً استکباری طاقتوں کی حمایت کے حصول، عوام کو کچلنے والے ساواک جیسے اداروں کے قیام، بے ہویت افراد کے ذریعہ مصنوعی تنظیموں کی تشکیل جیسے حزب رستاخیز اور ضمیر فروش وفکری اعتبار سے وابستہ دانشور و مصنف کی تربیت وپرورش وغیرہ کے ذریعے اپنی ساکھ برقرار رکھنے کی کوششیں کرتیں۔ حضرت امام خمینیؒ جو عصر حاضر کے حالات وتاریخ ایران سے اچھی طرح واقف تھے اور تحریکوں کے وجود وآغاز وسقوط کے اسباب کو درک کرتے تھے، ایرانی عوام کی مشکلات وبدبختی کی وجہ استعمار کے تسلط کو سمجھتے تھے۔ جونئے چہرے کا استعمال کرکے ایران کے سماجی اقتصادی ثقافتی مراکز میں نفوذ کئے تھااور عوام کی فکری بنیاد اور خود مختاری کے نظریہ کو کمزور کرتا جارہا تھا استعمار کا یہ حربہ فوجی کارروائی سے زیادہ خطرناک وعمیق تھا۔ حضرت امام خمینیؒ شاہی نظام کے بارے میں فرماتے ہیں: شاہ نے ہمارے اقتصادی، سیاسی، عسکری وثقافتی خود مختاری کو تباہ کردیا ہے اور ایران ہر اعتبار سے مشرق ومغرب سے وابستہ ہو کر رہ گیا ہے۔[1] اغیار کے سامنے خصوصاً دو مسئلوں میں شاہی حکومت کے سر تسلیم خم ہونے کی وجہ سے حضرت امام خمینیؒ اور ایرانی عوام کی غیرت وحمیت جوش میں آگئی۔ ان میں سے ایک مسئلہ تھا کیپیچولیشن قانون کی منظوری کا جس کی وجہ سے غیر ملکیوں خصوصاً امریکیوں کو تحفظ حاصل ہو گیا تھا۔[2] اور دوسرا مسئلہ خود ساختہ ملک اسرائیل کی بے چون وچرا حمایت کیا جانا تھا۔[3]

ج۔ گھٹن اور استبدادیت

ایران میں جو حکومت بھی برسراقتدار آتی اس کو عوامی مقبولیت حاصل نہ ہونے اور سابقہ عوامی قیام کی بناپر اس حکومت اور عوام کے درمیان شدید بدگمانی پائی جاتی۔ شاہی نظام نے ان حالات سے مقابلے کیلئے بعض خوفناک ادارے وروش کا انتخاب کررکھا تھا

1. آئین انقلاب اسلامی گزیدہ ای از اندیشہ وآراء امام خمینیؒ، موسسہ تنظیم ونشر، ج ۲، بہار ۷۳، ص ۱۰۵۔ اسلامی مملکت نے قیام کیا ہے تاکہ اسلامی ملک میں دوسرے ملکوں کے نفوذ اور داخلی ہرج ومرج کو ختم کرے۔

2. کیپیچولیشن قانون کے تحت امریکی مجرم کو ایرانی حکومت نہ اپنے گرفت میں لے سکتی تھی اور نہ ہی اس پر مقدمہ چلا سکتی تھی۔

3. شاہی نظام کے خلاف ایران کے مسلمان عوام کے انقلاب کا ایک سبب شاہ کا اسرائیلی حکومت کی بے دریغ مدد کرنا تھا۔ آئین انقلاب اسلامی، ص ۱۵۶؛ صحیفہ امام، ج ۵، ص ۱۳۶؛ نیز شاہ ایران خارجہ پالیسی میں امریکہ کا اصل اتحادی واسرائیل کا حامی تھا جو عربوں اور مسلمانوں میں اختلاف ڈالتا تھا۔ کتاب چارچوبی، حشمت زادہ، ص ۱۲۷۔

جیسے ساواک جہاں مخالفین کو مختلف طرح کے شکنجے دیئے جاتے، شاہی حکام اپنے مخالفین کو خوفزدہ کر کے ان پر دباؤ ڈال کر اور ہر قسم کی اجتماعی وسماجی تحریک کو کچل کر اپنے خیال خام میں حکومت کو مستحکم کرنا چاہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ حکومت خطرہ سے محفوظ ہے، حکومت کی ساخت کچھ اس عنوان کی تھی کہ کوئی بھی مخالف قابل برداشت نہ تھا اسے شدید قسم کے رد عمل سے دوچار ہونا پڑتا۔[1] نمونہ کے طور پر، مختلف وحشت ناک زندانوں کا وجود، معاشرے میں خوف ودہشت کا ماحول، مختلف اجتماعی قتل جیسے ۱۵ خرداد (۵ جون) کو تہران میں، ۱۹ دی (۹ جنوری) کو قم میں اور دوسرے شہروں میں عام قتل اور ۱۷ شہریور ۵۷ ھ ش (۸ ستمبر ۱۹۷۸ء) کا ہولناک سانحہ، وغیرہ، ایسے حالات نے صاحبان ایمان کو مجبور کیا کہ مقابلے کیلئے میدان میں اتر پڑیں اور نجات کیلئے راستہ تلاش کریں ، بلکہ ہر حریت پسند فرد خواہ کسی مسلک و مذہب سے تعلق رکھتا تھا وہ بھی مجبور ہوا کہ ایسے ماحول کے خلاف آواز اٹھائے، لہذا ڈکٹیٹر شاہ ایران کے خلاف عام مخالفت و قیام، آزادی کے حصول کیلئے ایک راستے کا انتخاب تھا اس مبارزت و قیام کے بغیر شاہ کے اقتدار سے نجات ممکن نہ تھی۔ طاغوتی حکومتوں کے خلاف یہ جدوجہد اور قیام امام خمینیؒ کی سیرت میں شامل تھا۔[2] یہ وہ درس ہے جو اسلام نے تمام صاحبان ایمان کو دیا ہے تاکہ وہ طاغوتی ومظہر شیطان حکومتوں کے خلاف قیام ومبارزت انجام دیں۔[3]

د۔ فقر وغربت

پٹرول کی فروخت کے ذریعہ ملک کی آمدنی میں جس قدر بھی اضافہ ہوتا دربار اور شاہ کے قریبی افراد کی ضروریات میں صرف کیا جاتا، ایرانی عوام اس ثروت سے محروم رہتے۔ شاہ کا کام اسلحوں کی خرید کے بہانے عوامی ثروت کو تباہ کرنا۔[4] نیز بہت زیادہ اخراجات والے پروگرام و جشن برپا کرنا جیسے ۲۵۰۰ سالہ جشن شاہنشاہی منانا اور اس بہانے بے حد وحساب عوامی سرمایہ کو برباد کرنا پٹرول کی قیمت میں اضافے نیز اس کے استحکام سے شاہ غرور کا شکار ہو گیا تھا وہ عیاشی وخورد ونوش پر بے تحاشا خرچ کرتا اسے عوام کے سرمایہ یعنی پٹرول کے تمام ہونے کا بالکل غم نہ تھا۔ دوسری جانب حکومتی اداروں اور عہدیداروں کے بدعنوان ہونے کی وجہ سے

---

1. کتاب چارچوبی۔۔۔ حشمت زادہ، ص ۲۲۷۔

2. یہ تحریک دو اسباب کی بنا پر وجود میں آئی: اول، خارجی وداخلی دباؤ، لوٹ کھسوٹ اور وسیع گھٹن کی بنا پر۔ دوم، اسلامی قوانین کی بنیاد پر آئیڈیل حکومت کی تشکیل۔ آئین انقلاب اسلامی، ص ۱۵۵؛ صحیفہ امام، ج ۸، ص ۸۷۔

3. غیر اسلامی نظام سیاسی شرک آمیز ہے چونکہ اس کا حاکم طاغوت ہے ہماری شرعی ذمہ داری ہے کہ اسلامی معاشرے سے کفر کے آثار کو ختم کریں۔۔۔ مسلمانوں کی زندگی کو پاک رکھیں۔ حضرت امامؒ کتاب "ولایت فقیہ، ص ۴۰"۔

4. شاہ اسلحہ کی خرید کے ذریعہ علاقہ کا تھانہ دار بننا چاہتا تھا۔

عوامی وملکی سرمایہ صحیح سمت وطریقہ سے خرچ نہیں ہوتا تھا۔[1] اسی طرح انقلاب سفید اور اصطلاحات ارضی پروگرام وغیرہ ملک کے روایتی اقتصاد سے میل نہیں کھاتا تھاان کا اجراامریکی مفادات کیلئے تھا جس کے نتیجہ میں داخلی پیداوار اور زراعت تباہ ہوگئی تھی اور ملک مزید وابستگی کا شکار ہوگیا تھاشاہ کی اقتصادی پالیسی ناکارہ ہونے کی وجہ سے شہروں کی طرف نقل مکانی بڑھتی گئی تھی۔انہی اسباب کی بناپرایرانی معاشرے میں فقروغربت روز بروز بڑھتی جارہی تھی طبقاتی فاصلے زیادہ ہوگئے تھے مگر عوام کی گرسنگی کی صدا کبھی بھی حکمرانوں کے کانوں تک نہ پہنچ سکی وہ عیاشی وزرق وبرق کی زندگی کے دلدادہ تھے طبقاتی تضاد نے عوام کی ناراضگی میں اضافہ کردیا تھا عوام بخوبی نہ درک کررہے تھے کہ شاہ ملک کی ثروت کوتباہ وبرباد کررہاہے اور ملک اقتصادی عدم تدبیر کا شکار ہے ورنہ ایرانی عوام کیلئے ایک شرافت مندانہ زندگی مہیا کرنا کوئی مشکل امر نہیں ہے شاہ ثروت کو پانی جیسا بہارہاہے لیکن عوام کی بہبودی کیلئے کوئی موثر قدم نہیں اٹھاتاہے۔

مذکورہ حالات تنہاانقلاب اسلامی کے آغاز وتشکیل کے اسباب نہیں ہوسکتے۔البتہ انقلاب کے بعض اسباب قرار دیئے جاسکتے ہیں، لہذاان کے ساتھ انقلاب کے دوسرے اسباب کو بھی تلاش کرناچاہئے جیساکہ بعض اہل قلم نے اس سلسلہ میں کوشش کی ہے۔ البتہ بعض نے فرعی مسائل کوآغازانقلاب کے اصل اسباب کے طورپر پیش کیاہے۔ بہرحال امر مسلم یہ ہے کہ دین پسندی اور اسلام کی حفاظت انقلاب کا اصل سبب تھا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ واحد سبب تھا، بلکہ تمام علل واسباب کا مجموعہ باعث ہوا کہ ایرانی عوام شاہی حکومت کے خلاف بغاوت وسرکشی پراتر آئی اور دنیاکا بے مثال ومنفردانقلاب رونماہوا۔

۴۔ انقلاب اسلامی کی کامیابی کے اسباب

ہر انقلاب کی کامیابی چنداسباب کا نتیجہ ہوتی ہے جیسے حکمراں جماعت کا بدکردار ہونا، عوام کا متحد ہوکر صف آرائی کرنااور منظم دستے تشکیل دینا،ٹریننگ یافتہ افراد ونیم فوجی دستوں کی تشکیل، رہبر وقائد کا شجاع ہونااور انقلابی اشخاص میں وحدت فکر وعمل ہونا۔

1. شاہ نے تیل لوٹناشروع کردیاہے اور فروخت کررہے ہیں سب استعمال کئے جارہے ہیں ایک طرف اسے برطانوی لئے جارہے ہیں دوسری طرف دوسرے لوگ۔۔۔ امریکی سب سے بدترہیں۔۔۔ صحیفہ امام، ج۳، ص ۴۹۳۔

حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں ایک انقلاب کی کامیابی وبقا کے اسباب وہی ہیں جن کے باعث انقلاب کا آغاز و ظہور ہوا ہے۔[1] انقلاب کے علل پر توجہ نہ دینے سے انقلاب کی حیات وبقاء خطرے سے دوچار ہو سکتی ہے۔ لہذا اس مسئلے کے پیش نظر انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بنیادی اسباب حسب ذیل ہو سکتے ہیں:

اول: مشیت الٰہی وخدا پر ایمان

خدا و مشیت الٰہی پر ایمان مومنین کے سرگرم عمل ہونے کا اصل سبب ہے وہ کامیابی کے وعدے کو قلب میں زندہ رکھتے ہوئے، کامل امید سے، تمام مادی علل واسباب کے مقابل جو اکثر اوقات ان کے مخالف ہی ہوتے ہیں، اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، خدا کا وعدہ ہے کہ وہ افراد جو ظالم وبد عنوان حکومت کے خلاف قیام کرتے ہیں اور اپنے ایمان پر استوار ہیں، خدا ان کو اصلاح کے راستے کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ عام الٰہی سنت ہے اگر ایک معاشرہ بلند مقاصد کیلئے قدم اٹھائے تو خدا ضرور نصرت عطا کرتا ہے۔ حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں الٰہی ارادہ اور اس کی عنایت کامیابی کا بنیادی سبب ہے۔ عنایت الٰہی کے بغیر ایرانی عوام کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔۔۔ ایمان واسلام کی طاقت نے ہمیں کامیابی دلائی ہے۔[2] عنایت الٰہی نے ہی عوام میں تبدیلی کی ہے قلبی و معنوی تبدیلی معاشرے میں وجود آئی ہوئی تبدیلی سے اہم تر ہے، افراد کی خود اعتمادی، تمام مشکلات پر غلبہ حاصل کرنا اور خدا کے امر کو ہر شئے پر ترجیح دینا، قوانین خدا کو آسائش ورفاہ، سیاسی واجتماعی ومعاشرتی مفادات پر مقدم کرنا، الٰہی معجزہ ہے۔ حضرت امام خمینیؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: یہ تبدیلی ایک الٰہی تبدیلی تھی۔ غیبی طاقت نے افراد کو اس طرح بدلا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کامیابی میسر نہ ہوتی۔۔۔ معنویت نے مادیت پر غلبہ حاصل کیا ہے۔ خدا شیطان پر غالب آیا اور وہ شیطان پر غالب ہے۔[3] جب ہدف کے سلسلہ میں ایمان وعقیدہ راسخ ہوتا ہے۔ اسلام سے ایثار، فداکاری، شہادت[4] جہاد فی سبیل اللہ[5] جیسے مکتب وجود میں آتے ہیں۔ وہ مکتب جو خدا کے

---

1. جس طرح انقلاب کی کامیابی تمہاری وجہ سے ہے اسی طرح حیثیت انقلاب کی حفاظت کرنا بھی تمہارا فرض ہے۔ صحیفہ امام، ج ۱۲، ص ۲۰۸۔ نیز یہ فقط خدا پر اعتماد کا ثمرہ ہے۔ یہی کامیابی کا راز ہے جیسا کہ صدر اسلام کے مسلمانوں نے کامیابی حاصل کی ملت ایران نے بھی اس کے ذریعہ کامیابی حاصل کی۔ صحیفہ امام، ج ٦، ص ۵۰۲۔

2. تبیان ۳٦، ص ۴۲؛ صحیفہ امام، ج ٦، ص ۳٦۱۔

3. ایضاً، ص ۴۳؛ صحیفہ امام، ج ۸، ص ۴۲۷۔

4. اقوام کو قیام کرنا چاہیے، عوام کو کامیابی کے راز کو سمجھنا چاہیے، کامیابی کا راز شہادت ہے۔ صحیفہ امام، ج ٦، ص ٦۳۔

5. اسلام جو حق وعدالت پسند مجاہدوں کا دین ہے، آزادی وخود مختاری والوں کا دین ہے، مبارزت اور سامراج مخالف مکتب ہے۔ کتاب چار چوبی۔۔۔، حشمت زادہ، ۲۳ نقل از کتاب ولایت فقیہ امامؒ، ص ٦۔

تشریعی و تکوینی ارادے کو تمام امور پر بالاتر سمجھتا ہے، امام خمینی ایسے مکتب پر عمل پیرا تھے اور اس فوق بشریت سبب کو خدا کا عظیم احسان سمجھتے تھے جو خدا تعالیٰ نے ایران کے انقلابی عوام پر کیا اور اسے کامیابی عطا فرمائی۔

دوم: اتحاد

انقلابات کے کامیاب نہ ہونے یا کامیابی کے بعد شکست سے دوچار ہو جانے کی ایک علت عوام کی جانب سے متعدد مطالبات ہونے کی وجہ سے انقلابی افراد کا چند گروہوں میں تقسیم ہونا ہے اور ہر گروہ و دستہ اپنے مطالبہ کو اہم تصور کرتے ہوئے اس کیلئے کام کرنے لگتا ہے۔ اسلامی انقلاب ایران میں اتحاد و وحدت موجزن تھا۔ فرعی مسائل بالائے طاق رکھ دیئے گئے تھے۔ گزشتہ تحریکوں کی سرگزشت ان کے سامنے تھی جس میں فرعی تحریکوں کی تبہات ایک طرف، ان کے قائدین کی تناقض گوئی دوسری طرف جس کا انجام شکست و ناکامی تھا، لہذا تمام عناصر انقلاب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے ایک فکر و نظر کے حامل ہو کر قیام کیا تاکہ حکمراں جماعت کے ظلم و ستم کی بساط کو الٹ دیں۔ وابستہ نظام کو ختم کر کے اسلامی نظام و حکومت قائم کریں۔ یہ اتحاد مقصد کے حصول تک قائم رہا، انقلاب اسلامی اتحاد و وحدت کا ایسا مرقع تھا جس میں سماج و معاشرے کے تمام افراد وہر ذوق و سلیقہ رکھنے والے شریک تھے اس طرح کہ ایک صنف، گروہ، طبقہ، انقلاب کو اپنے سے منسوب نہیں کر سکتا، بلکہ انقلاب تمام عوام سے متعلق تھا، معاشرے کے تمام افراد انقلاب میں شریک تھے۔[1]

سوم: حضرت امام خمینیؒ کی قیادت

دو ارکان یعنی ایمان اور عوام کا یکجا ہونا فقط امام خمینیؒ کی قیادت کا مرہون منت ہے۔ وہ قائد و رہبر جس نے تدبر، دانش و اطوار کو الٰہی سیرت کی بدولت عوام کو ایمان و اتحاد اور الٰہی محرکات کا حامل ہونے کے راستے پر گامزن کر دیا، انقلاب اسلامی ایران کے ہر اہم موڑ پر امام خمینیؒ نے بطریق احسن اپنا کردار ادا کیا ورنہ انقلاب انحراف کا شکار ہو جاتا یا منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حضرت امام خمینیؒ ایسی منحصر بہ فرد خصوصیات کے حامل تھے جن کی وجہ سے انقلاب کامیاب ہوا۔ آپ کی بعض خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1. ایمانی طاقت، خداوند عالم کی مدد، امام عصر (ع) پر توکل نے تمہیں کامیاب کیا ہے۔ تمہاری کامیابی کا راز تمہارا ایمان ہے۔ تمہارا اتحاد ہے۔ ان دونوں کا تحفظ کرو۔ آئین انقلاب اسلامی، ص ۶۸۔

۱۔ دینی واسلامی مرجعیت

ایران کے گزشتہ سیاسی و قایع وحوادث جیسے تحریک تمباکو، آئینی تحریک، مدرس کی سیاسی فعالیت، تیل کے قومیائے جانے کی تحریک وغیرہ کے بعد ایرانی معاشرے کا اعتماد ایسے علماء پر بڑھنے لگا تھا جو سیاسی تدبر، مذہبی و قومی مفادات ودینی ہویت کا حفظ کرنے والے اور اصلاحی فکر و نظر کے حامل تھے، انقلاب اسلامی ایران میں عوامی اعتماد ودینی قیادت، لازم وملزوم ہوگئے تھے جبکہ گزشتہ تحریکوں میں ایسانہ تھا دینی قیادت کی بناپر عوام امام خمینیؒ کے فرمان کو شرعی واسلامی فرض کے عنوان سے بجالاتے اور اسے دوسرے اسلامی احکام جیسے نماز وروزہ جیسا تصور کرتے اس فرمان کی اطاعت کولازم وواجب سمجھتے،اس نوعیت کی فکر واطاعت ہر اقدام کیلئے اہم ومحکم پشت پناہ تھی چونکہ ایرانی معاشرہ وعوام یقین وباور رکھتے تھے کہ حضرت امام خمینیؒ کے فرامین،احکامات وفیصلے صرف سیاسی نہیں ہیں، بلکہ دینی وشرعی ہیں۔ [1]

حضرت امام خمینیؒ کی رہبری وقیادت کی یہ نمایاں خصوصیت دوسری احزاب ودانشور ومصلحین میں موجود نہ تھی، یہ امامؒ امتیازی خصوصیت ہے۔

عوام کو اہمیت دینا

بعض اوقات انقلابی قائدین عوام کو اپنے ہدف کا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ان کی شرکت کو اپنے مفادات کے حصول کا ذریعہ جانتے ہیں اور اپنے مقصد کے حصول کے بعد وہ عوام کو بطور کلی بھلادیتے ہیں۔اس نظریہ کے مطابق عام طور سے عوام انقلاب کے دلائل سے آشنائی رکھتے ہیں اور نہ ہی انقلاب کی غایت وغرض کو جانتے ہیں اور نہ ہی انقلاب کی سرنوشت وانتخاب وتعین اور ہویت میں کوئی کردار رکھتے ہیں اس نظریہ کے مقابل حضرت امام خمینیؒ ایک جدید فکر کے حامل ہیں آپ کی نگاہ میں انقلاب کا ایک رکن عوام ہیں، یہ نظریہ درج ذیل اصولوں پر استوار ہے:

الف۔ عوام اپنی تقدیر کے انتخاب کا حق خود رکھتے ہیں

حضرت امام خمینیؒ معتقد تھے کہ انقلاب کے حقیقی مالک عوام ہیں۔ یہ ہمارے ولی نعمت ہیں،انہیں اپنی شرکت کے ذریعہ جو چاہتے ہیں اس کے انتخاب کا حق حاصل ہے اور اس سلسلہ میں دباؤ بلکہ اقتدار، حکمراں کی مقبولیت بھی ان کے جائز مطالبہ سے دستبردار نہیں کراسکتی۔ لہذا ان کا انتخاب قابل احترام ہے عوام کی شرکت حکومت کو جواز عطا کرتی ہے۔ اگر ان کی حمایت نہ ہو تو دینی معاشرہ

---

[1]. ولایت فقیہ اور اس کی تھیوری کے سلسلہ میں مزید مطالعہ کیلئے امام خمینیؒ کی کتاب ولایت فقیہ، کی طرف رجوع کیا جائے۔

وجود میں نہیں آسکتااور شریعت کے احکام کو نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا جائز حکومتیں بھی اپنے قانون کو نافذ کرنے کیلئے عوامی مطالبے کی محتاج ہیں۔

ب۔ عوام کو آگاہ رکھنا انقلاب و حکومت کا فرض ہے

حضرت امام خمینیؒ رشد و آگاہی کو معاشرے کے تمام طبقہ کیلئے چاہتے تھے اور فکر و تحول کو انقلاب کیلئے ایک لازمی شرط سمجھتے تھے۔ تاریخ انقلاب کے شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ آپ خرداد ۴۲ سے بہمن ۵۷ ھ ش (اپریل ۱۹۶۳۔ فروری ۱۹۷۹ئ) تک مختلف مراحل میں عوام کے شعوری کردار کے احیاء کی فکر میں رہتے تھے۔ آپ دوسرے انقلابوں کی طرح عوام کی صرف جسمانی شرکت نہیں چاہتے تھے۔ آپ ہر موقع وفرصت سے استفادہ فرماتے تاکہ انسانوں کی تربیت اوران کی فکر کا احیاء ہو۔ آپ انقلابی شخصیتوں سے فرماتے تھے کہ لوگوں کو حقائق سے آگاہ کرنا اپنا شیوہ قرار دیں۔ امام خمینیؒ اسلامی حکومت برقرار کرنا چاہتے تھے۔ وہ ۱۵ سال تاخیر سے قائم ہوئی۔ اس تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ امامؒ اس عرصے میں عوام کے فکری رشد کو اس مرحلہ تک پہنچانا چاہتے تھے کہ عوام ثابت قدمی اسلامی حکومت کی برقراری کا دفاع کریں، ایرانی عوام کی فکر و آگاہی آہستہ آہستہ اس قدر بلند ہوئی کہ تمام سیاسی اقتصادی وسماجی مراحل میں اوج پر پہنچ گئی اور عوام نے ایک صدا ہو کر جمہوری اسلامی کا مطالبہ کیا۔ یہ خصوصیت کو دوسرے انقلابات کے قائدین میں ہر گز نظر نہیں آتی ہے۔

ج۔ حضرت امام خمینیؒ سماجی وسیاسی مسائل کی مکمل آگاہی رکھتے تھے

آپ نے ایسے ماحول اور معاشرے میں آنکھ کھولی جہاں دینی وعلمی معارف کی تعلیم و تحصیل کے ساتھ دین ومذہب کے اہداف کے حصول کیلئے سیاسی وسماجی مبارزہ کی تعلیم بھی تھی۔ آپ ایران کے سماجی وتاریخی مسائل کا بغور جائزہ لیتے تھے۔ حوادث واتفاقات کوایک دوسرے سے ربط دے کر تحریکوں کی شکست کے اسباب کو بخوبی درک کرتے تھے اور اس سلسلہ میں بصیرت پر مبنی نظریہ رکھتے تھے۔ آپ کے تمام بیانات و تقاریر میں اس عنصر ورشد کو مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ مشکلات کی وجہ شاہی وطاغوتی نظام، استعماریت واستعماری کلچر، مشرق ومغرب زدگی، اسلامی احکام سے دوری، حکام میں شجاعت وشہامت کا فقدان، خدا پر ایمان واعتقاد میں کمزوری، عدم اعتمادی اور فکری خود مختاری کے فقدان کو سمجھتے تھے۔ آپ ان مشکلات کے واحد حل اسلامی اصولوں کی طرف بازگشت، تمام مفاہیم کے ساتھ صدر اسلام جیسا انقلاب برپا کرنے کو جانتے تھے نیز سیاسی اقدامات کے صحیح ودرست ہونے کا معیار اسلامی اصولوں سے ان کی نزدیکی وقربت کو جانتے تھے۔

حضرت امام خمینیؒ کی ایک اور خاص خصوصیت دشمن کی تمام حرکات سے کامل آشنائی تھی، آپ تاریخی واقعات واتفاقات کو سامنے رکھتے ہوئے دشمن کے ارادے کو اچھی طرح جانتے تھے اور آپ شعوری شناخت کے ذریعہ دشمن کی ہر سازش کو نقش برآب کردیتے تھے۔ آپ کا یہ شیوہ وپیش مانع عمل سبب ہوتا کہ دشمن رد عمل ظاہر پر مجبور ہوتا یا انفعالی وبحرانی صورتحال کا شکار ہوجاتا، انقلاب اسلامی ایران کے قائد ورہبر کا یہ شیوہ عمل وطرز سیاست دنیاوالوں کیلئے باعث حیرت وتعجب تھا۔

۵۔ انقلاب اسلامی کے ثمرات

ہر انقلاب اپنی وسعت وقدرت کے اعتبار سے اثر انداز ہوتا ہے اور اس کے اثر کا دائرہ ممکن ہے محدود، موقت، اندرونی اور وسیع، دائمی اور عالمی پیمانہ پر ہو دنیا کے عظیم انقلابات کا انعکاس عام طور سے جغرافیائی حدود سے بالاتر ہوتا ہے جس کی بناپر انقلاب کی موجیں بالواسطہ یا بلاواسطہ دوسرے ملک پر بھی اثرانداز ہوتی ہیں اور انقلاب کے اہداف، راہ وروش، اصول حتی انقلاب کے قائدین بھی اس حوادث وتحولات میں موثر ہوتے ہیں بلاشبہ ایران کا اسلامی انقلاب عظیم اتفاقات ووقایع میں سے ایک ہے جس نے مختلف ومتعدد اثرات چھوڑے ہیں جس کے نتایج وماحصل محققین کی عالمانہ تحقیق کے ذریعہ قابل مشاہدہ ہے۔ حضرت امام خمینیؒ ہمیشہ ان نتایج وماحصل کو برکات انقلاب[1] کے عنوان سے یاد کرتے تھے۔ وہ برکات جو خداوند عالم کے لطف وکرم سے ایرانی عوام کی تحریک کو عطا کی گئی ہم بعض نتائج یا انقلاب کی سیاسی وسماجی برکات کا اجمالی جائزہ لے رہے ہیں۔[2]

اول: اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی خودمختاری

انقلاب کا ایک اہم ترین ثمرہ جس کے پہلو بہت وسیع ہیں، مختلف شعبوں میں دوسروں پر انحصار نہ کرنا اور خودمختاری ہے۔ وہ ملک جس کا چپہ چپہ مشرق یا مغرب سے وابستہ تھا وہ کبھی بھی اپنے پیر پر کھڑا ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے ایسے انقلاب کی ہدایت ورہبری کی کہ وابستگی کے مکمل خاتمے ہونے کا سبب بنا اور عدم وابستگی نہ شرقی نہ غربی جمہوری اسلامی کے نعرے میں متجلی ہوئی، خودمختاری اور عدم وابستگی کا ظہور حیرت انگیز لگتا ہے، کیونکہ عام طور سے تمام انقلابات اپنے قائدین کی کمزوری کی وجہ سے ایک

---

1. اس تحریک کی ایک برکت معاشرہ میں روحانی تبدیلی ہے۔ صحیفہ امام، ج۸، ص ۴۲۴۔ ہم لوگوں کا اجتماع اس تحریک کی برکات میں سے ایک ہے۔ صحیفہ امام، ج۹، ص ۴۸۸۔

2. بحث کی تکمیل کیلئے مندرجہ ذیل مقالات کی طرف رجوع کیا جائے:
الف۔ دستاوردہائے انقلاب اسلامی از منظر امام، ابوالفضل ہدایتی، حضور، ش ۴۷۔ ب۔ چارچوبی برائے تحلیل وشناخت انقلاب اسلامی، حشمت زادہ، فصل ۸۔ ج۔ دستاوردہائے انقلاب در جہان امروز، احمد ہوبر، حضور، ش ۱۔

طاقت کو ٹھکراتے ہوئے بطور طبیعی دوسری طاقت کے دامن میں جا گرتے ہیں۔ اس تجلی و ظہور کی نمود و بالیدگی کو خود مختاری کی حفاظت میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ مذہبی و قومی عناصر کے توسط جوانوں کا اپنا تشخص حاصل کرنا، اقتصادی ناکہ بندی کے باوجود ملک کی ترقی، عسکری، اقتصادی و صنعتی امور میں جدید ٹیکنالوجی کا حصول، اصیل اسلامی معیار و دینی اصولوں کی بنیاد پر آئین کی تدوین، خود مختاری کے تحفظ کے چند نمونے ہیں، یہ ثمرہ سب سے زیادہ عوام کی خود اعتمادی و ایجاد توانائی کا مرہون منت ہے جو احساس کمتری و زبون حالی کو ختم کر کے وجود میں آتا ہے اور ثقافتی خود مختاری [1] کی اہمیت کو اجاگر کرنے والا ہے، یہ خود مختاری، مقاومت، مصرف گرائی سے دوری، سختی کا تحمل، خود کفالت کیلئے سعی، درونی توانائی پر ایمان و یقین سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت امام خمینیؒ تمام اقوام کو اس کے حصول کی نصیحت فرماتے ہیں۔ [2]

دوم: آزادی

یہ آزادی بنیادی طور سے مغربی مفہوم سے فرق رکھتی ہے آزادی، آزادگی و انسانی آزادی ہے اور مفہوم یہ ہے کہ جب انسان اندرونی و بیرونی اعتبار سے شیطان کے دام سے آزاد ہو جائے تو اس کے اندر پاک و الٰہی گوہر شگوفہ ہوتے ہیں اور وہ کمال طلبی کے راستہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ ایرانی عوام نے اپنے سیاسی شعور کے ذریعہ اس کا اپنے بنیادی نعرے خود مختاری، آزادی جمہوری اسلامی [3] میں مطالبہ کیا اور گران قیمت چکا کر حاصل کیا لہذا یہ آزادی، اخلاقی و جنسی بے راہ روی، عوام کے افکار و اذہان کی تخریب اخلاقی انحطاط کا شکار، دینی و انسانی اصولوں سے بے اعتنائی کے معنی میں نہیں، بلکہ یہ آزادی رشد و اصلاح کا مفہوم رکھتی ہے۔

سوم: معاشرے و سیاست میں خواتین کی شرکت

خواتین معاشرے میں عظیم فکری سرمایہ کی مالک ہیں۔ امام خمینیؒ نے خواتین کی فطری خصوصیات کی بنا پر ان کی اہم و مرکزی ذمہ داریاں بیان کی ہیں۔ [4] ایران میں خواتین کی سماجی و معاشرتی شرکت دنیا کی عمومی نظر و نگاہ سے فرق رکھتی ہے عورت ان

---

1. ہر معاشرہ کی خود مختاری کا سرچشمہ اس کی ثقافت ہوتی ہے یہ گمان رکھنا کہ ثقافتی وابستگی کے ہوتے ہوئے خود مختاری کا حصول ہو سکتا ہے یہ سادہ اندیشی کے علاوہ کچھ نہیں۔ صحیفہ امام، ج ۱۵، ص ۱۴۳۔

2. آج ملت کو اپنے دانشمندوں کیلئے چراغ راہ بن کر انہیں مشرق و مغرب کے مقابل احساس کمتری سے نجات دینی چاہیے۔

3. آزادی، خود مختاری، عادل حکومت کو عوام چاہتے ہیں۔ تبیان ۳۶، ص ۷۸؛ صحیفہ امام، ج ۵، ص ۳۰۲۔

4. عورت انسان ہے، عورت عظیم انسان ہے، عورت معاشرے کی تربیت کرنے والی ہے، عورت کے دامن سے انسان پرورش پاتے ہیں۔ صحیفہ امام، ج ۷، ص ۳۳۹؛ دستاورد ہائے انقلاب اسلامی از نظر امام، ہدایتی۔

کی نگاہ میں ایک نفع بخش ذریعہ ہے، خواتین کا اہم و مرکزی کردار طول تاریخ میں مسلوب و مفقول نظر آتا ہے۔انقلاب اسلامی ایران میں جنسیت کے بجائے انسانیت کے معیار کی بناپر ان کے حقوق کا احیاء ہوا۔ وہ خواتین جنھوں نے امام خمینیؒ کے اسلامی انسانی اصولوں کی بناپر اپنے اصل مقام کو حاصل کیا تھا انقلاب اسلامی کی کامیابی میں پیش پیش تھیں ان کا کردار دو پہلوؤں سے جلوہ نمائی کرتا ہے۔ اول: وقایع انقلاب میں موثر شعوری موجودگی خواہ انقلاب کی پشت پناہی ہو یا مبارزہ کی صف اول ہو۔ دوم: مربی اور ہادی کا کردار ادا کرنا تاکہ مردوں جوانوں اور خاندان کے افراد میں انقلاب میں حصہ لینے کا محرک پیدا کر سکیں۔ حضرت امام خمینیؒ کی نگاہ فکر اسلامی اصول سے اخذ شدہ تھی۔ عورت کی اجتماع میں شرکت اور ثقافتی سماجی و مذہبی میدان میں کردار ادا کرنا، دینی تعلیم کے منافی نہیں ہے۔ عورت اپنی انسانی شان و منزلت و وجاہت کو حفظ کرتے ہوئے تمام میدان میں موثر و فعال رول ادا کر سکتی ہے۔

چہارم: استکبار ستیزی

حضرت امام خمینیؒ ثقافت سیاست اور معاشرے میں ہر قسم کے غیر ملکی تسلط کے شدید مخالف تھے۔ آپ کل جہان سے استکبار کی سرپرستی کی نفی کرتے تھے۔ آپ تمام بشریت کیلئے پر امن اور پسندیدہ زندگی کے خواہاں تھے۔ استکبار کی نفی آپ کی دائمی خواہش و آرزو تھی۔ امام خمینیؒ کا یہ مقصد انقلاب اسلامی ایران کے بعد مختلف شکلوں میں پورا ہو چکا ہے۔

۱۔ انقلاب کا آغاز، اس کی کامیابی اور اس کا تسلسل بقاء استکبار کیلئے ایک قسم کی تحقیر و تذلیل ہے،[1] کیونکہ عالمی استکبار و تسلط پسند طاقتیں مدعی ہیں کہ تمام دنیا ہمارے اختیار میں ہے۔ حوادث و وقایع کی پیشن گوئی کر سکتے ہیں اور دخالت سے کامیابی کا منہ اپنی طرف موڑ سکتی ہیں لیکن انقلاب کی کامیابی سے کہ جسے مشرق و مغرب کی طاقتیں مہار کرنے میں ناکام رہیں[2] ان کی عدم توانائی دنیاوالوں کے سامنے اظہر من الشمس ہو کر رہ گئی ہے۔

۲۔ اقتدار کے تنازعہ میں انقلاب اسلامی کی فکر کے داخلے سے تمام تسلط پسندانہ اندازے غلط ثابت ہو گئے۔ اس وقت جبکہ دنیا میں نظام اقتدار واضح تھا، فکری رجحانات کا رخ مشرقی کمیونزم یا مغرب کے لبرل ازم کی طرف تھا۔ انقلاب اسلامی ایران کی اسلام

---

1. ایران آخر کار امریکہ کو ذلیل و رسوا کر کے رہے گا یہ خدائی قدرت ہے۔ آئین انقلاب اسلامی، ص ۳۲۹؛ صحیفہ امام، ج ۱۸، ص ۳۱۲۔

2. بے شمار دستاویزات اور واقعات سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے کہ انقلاب کی کامیابی کے بعد کی بغاوتوں عراق کو اسلحہ کی فراہمی، اقتصادی علمی، عسکری و سیاسی ناکہ بندی وغیرہ میں انقلاب کے مشرق و مغرب کی طاقتیں شریک تھیں اور یہ امور ان کے اتحاد و وحدت کا چھوٹا نمونہ ہے۔

پسندی کی صدا نے طاقت کے دو قطبی نظام کو متغیر کر دیا۔ اسلام فکری طاقت کے عنوان سے دنیا کے سیاسی وسماجی میدان میں وارد ہوا۔[1]

یہ اس حال میں تھا جبکہ دنیا کے حاکم نظام سماجی و فکری مناقشات ومنازعات اور موجود بحران کو حل کرنے میں ناکام تھے اپنے افکار کی اصلاح و تکمیل کے ذریعہ نظام حاکم کے ضعف وشکست کو چھپانے کی تلاش میں تھے ان کی بہشت ارضی کی بشارت دم توڑ رہی تھی۔ حضرت امام خمینیؒ کی دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ان چیلنجوں کو ان کے جھوٹے دعوؤں کی ناکامی کا پیش خیمہ قرار دیتے ہوئے تمام حکام کو اسلام کی دعوت دی تھی[2] اور دین ومعنویت کی طرف بازگشت کو مسائل کے حل کے طور پر پیش کیا تھا۔ انسان معاصر کی سیاسی وسماجی مشکلات کیلئے دین ومعنویت کا مدبرانہ استفادہ دنیا کے روشن خیال افراد کیلئے ناقابل یقین حد تک کششیں اپنے اندر رکھتا تھا، جس کے نتیجہ میں دینی حکومت کی تھیوری کے سبب ناکام نظام کے نظریات سامنے دو ہی آپشن تھی، ایک یہ کہ اپنا دفاع کرتے ہوئے انقلاب کی دشمنی ونفی میں مشغول ہو جائیں یا اپنی شکست وناکامی کو قبول کر لیں۔[3]

انقلاب اسلامی کی کامیابی کا مسئلہ ایسے دور میں اٹھا جبکہ تمام سیاسی مفکرین دین ومذہب ومعنویت کو سماجی ومعاشرتی تحول کا سبب سمجھتے ہی نہ تھے بلکہ منفی وارتجاعی پہلو سے دیکھتے تھے حالانکہ اس ادعا کے برخلاف انقلاب اسلامی ایران عظیم تحول وتعمیر کا سبب بنا اور اس نے سیاسی دنیا کے سامنے جدید نظریات واصول پیش کئے، اسلام وہ مکتب ہے جو غیر توحیدی مکتب کے برخلاف فردی، اجتماعی، مادی، معنوی، سماجی، اقتصادی سیاسی، عسکری امور وشئون کی نگرانی کرتا ہے اور ان میں حصہ لیتا ہے۔ اسلام انسانی وسماجی تربیت، مادی ومعنوی ارتقا کے سلسلہ میں ذرہ برابر وناچیز مسئلہ کو بھی نظرانداز نہیں کرتا۔[4] اس بنا پر دین اسلام کی جامعیت مغرب کیلئے طاقتور حریف کے طور پر ابھری ہے۔ اسلام کی جامعیت یعنی عقلانیت ودیانت کو متعارض نہ سمجھنا، بلکہ سعادتمند سماج ومعاشرے کیلئے لازم وملزوم قرار دینا ہے کسی ایک کا بھی خاتمہ ہونا بشریت کیلئے تباہی وخسارت کا سبب ہے۔ ولایت فقیہ کی تھیوری کو پیش کرنا جو دینی واسلامی اصولوں پر استوار ہے اور رائج تھیوری خصوصاً مغربی نوعیت کو نظرانداز کرنا، لبرل ازم تھیوری کو معرض خطر میں ڈال دیا

---

1. انقلاب اسلامی کی کامیابی اسلام کے ترقی یافتہ ہونے کی دلیل ہے۔ اسلام اس وقت مغرب کا اصل حریف ہے مغربی مستکبرین اسلام پسندی کی لہر سے جو دنیا میں پیدا ہوئی ہے خوفزدہ ہیں۔ حسن الذی اردنی، نقل از انقلاب اسلامی از منظر مفکران جہان، محمد سالار، راہ انقلاب، ج ۱، ص ۲۸۱۔

2. امام خمینیؒ کا گورباچوف کو خط بھیجنا، کمیونزم نظام کا شیرازہ بکھرنے سے قبل اس حکیمانہ پیش گوئی کا ثبوت ہے۔

3. امام خمینیؒ کے انقلاب کا اہم ترین پہلو دنیا پر حاکم نظریات کی تبدیلی وجہان معاصر کے معادلات مجہول کا کسی حد تک حل ہونا امام خمینیؒ نے اپنے عمل سے بنا دیا کہ دینی حکومت نا ممکن ہے نہیں، بلکہ ضروری ہے۔ امام کے نظریات سے تمام نظریات شکست سے دوچار ہوگئے۔ رحیم پور ازغندی۔

4. صحیفہ امام، ج ۲۱، ص ۴۲۔

ہے۔[1] انقلاب اسلامی ایران کا مستکبرین کی جارحیت ولوٹ مار کی نشان دہی کرنا جس وقت یہ اپنے پلید چہرے کو چھپائے ہوئے اقوام کو اغوا کررہے تھے اور لوٹ رہے تھے، دنیا والوں کی بیداری وہوشیاری میں موثر واقع ہوا ہے۔[2] استکبار واستعمار کا ملت ایران پر چاروں طرف سے حملہ ان کی خفت کی علامت ہے۔ وہ دنیا میں انقلاب اسلامی کے افکار ونظریات پر قابو پانے میں شدید ناکامی کا شکار ہیں۔

پنجم: محرومین اور مستضعفین کی حمایت

انقلاب اسلامی کی اہم برکات میں سے ایک، محرومین، مستضعفین اور ظلم وستم کی شکار اقوام کی حمایت ہے اور اسے ایک شرعی فرض کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔[3] یہ انقلاب ہر قسم کے مذہبی وقومی وجغرافیائی تعصب سے بالاتر ہوکر تمام ستمدیدہ ومستضعف وغریب اقوام سے اظہار ہمدردی کرتا ہے اور عالمی پیمانہ پر اس امتیازی فعل کو ختم کرنے کیلئے اپنی تمام سعی وتلاش کو اقوام عالم کی ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی اصلاح پر مرکوز کئے ہوئے ہے۔ ایرانی قوم جس نے محرومیت واستضعاف کا مزہ چکھا ہے اور ایک عرصہ تک اس کا شکار رہی ہے اظہار حمایت وہمدردی کرتی ہے اور عالمی پیمانے پر سماجی وسیاسی صورتحال کی بہبودی کیلئے سعی وکوشش کو اپنا فرض قرار دیتی ہے۔

ششم: امت اسلامی

تمام اندرونی وبیرونی اسباب[4] کی بناپر امت اسلامی تمدن خیز بلندی وعلمی سرفرازی کے زرین دور سے الگ تھلک اور وابستگی اور رجعت پسندی کا شکار ہوگئی تھی اس طرح کہ تمام مسلمان حکومتیں واقوام مغرب کی طاقت اور پروپیگنڈے سے مرعوب ہوکر رہ گئی تھیں اور ان میں مقابلے کی طاقت ختم ہوچکی تھی۔ حضرت امام خمینیؒ نے دین اسلام کے نظری وعملی اصولوں کی کامل شناخت رکھتے

---

1. رموین تافل کتاب (جابجائے قدرت) میں لکھتا ہے: امام خمینیؒ کا عظیم کارنامہ یہ تھا کہ پہلی مرتبہ ایک آدمی نے مغرب کو اس کے تمام محتوا کے باوجود نظر انداز کیا۔ بجائے بیٹھنے اور گفتگو کرنے اس نے بطور کلی توجہ ہی نہ کی۔ اندیشہ الٰہی در برابر اندیشہ ایدلوزیک ستیزان معاصر۔

2. عظیم ترین برکت شہنشاہی نظام کو اکھاڑ پھینکنا اور ڈاکوؤں ولٹیروں کو ملک سے نکال باہر کرنا، ملک سے شرک ونفاق کا اثر ورسوخ ختم کرنا، تیل کے چوروں کو چوری سے باز رکھنا۔ صحیفہ امام، ج ۷، ص ۲۳۱ نقل از دستاوردہا، ہدایتی، حضور ۴، ص ۸۹۔

3. ہمارا فرض ہے کہ مظلومین کے حامی اور ظالموں کے دشمن ہوں۔ ولایت فقیہ، ص ۲۲ نقل از معانی انقلاب اسلامی از دیدگاہ امام۔

4. بیرونی ودرونی اسباب کی بحث تفصیل طلب ہے۔

ہوئے تمام عالم اسلام کو اسلام کے احیاء اور مسلمانوں کی ترقی کے دور کی جانب بازگشت کیلئے مجاہدانہ سعی و کوشش کی دعوت فرمائی۔ آپ کی تحریک مندرجہ ذیل جہات کی حامل تھی:

الف۔ مسلمانوں کے درمیان اسلامی فکر کا احیاء اور ان کی طرف بازگشت [1]

حضرت امام خمینیؒ معتقد تھے کہ اسلام کے اصولوں پر مسلمان تکیہ کرنے سے وہ اغیار سے بے نیاز ہو جائیں گے عالم اسلام کی مشکلات و پریشانی کا سبب اسلام کے بنیادی اصولوں سے دوری ہے۔ امام خمینیؒ کے اس پیغام کا امت اسلامی نے خیر مقدم کیا اور یہ پیغام تبدیلی کا سبب بنا۔ یہ وہ پیغام ہے جس پر قابو پانے میں مرعوب حکمران ناکام رہیں گے۔[2]

ب۔ مسلمان ملل کی دلی آرزو کا ذکر

حقیقی اسلام جو خالص محمدیؐ اسلام ہے اور صدر اسلام کی عدل نبوی کی حکومت کی بازگشت تمام مسلمان ملل کی آرزو ہے۔ مسلمانوں کا قیام و تحریکیں ممالک فتح کرنے کیلئے نہیں، بلکہ اسلام کے احکام و اصول کے احیاء کیلئے ہیں جس کے نتیجہ میں بشر کی زندگی پر الٰہی حکومت مد نظر قرار پائی ہے[3] تاکہ نیا کہ تمام مسلمان اس مقصد کے حصول کیلئے بھرپور سعی و کوشش کریں۔[4]

ج۔ اتحاد بین المسلمین

مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تفرقہ ہے۔ حضرت امام خمینیؒ یقین کامل رکھتے تھے کہ اتحاد بین المسلمین سے اس سازش کو ناکام بنایا جا سکتا ہے۔ آپ معتقد تھے کہ اعلیٰ ہدف کا حصول و احکام شریعت کا اجرا فقط وحدت، مذہبی تفرقہ و نزاع سے دوری، دشمن سے مقابلہ کیلئے صف واحد تشکیل دینے ہی سے ممکن ہے۔ لہٰذا اسلامی ملل کے درمیان ہر قسم کے تفرقہ آمیز نظریہ کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسلامی برادری و اتحاد[5] کو تمام ثقافتی، اقتصادی اور سماجی میدانوں میں قائم کرنا چاہیے اور قرآن بھی اسی روش کا خواہاں ہے۔

---

1. آج مسلمان اس حقیقت کو درک کر چکے ہیں کہ اسلام و قرآن اور پیامبرؐ کی سنت ایک قوی و پر تحرک منبع ہے جو سیاسی ثقافتی اور اقتصادی میدانوں میں ترقی کا سبب ہے۔ احمد ہوبر، حضور ش ۱، ص ۲۴۳ تا ۲۴۹۔
2. تبیان ش ۳۶، ص ۱۷؛ صحیفہ امام، ج ۲۱، ص ۸۲۔
3. رہبر انقلاب کا اولین و عمدہ ترین پیغام جو دنیا والوں تک پہنچا استکبار کے منحوس سلسلے رہائی اور ہر کام میں خدا تعالیٰ کو مد نظر رکھنا ہے۔ کلیم صدیقی، راہ انقلاب، ج ۱، ص ۲۸۱۔
4. جہان اسلام کے رضاکاروں کو عظیم اسلامی حکومت کی تشکیل کی فکر میں ہونا چاہیے اور یہ ممکن ہے، تمام دنیا میں استقامت کے مراکز قائم کرنا چاہیے اور مشرق و مغرب کے مقابل اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ صحیفہ امام، ج ۲۱، ص ۱۹۵۔
5. { وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُوا } قرآن کریم۔

د۔اسلامی تحریکوں خصوصاً فلسطین کی حمایت

حتمی مقصد کو حاصل کرنے کیلئے اسلامی ممالک کی جانب سے ان تمام اسلامی تحریکوں کہ جن کے اہداف اسلام سے نزدیک ہوں حمایت کی جانی چاہیے، دشمن کے مقابل صف آرا ہونے والی تحریکیں مسلمانوں کیلئے عزت و آبرو کی علامت ہیں ان کی کامیابی کیلئے سعی کرنا چاہیے۔ آج فلسطینی مسلمانوں کا جہاد حضرت امام خمینیؒ کے نزدیک جہان اسلام کی فرنٹ لائن ہے جو اسلامی حیثیت کا دفاعکر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں کسی مسلمان کا سکوت جائز نہیں ہے۔ امام خمینیؒ کی یہ فکر حرم الٰہی کے غاصبوں کے مقابل صف آرا فلسطینی مجاہدین کیلئے حیات نو ثابت ہوئی[1] اگر اس قسم کی حمایت تمام مسلمانوں کی طرف سے مل جائے تو آج کفر میں کسی بھی محاذ پر اسلام کے مقابلے کی طاقت نہیں ہو گی۔[2] حضرت امام خمینیؒ تمام عالم اسلام سے اس قسم کی ہمت و حمایت کے خواہاں تھے۔ اگر ایران اسلامی کا تجربہ پورے عالم اسلام میں پھیل جاتا تو عالمی پیمانہ پر اصلاح و خیر خواہی کا سبب بنتا۔

نتیجہ

انقلاب اسلامی کی کامیابی الٰہی تحفہ تھا جس کے تمام پہلوؤں کے ادراک کیلئے نوید بخش مستقبل کا انتظار کرنا چاہتے جس کا راستہ ہموار کرنا تمام ادیان ابراہیمیؑ کا فرض ہے وہ اصلاح کنندہ انقلاب جو کرۂ ارض سے تمام شیطانی اور طاغوتی افکار کو ختم کر کے انسانوں کے قلب و فکر پر خدا تعالیٰ اور دینی اقدار کی حکومت کا راستہ ہموار کرے گا بلاشبہ ایران کا اسلامی انقلاب اس عالمی مقصد کے حصول کی جانب ایک قدم ہے۔ ہم یہاں پیش کردہ مطالب پر سرسری نگاہ کرتے ہوئے چند محوری مطالب کو کلی و مختصر بیان کر رہے ہیں، شاید انقلاب اسلامی ایران کے محققین کیلئے مفید و موثر ثابت ہوں:

---

1. ڈاکٹر فتحی شقاقی کہتے ہیں کہ امام خمینیؒ نے کامیابی حاصل کر کے ہمارے اندر امید کو زندہ کر دیا ہے۔ راہ انقلاب، ج ۱، ص ۲۸۳۔ نیز اسلامی سرزمین میں فلسطین کو اسلام و انسانیت کے دشمن صیہونزم کے پنجے سے آزاد کرانے کی فکر ہونا چاہیے۔ وہ فداکار افراد جو سرزمین فلسطین کی آزادی کیلئے لڑ رہے ہیں ان کی مدد ہونا چاہیے ان سے غفلت نہ برتی جائے۔ صحیفہ امام، ج ۲، ص ۳۲۲۔

2. اگر عالمی لٹیرے ہمارے دین کے مقابل کھڑے ہوں گے تو ہم ان کی تمام دنیا کے مقابل کھڑے ہو جائیں گے۔ صحیفہ امام، ج ۲، ص ۳۲۵۔

۱۔ایران کااسلامی انقلاب ایک عام وانسانی انقلاب ہے

ایسے عصر میں جبکہ تمام شیطانی وتسلط پسند طاقتیں پوری بشریت کو اپنے پنجہ میں جکڑنا چاہتی ہیں اسلامی انقلاب عوام واقوام عالم کو ان انسانی اصولوں کی دعوت دیتا ہے جن سے غفلت برتی گئی اور تسلط پسند طاقتیں اس غفلت کو بڑھاوا دیتی رہیں۔[1] لہذا حضرت امام خمینیؒ خاص توجہ رکھتے تھے کہ بشریت انقلاب اسلامی کے ذریعہ خود مختاری، آزادی، معنویت، ایثار، اخلاق، سلامتی، سعادت، دینداری اور تمام انسانی اصولوں کی طرف پلٹ آئے۔ آپ اس بیداری کی ترویج فرماتے تھے۔

۲۔انقلاب اسلامی ایران ایک اصلاحی نظریہ ہے

حضرت امام خمینیؒ کی انقلابی فکر کا ہدف دینی ثقافت و کلچر کو رواج دینا تھا تا کہ حکمراں وعوام عدالت و دیانت کو اسلامی اصول پر قائم کریں یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر و نصیحت کا اجراء کریں، انقلاب اسلامی کی پیشرفت کے مراحل کے مطالعہ سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت امام خمینیؒ کی انقلابی فکر تدریجی تشکیل ہوئی یعنی جب پہلے مرحلے میں تبلیغ، بیان وارشاد کے ذریعہ دینی مسائل واحکام کو نافذ کیا جاسکتا ہے تو بعد کے اقدام و مرحلے کی ضرورت نہیں ہے، مقصد وہدف معاشرے کی خیر وصلاح ہے کامیابی کی طرف توجہ کرتے ہوئے بہترین روش کے اسے حاصل کیا جاسکتا ہے اور بدی وپلیدی سے مقابلہ ہو سکتا ہے۔ یہ وہ ہدف ہے جو دینی والٰہی وانسانی فرض کو تشکیل دیتا ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ اصلاح دوسری روش وطریقہ کے ذریعہ ممکن ہو تو انقلاب برپا کرنا چاہیے۔[2]

۳۔دنیامیں عوامی انقلابات میں کامیاب ترین نمونہ انقلاب اسلامی ایران ہے

الف۔ یہ انقلاب عوامی شرکت کی نوعیت اس کے عالی مقاصد، دشمنوں سے مقابلے وجد وجہد کی روش واسلوب، رہبری وقیادت کی خصوصیات کی بناپر دنیامیں موجود دوسری اصلاحی تحریکوں کیلئے نمونہ عمل قرار پاسکتا ہے۔

ب۔ یہ انقلاب بامقصد انقلابات میں ایک نمونہ ہے جو اسلام پسندی کی بنیاد پر استوار ہے جسے اسلامی ممالک نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے اس کے مقاصد کے حصول کے سلسلہ میں کوشش کریں چونکہ اس کا انحراف یاشکست ایک انقلاب کی نہیں بلکہ تمام اسلامی ودینی محاذ کی شکست ہے۔ اسی بناپر حضرت امام خمینیؒ اپنے الٰہی سیاسی وصیت نامہ میں نصیحت فرماتے ہیں: اسلام کی حفاظت تمام واجبات سے اہم ہے۔ آج تمام اہل اسلام خصوصاً ایرانی عوام پر واجب ہے کہ اس الٰہی امانت کی حفاظت کریں جس کا ایران میں قانونی

---

1. شاہ غیر ملکی طاقت کا اتباع کرتے ہوئے نہ چاہتا تھا کہ اس مشرقی ملک میں انسان بنیں وہ انسان سے ڈرتے تھے۔۔۔ ہم انسان چاہتے ہیں۔ تمام چیز انسانیت پر فدا ہے اگر انسان صحیح ہو جائے تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ صحیفہ امام، ج۸، ص۶۵۔

2. موعظہ و نصیحت موثر نہ ہونے کے بعد آخری دوا یہ ہے کہ اسے داغا جائے، شمشیر آخری علاج ہے۔ صحیفہ امام، ج۱۸، ص۲۰۔

طور پر اعلان کیا گیا ہے اور تھوڑے عرصے ہی میں عظیم نتائج بھی حاصل ہوئے ہیں، اس کی حفاظت تمام قوت و طاقت سے ہونا چاہیے نیز مقتضیات بقاکے وسائل فراہم کرتے ہوئے اس راہ میں ایجاد شدہ موانع و مشکلات کو رفع و ختم کرنے کی کوشش کریں۔[1] لہذا بعض گروہ یا اسلامی حکمرانوں کی نادانی کی بناپر انقلاب اسلامی کے دشمنوں کی حمایت ایک انقلاب و ملک کا نقصان نہیں ہے، بلکہ یہ تمام دینی واسلامی افکار کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔

۴۔ حکومتوں اور اقوام کی بیداری

اسلامی انقلاب مظلوم اقوام و ملل کیلئے استقامت و پائیداری کا نمونہ ہے جو دنیا کی قوی ترین طاقت واقتدار نیز تیسری دنیا کی استبدادی وظالم ترین حکومت کے مقابل نبرد آزما ہوا اس انقلاب کی کامیابی سے تمام حریت پسند افراد کے اذہان میں رہائی کی لہر جاگ اٹھی ہے احساس کمتری کی ترویج، وابستہ اور پٹھو حکومتیں، اخلاقی بے راہ روی جنسی آزادی، حکمرانوں کے مرعوب ہونے اور ساز باز کرنے جیسے طریقے اب تک ملل کو قید و بند سے آزاد نہیں کر سکے ہیں۔ اسی بناپر اقوام و ملل کو قیام کرنا چاہیے اور کامیابی کے راز و رموز کو سمجھنا چاہیے۔ شہادت کی آرزو کرنا چاہیے اور مادی حیات و حیوانی زندگی کیلئے اہمیت کا قائل نہیں ہونا چاہیے۔[2] ملل واقوام کی یہ بیداری جوان کے سادہ لوح یا وابستہ حکمرانوں سے جدا ہے، انقلاب کی کامیابی کے بعد دنیا کے ملکوں میں نظر آرہی ہے۔[3]

ایران کا اسلامی انقلاب جغرافیائی، مذہبی، قومی اور فکری سرحدوں کو عبور کر چکا ہے اور تمام کو متاثر کر چکا ہے۔ انقلاب اسلامی ایران کے بنیادی اصولوں کی تبلیغ حضرت امام خمینیؒ کی طرف سے ہوتی تھی۔ اس تبلیغ کا ہدف ملل واقوام کی عمومی بیداری ہے تاکہ خود مختاری حاصل کرتے ہوئے ظالموں سے نجات حاصل کریں۔[4] اس نوعیت کے پیام کے ابلاغ کیلئے کشمکش، جنگ و خونریزی کی

---

1. صحیفہ امام، ج ۲۱، ص ۴۰۳۔

2. صحیفہ امام، ج ۶، ص ۵۰۳۔

3. حضرت امام خمینیؒ نے ملت کے ضمیروں کو بیدار اور انہیں ان کے فرائض اور حقیقی زندگی کے طریقہ وروش سے آگاہ کیا۔ عوامل موثر در پیدائش انقلاب اسلامی، احمدی راد، راہ انقلاب۔

4. انقلاب برآمد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تمام ملل و حکومتیں بیدار ہو جائیں وہ اس گرفتاری سے نجات حاصل کریں۔ آئین انقلاب اسلامی، ص ۴۱۵؛ صحیفہ امام، ج ۱۳، ص ۱۸۰۔

ضرورت نہیں ہوتی ہے چونکہ اس کا ہدف ثقافتی ودینی ہے۔[1] لہذا یہ پیغام عالمی سطح پر فکر وقلب پر اثر کرتا ہے۔[2]

ہم دنیا میں صیہونزم، کمیونزم اور سرمایہ داری کے نظام کی بیخ کنی چاہتے ہیں۔ایرانی عوام کا انقلاب جہان اسلام کے انقلاب کا آغاز ہے حضرت حجتؑ کے قیادت میں ہے خداوند عالم تمام مسلمانوں پر احسان کرے اور آپؑ کے ظہور کو اسی عصر وزمان میں قرار دے۔

۵۔امام خمینیؒ کی آسمانی وملکوتی شخصیت

ایران کا اسلامی انقلاب تمام بشری عوامل والٰہی توجہات کا مرہون ہے لیکن ایک عارف وزاہد انسان جو فردی وشخصی خصائل وصفات کے علاوہ شجاع مجاہد وانقلابی سیاستدان تھا اور جس کو خداوند عالم نے بیسویں صدی کے انسانوں پر لطف وکرم کرتے ہوئے بھیجا تھا۔ وہ انقلاب اسلامی ایران کا اہم ترین تھا۔ وہ تمام اذہان کو اسلام کی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب رہا، اس نے رسول اسلام ﷺ کے دین کی اصل وحقیقی تصویر پیش کی۔ طہارت، پاکیزگی، شجاعت صداقت، دینی رہبر ومرجع حضرت روح اللہ کی خصوصیت تھی۔ شاید ایسی شخصیت کے بغیر ایسا عظیم انقلاب تاریخ انسانی میں رونما نہ ہوتا۔ امام خمینیؒ کی شخصیت کو مزید جاننے کی ضرورت ہے۔ وہ عظیم انبیائے کرام (ع) اور آسمانی انسانوں کی تمام خوبیوں کے مظہر تھے۔[3]

---

1. انقلاب اس وقت برآمد ہوگا جب ان میں اسلام اور اس کی حقیقت اسلامی اخلاق اور انسانی اخلاقیات کو پیش رفت حاصل ہو۔ صحیفہ امام، ج ۱۳، ص ۴۱۷۔ نیز ہم چاہتے ہیں کہ اپنا اس انقلاب کو اپنا ثقافتی انقلاب کو اپنا اسلامی انقلاب تمام اسلامی ممالک کو برآمد کریں۔ صحیفہ امام، ج۱۳، ص ۴۰۷۔

2. ہمارا انقلاب اسلامی ہے اور جب تک عدالت کی آواز کی گونج پوری دنیا میں سنائی نہیں دیتی تب تک جدوجہد جاری ہے اور جب تک دنیا کے کسی کونے میں بھی مستکبرین کے خلاف استقامت جاری ہے، ہم بھی اس میں شریک رہیں گے۔ صحیفہ امام، ج۱۳، ص ۴۱۳۔

3. تاریخ میں ایسی مثال کم ہی ملتی ہے کہ ایک ملت کی آرزوئیں ایک فرد میں اس طرح مجسم ہوچکی ہوں، یہ اسی جگہ ہے جہاں وہ فرد اپنی فردیت سے خارج ہوچکا ہے وہ معاشرے کا اعلیٰ عقیدہ اس میں مجسم ہوگیا ہے۔ پیرامون جمہوری اسلامی، مرتضیٰ مطہری، ص ۷۲۔

حوالہ جات

۱۔آئین انقلاب اسلامی گزیدہ از اندیشہ آراء امام خمینیؒ، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، ج ۳، بہار ۱۳۷۴۔

۲۔انقلاب اسلامی و ریشہ ہائے آن، علی اصغر باغانی، دانشگاہ شہید بہشتی۔

۳۔ انقلاب اسلامی و رہیافت فرہنگی، تاثیر انقلاب اسلامی ایران بر نظریہ ہائے انقلاب، محمد شجاعیان، مرکز اسناد وانقلاب اسلامی، ۱۳۸۲۔

۴۔پیرامون انقلاب اسلامی، مرتضیٰ مطہری، صدرا۔

۵۔تبیان، تحولات اجتماعی و انقلاب اسلامی از دیدگاہ امام خمینیؒ، موسسہ تنظیم و نشر، ج ا تابستان ۱۳۷۵۔

۶۔چارچوبی برائے تحلیل و شناخت انقلاب اسلامی ایران، محمد باقر حشمت زادہ۔

۷۔دائرۃ المعارف تشیع، ج ۲، موضوع انقلاب اسلامی ایران، ۱۳۶۸۔

۸۔دایرۃ المعارف تشیع، ج ۵، موضوع جمہوری اسلامی ایران، ۱۳۷۵۔

۹۔درآمدی بر دایرۃ المعارف علوم اجتماعی، باقر ساروخانی، کیہان، ۱۳۷۰۔

۱۰۔صحیفہ امام، مجموعہ بیانات حضرت امام خمینیؒ۔

۱۱۔فصلنامہ اندیشہ انقلاب اسلامی، دورہ کامل، سازمان تبلیغات اسلامی۔

۱۲۔فصلنامہ حضور، دورۂ کامل، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ۔

۱۳۔فصلنامہ متین، دورۂ کامل، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ۔

۱۴۔فرہنگ علوم سیاسی، علی آقا بخشی، مینو افشاری، راد نشر جاپار، ۱۳۷۹۔

۱۵۔فرہنگ مطہر، مجموعہ اندیشہ ہائے مطہری، پژوہشی از محمد علی ذکریای۔

۱۶۔ گزیدہ ای از کلام و اندیشہ امام (مجموعہ نظام جمہوری اسلامی، نیم نگاہی بہ آئندہ)۔

۱۷۔ مجموعہ مقالات راہ انقلاب، سیمینار انقلاب اسلامی۔

۱۸۔ نظریہ ہائے انقلاب، عباسی منوچہری، انتشارات سمت، ج ا، ص ۱۳۸۰۔

۱۹۔ نہضت اسلامی در صد سالہ اخیر، مرتضیٰ مطہری، صدرا۔

نظریہ انقلابی اسلامی، امام خمینیؒ کے زاویہ نگاہ سے (محمد رضا دہشیری)

مقدمہ

بلاشبہ ایران کا اسلامی انقلاب عصر حاضر کیلئے نیا واقعہ ہے، یہ انقلاب با مقصد Teleoergcal آئیڈیل Utopianist اسلام پسند Pan.Islamist جامع اطراف Universal عالمی Casmapoklifianist ہے جس کی قیادت عالم اسلام کے بے نظیر اور کریزمیٹک قائد حضرت امام خمینیؒ نے کی اور یہ انقلاب بین الاقوامی روابط و سیاسی توازن میں عظیم تبدیلی کا باعث بنا، اس تاریخ ساز قائد نے ایسے انقلاب کی بنیاد رکھی جس نے دو دھار والے اسلحہ کے مانند ایک ہی وقت میں کمیونزم اور سرمایہ داری دونوں کے خلاف نبرد آزمائی کی۔ آپ نے مشرق و مغرب کی بڑی طاقتوں کی تسلط پسندی سے مقابلے کیلئے مسلمان اقوام کو اسلامی تعلیمات کی طرف بازگشت اور ان پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی۔ آپ انقلاب اور عقیدے کے درمیان مستقیم رابطہ کے قائل تھے۔ لہذا الٰہی مقاصد کے حصول کیلئے انقلاب کو لازم و ضروری شرط سمجھتے تھے۔ آپ کی نگاہ میں انقلاب مکتبی مقاصد تک رسائی اور بشری معاشرے کے بلند انسانی مقام کے حصول کا وسیلہ ہے۔ آپ اس راہ میں اپنے نظریہ کو بروئے کار لانے کیلئے اہتمام فرماتے تھے اور اسلامی حاکمیت کے مقاصد کے حصول مذہبی حیثیت کی بقا کے اہتمام کے علاوہ تحریک کے آزادی اور خود مختاری کے پہلوؤں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے تھے۔ لہذا آپ کی نگاہ میں انقلاب اسلامی جمہوری اسلامی کے قیام کا وسیلہ قرار پایا، چونکہ آپ اسلامی انقلاب کے بانی اور مفکر ہیں بہتر ہے کہ اس عظیم اسلامی انقلاب کا ابتدا و آغاز سے تجزیہ کیا جائے اور اسلامی مفکر کے نظریات پر وسیع پیمانہ پر فکر و عمل دونوں اعتبار سے بحث کی جائے۔

آپ کے بیانات، اعلانات، تقاریر و خطابات محققین، مصنفین کیلئے بہترین ماخذ ہیں۔ یہ مقالہ ان حریت پسندوں کیلئے الہام بخش ہے جو اقوام و ملل کو سامراجیت سے نجات دینے کی کوشش میں ہیں نیز راہ گشا ہے ان حضرات کیلئے جو امام خمینیؒ کے بلند افکار و نظریات اور آپ کے مدبرانہ عمل و نصائح کو درک کر کے اپنے ملک و معاشرے میں اسلام کی عظمت و حشمت کو دوبارہ جلوہ گر کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت امام خمینیؒ نے اپنی تھیوری و آراء میں اسلامی تحریک کے ارکان جیسے ہدف، ہدایت، مبارزت، مبارزت کی روش اور اس کے نتائج و ماحصل کو بیان فرمایا ہے۔ آپ کے گہربار بیانات عالمی پیمانے پر خالص محمدیؐ اسلام کے نفاذ کی پر خطر راہ کیلئے روشنائی بخش اور مشعل راہ قرار پائیں گے۔ زیر نظر مقالہ صحیفہ امام کی تمام جلدوں سے استفادہ کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے اور اس میں انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں حضرت امام خمینیؒ کے آرا و نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

انقلاب کے سلسلہ میں حضرت امام خمینیؒ کے نظریہ کی شناخت

سیاست و معاشرت میں تغیر آنے کے سلسلہ میں دو راہ حل بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ راہ حل فوقانی[From the above]جو نظام حاکم کے افراد پر اطلاق ہوتا ہے۔

۲۔ راہ حل تحتانی[From the below]جو عام افراد (عوام) پر اطلاق ہوتا ہے۔

دونوں مذکورہ راہ ہائے حل کی شمولیت ظاہری و علامتی یا اساسی و بنیادی تغیرات کے مصادیق پر ہو سکتی ہے۔ انقلاب فوقانی یا اصلاح، علامتی تغیرات کو بیان کرنے والا ہے اور انقلاب جو کہ اقتدار کی تبدیلی کے مترادف ہے، اقتدار میں شامل اپنے حریفوں کو دھیرے دھیرے اقتدار سے الگ کرنے کی معنوں میں ہے۔

تحتانی راہ حل میں شورش اور قیام حکمراں پارٹی کی تبدیلی کے بغیر بعض دوسری جزوی تبدیلیوں پر استوار ہے بنیادی راہ وہی حل انقلاب ہی ہے کے ذریعہ نظام حاکم کے سیاسی اداروں، نظام کے جواز اقتصادی روابط وغیرہ میں شرکت کے ذریعہ اساسی، بنیادی و عمیق تبدیلی کی جاتی ہے اس مطلب پر توجہ کرتے ہوئے کہ حضرت امام خمینیؒ اہداف و وسائل کے درمیان گہرے رابطے کے قائل تھے۔ آپ یقین رکھتے تھے کہ بلند و وسیع اہداف، مقاصد و عظیم افکار و نظریات کیلئے عظیم مشکلات و زحمات برداشت کرنا پڑتی ہیں۔[1] آپ تحتانی تبدیلی کو فوقانی تبدیلی پر ترجیح دیتے تھے چونکہ آپ عظیم مقاصد و اہداف کے مالک تھے۔ حضرت امام خمینیؒ اس کیلئے اہمیت قائل تھے جو معاشرے کے بطن سے وجود میں آئی ہو اور اس کی تشکیل عوام کے ارادے، خواہش و ضرورت کی بنا پر ہو۔[2]

لہذا انقلاب کے سلسلہ میں حضرت امام خمینیؒ کی نظر Maximalist ہے جس کا لازمہ تمام سیاسی اقتصادی، سماجی، ثقافتی آئیڈیالوجیکل افعال و بنیاد میں تعجب انگیز تبدیلی ہے جبکہ Minimalist اور Reductionist نظریہ کے طرفدار انقلاب کو صرف اقتدار کی تبدیلی کا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ البتہ حضرت امام خمینیؒ انقلاب کو معاشرتی صورتحال کی تبدیلی کا واحد راستہ نہیں سمجھتے ہیں، بلکہ آپ ہر چیز سے قبل حکمراں نظام کیلئے اصلاح و نصیحت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ آپ مسالمت آمیز طریقہ سے مسائل کا حل چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں جبکہ نصیحت، بحث و جدل کارگر نہ ہو تو موجودہ وضع کی اصلاح کیلئے ابتدائی قدم اٹھانا ہے تاکہ نظام کو برخاست کیا جاسکے۔ حضرت امام خمینیؒ نظام حاکم کی اصلاح کے سلسلہ میں قاعدہ تدریج کا نظریہ رکھتے ہیں یعنی اگر حکمراں نصیحت و ارشاد اصلاح

---

1. صحیفہ امام، ج ۱۷، ص ۵۳۔

2. صحیفہ امام، ج ۱۶، ص ۱۰۔

نظام ور فتار میں تبدیلی نہ کریں تو انقلاب نا گزیر ہے، امام خمینیؒ کی نظر میں اصل ہدایت واصلاح ہے، لہذا اگر حاکم نظام اصلاح وارشاد کا خیر مقدم کرتا ہے تو ہدف حاصل ہو رہا ہے لیکن نظام حاکم، اسلامی اصولوں کے سلسلے میں بے توجہی اور خطا کا شکار ہے تو انقلاب جائز بلکہ واجب ہے، اس بناپر اگرچہ حضرت امام خمینیؒ تہاجمی (حملہ ور) عقیدے کے حامل تھے یعنی پہلوی حکومت کو سرنگوں کر کے جدید مبانی واصولوں والی اسلامی حکومت کو برقرار کرنا چاہتے تھے لیکن دفاعی نظریہ کو اولین راہ حل جانتے تھے یعنی حکومت وقت کو سرنگوں کئے بغیر نصیحت واصلاح کے ذریعہ اسلامی اصولوں کی حفاظت واسلامی احکام پر عمل کی فضاہموار کی جائے کیونکہ حکومت وقت کی سرنگونی ملک کے نظم ونسق اور امن عامہ کیلئے نقصان دہ ہے، حالانکہ آپ ملک کے آئین کو ناقص سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود قاعدہ الزام {الزموہم بھاالزمواعلیہ انفسہم} سے استناد کرتے ہوئے اس کے پابند تھے، موجود صورتحال سے مقابلہ کے سلسلہ میں حضرت امام خمینیؒ کی سیاست، شرعی والٰہی ذمہ داری پر عمل کرنے پر استوار تھی۔ آپ کا جذبہ قیام ذاتی مفادات وخواہشات نفسانی کی بنا پر نہ تھا بلکہ قرآن کی بنیاد پر تھا، آپ اس آیت {قل انما اعظکم۔۔۔ مثنیٰ وفرادیٰ} کی روشنی میں تمام سیاسی وسماجی گروہوں اور تحریکوں کو قیام کی دعوت دیتے تھے۔ آپ فردی واجتماعی سب راہ حل کے استفادہ کو ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت امام خمینیؒ انقلاب سے قبل ایرانی عوام کے اجتماع کو اسلامی نعروں کے ذریعہ اسلامی وسیاسی شعور عطا کرنا چاہتے تھے تاکہ اسلامی انقلاب کیلئے راستہ ہموار ہو سکے اور اس طریقہ وذریعہ سے عادل اسلامی حکومت کا خواب شرمندہ تعبیر کیا جاسکے۔ آپ اس مقدس ہدف کے حصول کیلئے سب شرافتمندانہ اصولوں سے استفادہ ضروری سمجھتے تھے، چونکہ تحریک کی ماہیت اسلامی تھی لہذا مارکسسٹ وبائیں بازو کی تنظیموں سے سیاسی اتحاد کے مخالف تھے، آپ فرماتے تھے: ہم شاہ کو سرنگوں کرنے کیلئے بھی مارکس ازم سے اتحاد نہیں کر سکتے ہیں، چونکہ آپ کا مقصد وہدف فقط شاہ کو نابود کر کے حکومت قائم کرنا نہ تھا بلکہ ایرانی معاشرے کو فکری وروحی اعتبار سے تبدیل کرنا تھا۔ آپ نہ صرف انقلاب کو ضروری سمجھتے تھے بلکہ اس کا دائرے دوسرے اسلامی ممالک میں تک پھیلا دینے کی تاکید فرماتے تھے۔ اس آیت {ولتکن۔۔۔ ینھون عن المنکر} کی روشنی میں ام القرائے اسلام (ایران) کے افراد کو دعوت فرماتے تھے کہ دنیا میں اسلامی حاکمیت اور انقلاب برآمد کرنے کی سعی وکوشش کریں۔ آپ اس سلسلہ میں بھی تدریجی عمل کے اصول پر کاربند تھے اور اسلام کے نفاذ کیلئے فوقانی راہ حل کو نظرانداز نہیں کرتے تھے، بلکہ اسلامی اصول واقدار کی برقراری کیلئے اولین راہ حل تصور فرماتے تھے، لہذا آپ نصائح کے ذریعہ اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو صحیح اسلامی اصول پر چلنے اور الٰہی احکام کے اجراء کی دعوت دیتے تھے، انقلاب فوقانی کے اصول کو اپناتے تھے اور اس کے کارگر ہونے کی صورت میں مسلمان ملل کی نجات اور اسلامی اصول واقدار کی حفاظت کا واحد راستہ انقلاب سمجھتے تھے۔ امام خمینیؒ کے افکار سے جو نظریہ استنباط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انقلاب سب سے پہلے حکومت اسلامی کی بنا ام القریٰ میں واقع ہو اور اس سلسلہ میں آپ ذہنی وفکری انقلاب کو عینی انقلاب پر مقدم سمجھتے تھے۔ ام القریٰ میں

استحکام نظام کے بعد دوسرے اسلامی ممالک میں انقلاب برآمد کرنے کیلئے افکار واذہان کے بیدار ہونے کو شرط لازم جانتے تھے تاکہ ظلم کی حکومت سے خارج ہونے کیلئے پیش خیمہ ثابت ہوسکے۔[1]

حضرت امام خمینیؒ انقلاب بیرونی یامادی تحقق کے ہمراہ درونی انقلاب کو بھی اسلامی تحریک کی کامیابی کی بنیاد شرط قرار دیتے ہیں۔آپ کے نظریۂ حداکثر کے مطابق سیاسی،اقتصادی سماجی ارکان میں بنیادی تبدیلی کے ساتھ ساتھ فکری آئیڈیالوجیکل،عقیدتی، ثقافتی امور میں بھی بنیادی تبدیلی انقلاب کیلئے ضروری ہے۔آپ کا انقلاب کے سلسلہ میں معنوی پہلو، محتوای انقلاب کی تاکید کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ انقلاب کو ایک فکری تحریک کی ضرورت ہے۔[2]کیونکہ غیر عقیدتی آئیڈیالوجیکل انقلاب،افراد کی درونی وروحی تبدیلی کا سبب نہیں بنتا بلکہ ڈکٹیٹر شپ واستبداد میں تبدیل ہو جاتا ہے۔حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں اسلامی نظام روحی تحول کا سبب ہے کیونکہ عظیم ہدف کا حامل اور اسلامی احکام کے اجراء کا ضامن ہے۔اگر اقوام عالم کا نصب العین اسلامی نظام ہو جائے تو سماج ومعاشرے میں اتحاد ووحدت اور ہم آہنگی کی فضا قائم ہو جائے گی جس کے سائے میں روحی تحول، خدا پر اعتماد، غیر خدا سے دوری اور شجاعت وشہادت کے خیر مقدم جیسی سعادتیں وجود میں آئیں گی اور بیرونی انقلاب کی کامیابی میں مدد ملے گی۔حضرت امام خمینیؒ کی نگاہ میں عام افراد کے ادراک وافکار میں تبدیلی انقلاب کا لازمہ ہے، بین الاقوامی روابط میں رائج فکر، واقعیت وحقیقت کو درک کرنا خود واقعیت وحقیقت سے اہم تر ہے کی بناپر آپ کا عقیدہ یہ تھا کہ عوام کا سماجی ومعاشرتی صورتحال کا تصور، انقلاب کا سبب ہے نہ کہ سماجی ومعاشرتی صورتحال کی حقیقت۔[3]

لہذا انقلاب کے سلسلہ میں حضرت امام خمینیؒ کے نظریئے کو ادراکی اپروچ سمجھا کیا جاسکتا ہے۔

امام خمینیؒ کے نظریات کی روشنی میں انقلاب اسلامی کی شناخت ومعرفت

انقلاب کی وجود شناسی سے متعلق حضرت امام خمینیؒ کے نظریات کا شاید ان تین زاویوں سے جائزہ لیا جاسکتا ہے:

۱۔مقصد شناسی ۲۔ماحول شناسی ۳۔اسباب شناسی

---

1. صحیفہ امام،ج۱۱،ص۳۳۸۔
2. صحیفہ امام،ج۱۱،ص۴۸۷۔
3. صحیفہ امام،ج۱۱،ص۹۸۔

مقصد شناسی کی بحث میں حضرت امام خمینیؒ کے نظریات کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مقاصد کا جائزہ لیا جائے گا۔

ماحول شناسی کی بحث میں انقلاب شروع ہونے سے متعلق امام خمینیؒ کے نظریات بیان کئے جائیں گے۔

اسباب شناسی کی بحث میں انقلاب اسلامی کی کامیابی کے اسباب کا آپ کے خیالات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا۔

الف: مقصد شناسی

مبارزت کا پہلا قدم، ہدف و مقصد کا تعین ہے۔امام خمینیؒ نے اس سلسلہ میں اسلام کے علمی محتویٰ و اسلامی قوانین کی حاکمیت کی برقراری کو اپنی زندگی کا ہدف قرار دے رکھا تھا۔[1] اسلامی تحریک کی سیاسی و اعتقادی ماہیت کا پہلو[2] نظر و عمل کے اعتبار سے تحقیق کے قابل ہے، نظریاتی اعتبار سے الٰہی احکام کا احیاء[3] فرض کی ادائیگی، الٰہی امانت کے عنوان سے اسلام کی حفاظت، قرآن کا احیاء[4] اسلام کی حیات نو[5] اور عالمی پیمانہ پر اسلام کا موثر ہونا، حضرت امام خمینیؒ کے پیش نظر تھا، عملی اعتبار سے، الٰہی و قرآنی احکام کا اجراء[6] خدائی حکومت کی تشکیل تمام سیاسی و اعتقادی و سماجی ادارے کو اسلامی آئین کے تحت قرار دینا[7] اسلام کے آئین کی تدوین کے ذریعہ حقیقی اسلام کے نفاذ[8] جیسے مقاصد امام خمینیؒ کے مد نظر تھے تاکہ اسلامی احکام عالمی پیمانہ پر نافذ ہوں۔[9] آپ کی نگاہ میں اسلام کی داخلی و خارجی حاکمیت، انقلاب کا اصل ہدف ہے۔ حضرت امام خمینیؒ انقلاب کے عالمی پیمانہ پر اوج کیلئے قول و عمل کے ذریعہ حقیقی اسلام کی تبلیغ کو ہر فرد کا فرض تصور کرتے ہیں[10] اور اقوام عالم خصوصاً عالم اسلام کیلئے اسلامی انقلاب کا برآمد کیا جانا اسی مفہوم کا حامل ہے۔[11] آپ عالمی

---

1. صحیفہ امام، ج ۱۳، ص ۲۴۷؛ ج ۸، ص ۵۰۔
2. صحیفہ امام، ج ۱۵، ص ۴۷۔
3. ایضاً، ج ۱۳، ص ۲۸۔
4. ایضاً، ج ۶، ص ۲۷۔
5. ایضاً، ج ۱۷، ص ۶۴۔
6. ایضاً، ج ۶، ص ۲۷۔
7. ایضاً، ج ۷، ص ۲۷۔
8. ایضاً، ج ۸، ص ۲۵۵۔
9. ایضاً، ج ۶، ص ۲۲۔
10. ایضاً، ج ۱۵، ص ۲۰۰۔
11. ایضاً، ج ۶، ص ۴۸۔

اسلامی انقلاب کیلئے مسلمانوں کے اتحاد و مستضعفین کی حزب کی تشکیل[1] اسلام و بشریت کے دشمنوں کی نابودی اور دنیا میں صلح وصفا کی برقراری کو ضروری سمجھتے ہیں تاکہ عالمی اسلامی حکومت کی تشکیل ہو سکے۔ آپ کا یہ عالی و بلند ہدف یعنی الٰہی و اسلامی احکام کی حاکمیت کے علاوہ دوسرے اہداف جیسے عدالت پسندی، خود مختاری، حریت پسندی، اخلاق معنویت اور بشری سعادت کا حصول بھی انقلاب کے پیش نظر تھا، ان کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ عدالت پسندی

حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں اسلامی انقلاب ایران کا ایک ہدف عدالت کی برقراری ہے۔[2]

فردی و اجتماعی عدالت کی ترویج، ظلم وجور کی روک تھام[3] عدالت کے معیار پر قانون کا اجراء اور قانونی حکومت کی تشکیل عدالت پسندی کے مصادیق ہیں۔ آپ کی نظر میں سماجی و اقتصادی عدالت کا اجراء مستضعفین کے حقوق کی حفاظت امام عصر (ع) کی عالمی حکومت کا راستہ فراہم کیا جانا ہے۔[4] مستضعفین کی حمایت غرباء وضعفاء کی خدمت، ظالموں کے پنجہ سے ان کی نجات اور طبقاتی فاصلے وفقر کا خاتمہ، عدالت پسندی کے مصادیق ہیں۔ آپ عدالت کے قیام کا نتیجہ مستضعفین کا اپنے حقوق تک رسائی کو سمجھتے ہیں۔[5]

۲۔ خود مختاری

حضرت امام خمینیؒ کی نگاہ میں خود مختاری کے دو پہلو، سلبی اور ایجابی ہیں۔ سلبی خود مختاری اور ایجابی خود مختاری، سلبی خود مختاری یعنی استعمار جدائی، جو نہ مشرقی و نہ مغربی کے مفہوم کو پیش کرتی ہے۔[6] آپ اسلامی انقلاب کے اہداف میں سے ایک مسلمانوں کی مملکت سے اغیار کے اثر ورسوخ کے خاتمے[7] وابستگی اور تسلط پسندی کی بیخ کنی، استعمار کے مقابل ضعف و سستی وذلت کا شکار نہ

---

1. ایضاً، ج ۸، ص ۲۶۷ و ۲۷۶۔
2. ایضاً، ج ۶؟، ص ۱۸۷۔
3. صحیفہ امام، ج ۴، ص ۴۶۔
4. ایضاً، ج ۱۵، ص ۲۱۲۔
5. ایضاً، ج ۴، ص ۵۹ و ج ۶، ص ۸۰، ۲۰، ۱۷۔
6. ایضاً، ج ۱۷، ص ۶۳۔
7. ایضاً، ج ۶، ص ۱۷۷۔

ہونے، استثمار واستعمار کے مفادات ومطامع کو ختم کرنے کو سمجھتے ہیں۔ آپ کی نظر میں اسلامی انقلاب کی ماہیت سامراج مخالف ہے[1] جس کا ہدف سامراج اور امپریالزم کی وابستگی سے خارج ہونا اور بڑی طاقتوں کو شکست دینا ہے۔[2] آپ اس سلسلہ میں غیر ملکی ظالموں اور مجرموں کے اثر ورسوخ کو ختم کرنے، استعماری طاقتوں کو تنہا کرنے کی خاص تاکید فرماتے ہیں۔[3] ایجابی خود مختاری، آپ سیاسی، عسکری، ثقافتی، اقتصادی، فکری میدان میں ملک کے آزاد وصاحب ارادہ ہونے کو ایجابی خود مختاری سے تعبیر کرتے ہیں۔[4] آپ ملک کا انتظام اس کے ماہرین اور وطن پرست افراد کے حوالے کرنے، ہر زاویہ سے خود کفیل ہونے، ملک کے ذخائر کو عوام سے مختص کرنے، تعلیمی مراکز میں صحیح وسالم ماحول ہونے کو خود مختاری کیلئے ضروری ولازمی شرط جانتے ہیں۔

۳۔ حریت پسندی

حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں اسلامی انقلاب کا ایک ہدف، حریت پسندی ہے، اس کا بھی دو زاویوں سے جائزہ لیا جانا چاہیے۔ منفی آزادی اور مثبت آزادی۔ آزادی منفی یعنی ظلم وجور، استبداد وگھٹن کے ماحول سے رہائی حاصل کرنا۔ مثبت آزادی یعنی آزادی کو مستحکم کرنے والے اداروں کا قیام تاکہ عوام اپنی سیاسی تقدیر کے تعین کیلئے شرکت کریں، منفی آزادی کے سلسلہ میں استبداد مخالف ماہیت ظلم ستیزی تحریک[5] ستمگر وظالم حکومت سے مقابلہ پٹھو حکومت کے عمال کی مخالفت[6] گھٹن طاغوتی وشہنشاہی نظام کی بیخ کنی[7] کو منفی آزادی کے مصادیق میں جانتے تھے۔ جیسے داخلی استبداد سے آزادی اور ستمگروں کے ظلم سے نجات۔[8]

---

1. ایضاً، ج۱۵، ص۴۷۔
2. ایضاً، ج۱۳، ص۱۹۷۔
3. ایضاً، ج۱۵، ص۲۱۲۔
4. صحیفہ امام، ج۴، ص۸۷ وج۸، ص۱۱۶۔
5. ایضاً، ج۱۵، ص۴۷۔
6. ایضاً، ج۴، ص۱۷۔
7. ایضاً، ج۴، ص۶۔
8. ایضاً، ج۱۳، ص۱۲۷۔

مثبت آزادی یعنی حریت پسندی کی فکر کا احیائ، بردگی وبندگی سے مبارزت، سیاسی امور میں اظہار نظر کی آزادی، عوامی حکومت کی تشکیل، اقتصادی، سیاسی، سماجی، ثقافتی امور میں اصلاح کیلئے عمومی شرکت عقل وعدل کے معیار پر معاشرہ ونسل جوان کی آزادی[1] قانون کے مطابق مذہبی اقلیت کی آزادی[2] اور انصاف کی پابندی۔ یہ آپ کی نگاہ میں مثبت آزادی کے مصادیق ہیں۔

۴۔ اخلاقی معنویت وبشری سعادت کا حصول

حضرت امام خمینیؒ نے اسلامی انقلاب ایک اہم مقصد کے طور پر معنویت کی تاکید کی۔ آپ کی نگاہ میں اخلاق واسلامی آداب کی ترویج[3] انسانوں کی تربیت، آئندہ نسل کی تربیت، ثقافتی اصلاح[4] اسلامی وانسانی اقدار کی ترویج اور نفسانی قید سے انسان کی آزادی اسلامی انقلاب کے مقاصد ہیں۔[5] آپ معتقد ہیں کہ انقلاب اسلامی کا معنوی ہدف، فحشاء وجنسی بے راہ روی اور دفتری بدعنوانیوں کا مقابلہ[6] طرح طرح کی لغزشوں سے بچاؤ ہے۔[7] آپ معاشرے کو تباہی وفساد سے بچانے کے علاوہ اسے عقل وعدل وانصاف اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ آپ بت پرستی سے دوری، وحدانیت پرستی، جاہلی اصولوں سے جنگ[8] سعادت بشری کی ضمانت[9] سب کیلئے رفاہ[10] آسائش، عوام کیلئے بہتر معیار زندگی اور شرافت وانسانیت کے اصولوں پر امن کی برقراری اسلامی تحریک کے اہداف قرار دیتے ہیں۔

---

1. ایضاً، ج۴، ص۶۔
2. ایضاً، ج۸، ص۱۷۲ و ج۶، ص۱۶۲۔
3. صحیفہ امام، ج۱۳، ص۲۶۱۔
4. ایضاً، ج۶، ص۱۶۲۔
5. ایضاً، ج۱۸، ص۳۲۔
6. ایضاً، ج۴، ص۸۵، ۱۱۶۔
7. ایضاً، ج۱۶، ص۲۶۴۔
8. ایضاً، ج۵، ص۲۹۔
9. ایضاً، ج۶، ص۱۴۔
10. ایضاً، ج۶، ص۲۲۔

ب۔ماحول شناسی

حضرت امام خمینیؒ انقلاب کے آغاز و ظہور کے علل و عوامل کے تجزیہ کے ضمن میں معتقد ہیں کہ شاہ ایران کی پالیسیوں نے اس کے نظام کے جواز کو ختم کر دیا تھا اور یہی انقلاب کے قیام کا سبب بنا۔ آپ انقلاب کا اصل سبب شاہ اور اس کے حاکم نظام کو سمجھتے ہیں۔ آپ کی نظر میں پہلوی حکومت کا عمل اور اس کے پر فریب پروپیگنڈے اور حربوں نے انقلاب کا راستہ ہموار کیا۔ جیسے اسلام پسندی کا اظہار، عوام کی حمایت کا اعلان، علماء سے اتفاق و مفاہمت کا بے بنیاد پروپیگنڈہ اور بعض عالم نما افراد سے استفادہ کرتے ہوئے نظام کے جواز کے اثبات کی کوشش، اسی بنا پر عوام پر واضح ہو گیا کہ شاہ غیر اسلامی و غیر ملکی پالیسیوں پر عمل پیرا ہے۔ لہذا شاہ اور حاکم نظام کا جواز خطرے کا شکار ہو گیا۔ اس سلسلہ میں امام خمینیؒ شاہ کی اسلام مخالف پالیسی، گھٹن، ظلم و ستم، معاشرے کی آزادی، حقوق کی پامالی، اغیار سے وابستگی، اخلاقی، دفتری و مالی بد عنوانی، پہلوی حکومت کی ماہیت کو افشا کرنے والے حوادث کے وقوع کو انقلاب کے کے اسباب سمجھتے ہیں۔

ا۔ شاہ کی اسلام مخالف پالیسی

شاہ کی اسلام مخالف پالیسی جو قیام انقلاب کا اصل سبب قرار پائی۔ اس سلسلہ میں امام خمینیؒ کا عقیدہ یہ ہے کہ شاہ کی کوشش یہ تھی کہ اسلام کو اس کے محتویٰ سے عاری کر دیا جائے۔[1] وہ عوام اور اسلامی معاشرے کے نزدیک علماء تشیع کے مقام و منزلت کو کمزور کرنا چاہتا تھا۔ اسلامی احکام کے نفاذ کیلئے علماء اور عوام کے مطالبے سے شاہ کی مخالفت، ایران میں اسلامی تحریک کی سبب بنی۔[2] شاہ کی اسلام مخالف پالیسی کے سلسلے میں امام کا عقیدہ یہ ہے کہ پہلوی حکومت دین اسلام کو معاشرے کیلئے افیون بتاتی تھی وہ اسلامی حکومت کو استبدادی اور ڈکٹیٹر حکومت کے طور پر پیش کرتی تھی اور ان افکار کے ذریعہ معاشرے میں اسلام کو الگ تھلک کرنا چاہتی تھی۔ وہ اسلام کو نامعقول بتاتی کہ اسلام عصر حاضر میں حکومت کرنے کے قابل نہیں ہے؛ الغرض، پہلوی حکومت اسلامی انقلاب کی کمزوری کے ذریعہ اسلام کو ضرب لگانا چاہتی تھی۔[3]

---

1. صحیفہ امام، ج۱۷، ص۱۹۴۔
2. ایضاً، ج۱۵، ص۱۳۷۔
3. ایضاً، ج۱۶، ص۱۰ و ج۱۷، ص۲۹۔

شاہ کی اسلام مخالف پالیسی جیسے دین وسیاست کو ایک دوسرے سے جدا ظاہر کرنا، ایرانی عوام خصوصاً نوجوانوں کو دین ومذہب کے سیدھے راستے سے الگ کرنا[1] اسلامی اصولوں کا پامالی، اسلام سے منحرف ہونا، ایسے اسباب تھے جن سے ایرانی معاشرے کو یقین ہو گیا تھا کہ شاہ ان کے اعتقاد ومذہب سے کھیل رہا ہے۔[2] لہذا وہ اسلامی اقدار کی ترویج اور گم شدہ اسلامی وانسانی تشخص کی بازیابی کے شرعی فرض کی ادائیگی کیلئے میدان میں آگئے تاکہ احکام اسلامی کو حیات نو عطا کریں، وہ اپنے قیام کے ذریعہ اسلامی اطاعت وفرمانبرداری کا اعلان کر رہے تھے۔ دوسرے طرف اسلام کی مخالفت شاہ کی پالیسی کا مظہر تھا، وہ اپنی اسلام دشمنی کی پالیسی کو آگے بڑھاتے ہوئے اسلامی مراکز پر حملہ کرتا، علماء تشیع کو مزید کمزور کرنے کیلئے ان کے بارے میں رجعت پسند کمیونزم سے وابستہ قدامت پسند اور مفت خور جیسے الفاظ استعمال کرتا شاہ کی پوری کوشش تھی کہ علما اور عوام خصوصاً دانشوروں کے درمیان فاصلہ پیدا ہو جائے لیکن اسلامی معاشرے کی بیداری اور ایرانی عوام کی ہوشیاری سے اس کی مذموم حرکتیں اثر انداز نہ ہو سکیں اور علما اپنے تمام وقار وعظمت کے ساتھ مرد میدان بنے رہے۔

۲۔ پہلوی حکومت کا ظلم وستم اور اختناق

ظلم وستم گھٹن کا ماحول پیدا کرنا، امتیازی سلوک اور سرکوبی شاہ کی پالیسی کے اہم ارکان ہیں۔ حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ انقلاب کے آغاز وقیام کی ایک علت شاہ کا ظلم وستم اور ڈرانے دھمکانے والی پالیسی تھی وہ پہلوی نظام کے مخالفین کو عسکری طاقت سے استفادہ کرتے ہوئے، رعب ووحشت[3] گھٹن، دباؤ[4] اور طرح طرح کے ظلم وستم کا شکار قرار دیتا تھا جس سے عوام کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تھا۔ ایرانی معاشرے نے ظلم وغارت، گھروں کے انہدام، ناموس کی بے حرمتی، مخالفین نظام ومظاہرین کے قتل سے عاجز آ کر اسلامی حرکت کا آغاز کیا۔[5]

---

1. ایضاً، ج ۱۷، ص ۱۹۴۔
2. ایضاً، ج ۱۹، ص ۲۶۶۔
3. صحیفہ امام، ج ۱۹، ص ۲۶۔
4. ایضاً، ج ۱۲، ص ۲۵۸ وج ۱۵، ص ۱۸۲۔
5. ایضاً، ج ۱۵، ص ۱۸۲۔

حضرت امام خمینیؒ فرانسیسی اخبار لوموندٹ سے انٹرویو میں شاہ کے خلاف ایرانی عوام کے غم وغصہ کے شعلہ ور ہونے کی علت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: کمر شکن ٹیکس، اقتصادی وطبقاتی اختلاف[1] ثقافتی وسماجی مشکلات[2] عوام کے مال وجان کا عدم تحفظ[3] امتیازی سلوک ومحرومیت جیسے اسباب شاہ کے خلاف عوام کے قیام کا باعث بنے۔

۳۔ معاشرے کی آزادی وحقوق کی پامالی

حضرت امام خمینیؒ عوام کی آزادی وحقوق کی پامالی کو شاہ کے حکومتی ڈھانچے سے مرتبط سمجھتے ہیں۔ شاہ کی حکومت، یک حزبی قدرت طلب واستبدادی تھی لہذا پارلیمنٹ میں عوامی شرکت کا نہ ہونا[4] حکومت کا عوام کے مطالبے وعقائد کو اہمیت نہ دینا[5] مذہبی ومعاشرتی اصولوں وحیثیت کا تحفظ نہ کرنا، یہ وہ اسباب تھے جن کی بناپر عوام نے شاہ کی مخالفت کی۔

حضرت امام خمینیؒ اس سلسلہ میں معتقد ہیں کہ عوام کے سیاسی شعور میں اضافے[6] عام معاشرہ کی بیداری، سیاسی شعور کا بلند ہونے[7] آزادی وجائز حقوق کے فقدان سے عمومی ناراضگی، شاہ کے حکومتی ڈھانچے کی عوامی مقبولیت سے محرومی سیاسی شرکت وآزادی کی پامالی کی بناپر عوام نے اسلامی وانقلابی تحریک کا آغاز کیا ہے تاکہ اپنی شرعی آزادی وحقوق حاصل کرسکیں۔

۴۔ اغیار سے وابستگی

حضرت امام خمینیؒ پہلوی حکومت کی سرنگونی کی علت، عوام کی قدرت وتوانائی پر اعتماد نہ کرنے کے بجائے اغیار سے وابستگی کو

---

1. ایضاً، ج ۸، ص ۹۵۔
2. ایضاً، ج ۲، ص ۴۶۔
3. ایضاً، ج ۲، ص ۲۵۲۔
4. صحیفہ امام، ج ۱۲، ص ۱۱۱۔
5. ایضاً، ج ۱۱، ص ۱۹۰۔
6. ایضاً، ج ۱۶، ص ۱۹۸۔
7. ایضاً، ج ۸، ص ۳۰ و ج ۱۱، ص ۸۸۔

جانتے ہیں[1] اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسلامی قیام وانقلاب کا سبب ثقافتی، اقتصادی، عسکری اور سیاسی وابستگی ہے۔[2] حکومت کے ارکان کی استعماریت سے وابستگی اور طاقت پر بھروسہ نہ کرنے کی بناپر[3] اغیار، ایران کے داخلی امور میں وسیع پیمانہ پر مداخلت کرتے تھے۔ شاہ اغیار پر اعتماد کرنے کی بناپر عوامی حمایت اور نظام کے جواز کو ختم کرچکا تھا۔ ملک اقتصادی، مالی واخلاقی انحطاط کا شکار تھا، انسانی ومادی سرمایہ نابود ہو رہا تھا، مملکت کا خزانہ تاراج واستثمار کیا جارہا تھا۔ اقتصادی، سماجی، ثقافتی صورتحال کی بدحالی نے اسباب فراہم کئے کہ سیاسی واقتصادی خودمختاری کیلئے اقدام کیا جائے تاکہ اغیار سے وابستگی ختم ہو جائے۔

۵۔ **اخلاقی، اداری ومالی فساد کی ترویج**

حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں شاہ کا ظلم وستم اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ وہ اسلامی مملکت کی ثقافت کو مغرب کے فحش کلچر، فساد وفحشا کے مراکز[4] یونیورسٹی میں انحرافی تعلیمات عوام ونوجوانوں کو منشیات کے ذریعہ انحطاط وپستی کی طرف لے جارہا تھا[5] لہٰذا ایران کے مسلمان عوام کا یہ شرعی فرض تھا کہ ظلم کے مقابل قیام کریں خواہ غالب ہوں یا قتل ہو جائیں۔[6] حضرت امام خمینیؒ عوام کو خواب غفلت سے بیدار اور قیام کیلئے آمادہ کرنے کی سعی وکوشش فرماتے تھے۔ معاشرے میں ثقافتی وفکری تبدیلی[7] اور عوام کی خوداعتمادی نیز ان کے عقیدتی وسیاسی شعور نے ایک درونی انقلاب برپا کردیا جس کی بناپر ایرانی عوام نے انسانی واسلامی اقدار کی ترویج کیلئے قیام کیا جو انقلاب کی کامیابی پر منتج ہوا۔[8]

٦۔ **پہلوی حکومت کی ماہیت کو افشا کرنے والے حوادث وواقعات**

حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں قیام وانقلاب کے علل واسباب دو طرح کے ہیں:

---

1. ایضاً، ج۷، ص۵۔
2. ایضاً، ج۱۵، ص۱۸۲۔
3. ایضاً، ج۱۵، ص۱۳۰ وج۱، ص۱۳۰ وج۱۱، ص۱۹۰ وج۷، ص۵و۶۔
4. صحیفہ امام، ج۱۵، ص۵۴۔
5. ایضاً، ج۱۷، ص۱۹۴۔
6. ایضاً، ج۱۳، ص۳۲۔
7. ایضاً، ج۸، ص۱۵ وج۱۹، ص۱۵۱۔
8. ایضاً، ج۱۹، ص۲۶۹۔

۱۔ خطی ۲۔دوری

آپ معتقد ہیں کہ انقلاب کے قیام کی علت ایک زاویہ سے خطی ہے، کیونکہ اسلامی تحریک تعلق گزشتہ سے ہے اور رفتہ رفتہ اس کی تشکیل ہوئی ہے۔ دوری ہے یعنی بعض حوادث و وقائع سبب ہوئے کہ انقلاب اسلامی سریع ظہور کرے اور کامیابی سے ہمکنار ہو۔ انقلاب اسلامی کے خطی ہونے کے سلسلے میں آپ معتقد ہیں کہ اس انقلاب کے اسباب، تحریک تمباکو اور آئینی تحریک ہیں۔ اس اعتبار سے کہ ان تحریکوں سے علماء اور مذہب کی قدرت اور عوام کے نزدیک ان کی مقبولیت آشکار ہوگئی، بعض دوسری تحریکوں جیسے ۱۵ خرداد (۵ جون) کے قیام[1] کو اس اسلامی و علماء کی تحریک کا آغاز تصور کرتے ہیں۔ یہ تحریک تاریخی اعتبار سے ایک اہم موڑ ہے اس میں علمانے منظم سیاسی فعالیت کا آغاز کرتے ہوئے اپنے کولیس کیا اور عوامی تربیت پر بھی خاص توجہ دی۔[2] حضرت امام خمینیؒ انقلاب کے خطی ہونے کی علت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک صدی کی طولانی مدت میں ایرانی عوام نے بارہا احکام اسلامی کی ترویج واجراء کیلئے اسلامی حکومت تشکیل دینے کی کوشش کی لیکن فراوان رنج ومشکلات برداشت کرنے کے باوجود کامیاب نہ ہوسکے تھے۔ ایران کی اسلامی تحریک کے مقابل استعماریت اسلام کی اساس وبنیاد کو تدریجاً ختم کرنے کیلئے منظم پالیسی پر عمل پیرا تھی جو شاہ ایران کی اسلام مخالف پالیسی بھی اسی کی ایک کڑی تھی وہ انقلاب اسلامی کی کامیابی کا امکان ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے دور حکومت میں اجتماعی عدالت کا عمیق مفہوم اور اسلام وقرآن کا مقدس نام، کھوکھلے الفاظ و معنی میں تبدیل ہوچکا تھا۔ لہذا ایرانی مسلمان عوام کا دین ومذہب کی بقا اور دینی واخروی بھلائیوں کیلئے اسلامی حکومت کی تشکیل ضروری ہوگئی تھی۔[3] قیام کے دوری علل واسباب کے سلسلہ میں حضرت امام خمینیؒ کا عقیدہ یہ تھا کہ سبق آموز حوادث اور وقائع دوری اسباب ہیں جیسے ۱۷ شہریور ۱۳۵۷ھ ش (۸ ستمبر ۱۹۷۸ء) کا عظیم واقعہ جس سے پہلوی حکومت کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہوا نیز شاہ کی ظالمانہ وفریب کارانہ ماہیت آشکار ہونے کی بناپر ایرانی عوام کی آگاہی میں مزید اضافہ ہوا جس نے انقلاب اسلامی کے قیام کو وسعت اور سرعت عطا کی۔[4]

1. صحیفہ امام، ج۷، ص۵۰۔
2. ایضاً، ج۱۲، ص۱۵۳۔
3. ایضاً، ج۱، ص۱۳۳، ۹۷، ۹۵، ۹۲، ۸۱، ۷۶، ۵۸، ۴۱، ۴۳، ۶، ۱۔
4. ایضاً، ج۱۵، ص۱۳۷۔

ج۔اسباب شناسی

حضرت امام خمینیؒ کی نگاہ میں انقلاب اسلامی کی کامیابی کے علل واسباب پر دو زاویوں سے بحث کی جانی چاہیے:

ا۔منابع و سر چشمے ۲۔فکر و عقیدے

ا۔انقلاب اسلامی کے طاقت کے منابع و سر چشمے جن کی بناپر انقلاب زمانے کی قوی ترین طاقت پر کامیاب ہوا۔

۲۔انقلاب اسلامی کا فکری پہلو جس پر تکیہ کرتے ہوئے انقلاب کامیاب وکامران ہوا۔

ا۔ انقلاب اسلامی کی طاقت کے منابع وسر چشمے

حقیقت پسندی کے سیاسی مکتب فکر کی بناپر تحریک کے منابع قدرت اور حکومت وقت کے ایک دوسرے سے مقابلہ میں انقلاب اس وقت کامیاب ہوتا ہے جب انقلابی منابع قدرت واقتدار حکومت وقت پر فائق آجائیں۔انقلابی تحریک کے منابع قدرت وسر چشمہ کے سلسلہ میں حضرت امام خمینیؒ معاشرے کی تین طبقات کی تاکید کرتے ہیں:

ا۔راہنما ۲۔نیم منظم طبقہ ۳۔عوام

ا۔ا۔ راہنما

حضرت امام خمینیؒ علماء کو انقلابی تحریک کے راہنما جانتے ہیں۔آپ اس طبقے کو پیش قدم، مصلح اور عوام کی ہدایت میں بنیادی کردار ادا کرنے والا طبقہ سمجھتے ہیں۔[1] یہ علماء قائد اور عوام کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں اور مبارزت اور عوام کی ہدایت و بیداری کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔علماء کے معنوی قدرت وروحانی خصوصیت کے حامل ہونے کی وجہ سے عوام ان کی اطاعت کرتے ہیں[2] چونکہ یہ طبقہ مجاہدین کی صف اول میں ہوتا ہے اور مظہر اسلام تصور کیا جاتا ہے۔لہذا حضرت امام خمینیؒ نے اس طبقے کو نصیحت کی ہے۔[3]

---

1. صحیفہ امام، ج۱۶، ص۳۶۔
2. ایضاً، ج۸، ص۲۳۵ وج۱۱، ص۱۲۸۔
3. صحیفہ امام، ج۴، ص۱۰۔

۱۔۱۔۱۔ علماء کے اندر روحی تبدیلی کی ضرورت

حضرت امام خمینیؒ کا نظریہ ہے کہ علماء کو سماج و معاشرے میں تبدیلی سے قبل اپنے اندر روحی و انسانی تبدیلی پیدا کرنی چاہیے تاکہ یہ درونی انقلاب عوام میں تبدیلی کا سبب قرار پائے اور نتیجتاً بیرونی انقلاب کا باعث بنے۔ آپ اس تحریک کو دائمی سمجھتے ہیں جو علماء کی درونی تبدیلی اور عوام کی انسانی فطرت سے وجود میں آئی ہو۔

۲۔۱۔۱۔ علماء کیلئے ایک مرکز کی ضرورت

حضرت امام خمینیؒ انقلاب کے میدانوں اور مساجد میں علماء کی شرکت کی تاکید فرماتے تھے، کیونکہ مساجد عرفان و توحید کا مرکز اور اسلام و انقلاب کی چھاؤنیاں ہیں۔ آپ معتقد تھے کہ ان مراکز میں علماء کی تقاریر خطابت و موعظہ کفار و مومنین کے درمیان جنگ کا جلوہ ہیں، نیز اس صنف کی سیاست میں شرکت عوام کی بیداری کا بہترین سبب ہے جس کا نتیجہ انقلاب کی کامیابی ہے۔[1]

۳۔۱۔۱۔ راہنما طبقے کے کردار کی اہمیت

حضرت امام خمینیؒ اپنے زیادہ کردار کی اہمیت کو مد نظر رکھتے تھے۔ آپ معتقد تھے کہ قائد ایک فرد کے عنوان سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا تعلق راہنما طبقے سے ہو اور اس طبقے کے نمائندے کی حیثیت سے قیام کرے۔ آپ ہمیشہ اپنی تقریر میں کہا کرتے تھے کہ انقلاب کسی خاص فرد یا شخصیت پر منحصر نہیں ہے۔ لہذا آپ فرماتے ہیں: اگر میں نہ رہوں تو کیا ہے خود عوام تو ہیں۔[2] آپ کا جملہ اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ آپ تحریک کو ایک فرد و شخصیت سے وابستہ نہیں بلکہ تمام عوام سے منسلک سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ علماء کو قیادت کا پشت پناہ اور تحریک کا اہم رکن تصور کرتے ہیں، کیونکہ یہ طبقہ ہمہ گیر اور وسیع مذہبی تبلیغ کے ذریعہ سماج، سیاست و مذہب کے ارتقا میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے اور مساجد جیسے مراکز سے استفادہ کرتے ہوئے بھرپور تحریک کو وجود میں لا سکتا ہے۔[3]

---

1. ایضاً، ج۱۹، ص۲۲۹ و ج۱۹، ص۹۳ و ۹۴ و ج۱۷، ص۶۱۔
2. ایضاً، ج۱۳، ص۳۸۔
3. صحیفہ امام، ج۴، ص۷۴۔

۲۔۱۔ نیم منظم طبقہ

بعض طبقات کہ جن کی باہمی ہم خیالی اور ایک جیسا کام ہونے کی وجہ سے عوام کی نسبت آپس میں زیادہ گہرا تعلق اور زیادہ یکجہتی پائی جاتی ہے وہ امام خمینیؒ کی نظر میں معاشرے میں انقلاب و اسلامی تحریک کے قوی اور مستحکم ہونے نیز شاہ کے غیر اسلامی عمل کو آشکار کرنے میں اہم رول ادا کر سکتے تھے۔ آپ اسٹوڈنٹس، اساتذہ، کاروباری افراد اور تجار کے کردار پر زور دیتے تھے۔[1] آپ

۱۔

۲۔

۳۔ ۴۔ایضاً، ج ۱۷، ص ۱۶۹۔

کی نگاہ میں یہ طبقات کالجوں، یونیورسٹیوں اور بازاروں میں ہڑتالوں اور مظاہروں کے ذریعہ شاہ پر کاری اقتصادی و سیاسی ضرب لگا سکتے تھے۔[2]

آپ ان نیم منظم طبقات کو متوسط طبقات اور انقلاب، اسلام اور جمہوری اسلامی کے معتقدین کے زمرہ میں قرار دیتے تھے۔[3]

۳۔۱۔ عوام

حضرت امام خمینیؒ عوام کے اس طبقے کو جو منظم نہیں تھا اور جس کا تعلق تھرڈ کلاس سے تھا، مستضعفین کے نام سے یاد کرتے تھے۔ آپ کی نگاہ میں اس طبقے نے انقلاب کی کامیابی میں سب سے زیادہ کردار ادا کیا، حالانکہ امام انقلاب کو کسی خاص طبقے کا مرہون منت نہیں سمجھتے ہیں[4] مگر مستضعفین کو جو فقرا و محرومین[5] اور تیسرے درجے کا طبقہ ہے، صاحبان انقلاب سے یاد کرتے ہیں۔[6] یہ طبقہ

---

1. ایضاً، ج ۴، ص ۱۰۔
2. ایضاً، ج ۱۵، ص ۸۵۔
3. ایضاً، ج ۱۴، ص ۲۳۰۔
4. صحیفہ امام، ج ۱۷، ص ۲۶۴۔
5. ایضاً، ج ۱۵، ص ۹۱۔
6. ایضاً، ج ۶، ص ۱۸۴۔

ہمیشہ علماء، اولیاء خدا وانبیاء (ع) کا پیروکار رہا ہے۔اس کا شمار حزب اللہ میں ہوتا ہے۔[1] آپ کی نظر میں اونچے طبقے نے انقلاب کی کامیابی میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔انقلاب کا منبع وسرچشمہ محروم ومستضعفین کا طبقہ رہا ہے۔[2]

خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے انقلابی تحریک کو آگے بڑھاتے رہے ہیں[3] اوراس کی کامیابی میں ان کا اہم کردار ہے۔آپ عوام کے باہمی اتحاد اوران کی وسیع شرکت کے خواہاں تھے۔[4] آپ اتحاد اتفاق آراء ونظریات، اعتصام بہ حبل اللہ[5] کو طاغوت کی شکست کیلئے اہم اور ضروری سمجھتے تھے۔[6]

آپ معتقد ہیں کہ تمام اقوام کا اتحاد وہم آہنگی تحریک کی کامیابی کا اہم سبب ہے[7] اسی طرح تمام عسکری وانتظامی طاقتوں وعوام کا اتحاد تحریک[8] انقلاب کی کامیابی وبقاء کا ضامن ہے۔

۲۔ انقلاب اسلامی کی کامیابی کا ذہنی پہلو

حضرت امام خمینیؒ کے نزدیک خدا پر ایمان، غیبی والٰہی توفیق کی بدولت عوام کی ذہنیت بدلی۔آپ اسلام والٰہی مقصد پر عوام کی توجہ کو انقلاب اسلامی کی کامیابی کا راز جانتے تھے۔[9]

ا۔۲۔ایمان اور معنویت (اپنے سے جدا ہو کر خدا سے ملحق ہونا)

حضرت امام خمینیؒ خدا پر ایمان اور قدرت لایزال الٰہی پر تکیہ[10] کو تحریک کی معنوی طاقت سمجھتے تھے۔آپ معتقد تھے کہ

---

1. ایضاً، ج۱۴، ص۱۶۴۔
2. ایضاً، ج۱۹، ص۱۱۵۔
3. ایضاً، ج۶، ص۴۹۔
4. ایضاً، ج۸، ص۱۵۵۔
5. ایضاً، ج۱۱، ص۱۹۰۔
6. ایضاً، ج۱۵، ص۱۷۴۔
7. ایضاً، ج۱۵، ص۱۰۷۔
8. ایضاً، ج۸، ص۷۲۔
9. ایضاً، ج۱۷، ص۴۰۴وج۱۹، ص۳۔
10. صحیفہ امام، ج۱۲، ص۶۸۔

ایرانی عوام کی طاقت کا سرچشمہ خدا پر توکل ہے۔[1] اس کا قیام خدا کیلئے ہے اور الٰہی نصرت پر توکل کرتے ہوئے خدا کے لطف وعنایت کا تحفظ تمام کامیابی کا سرچشمہ ہے۔[2] لہذا امام خمینیؒ لایزال قدرت الٰہی وذات مقدس حق پر توکل[3] نفسانیت سے الوہیت اور دنیا سے آخرت کی طرف ہجرت[4] اور اپنے سے جدا ہو کر خدا سے ملحق ہونے[5] کو تحریک کی کامیابی کا راز جانتے تھے۔ آپ یقین رکھتے تھے کہ کامیابی تلوار کے ذریعہ نہیں بلکہ طاقت ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن واسلام کی برکت اور خداوند عالم کی قدرت پر عوام کے یقین سے تحریک کی معنویت اجاگر ہوتی ہے۔ آپ آیت {إِنْ تَنْصُرُ اللهَ يَنْصُرْكُمْ} کی تفسیر بیان کرتے ہوئے انقلاب اسلامی کی کامیابی کو خدا کا عطیہ اور الٰہی ہدیہ قرار دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے: کس نے انہیں تم سے منصرف کردیا، کس نے ان کے دلوں میں خوف وہراس ڈال دیا؟ تمہارے پاس قدرت وطاقت نہ تھی کہ انہیں خوفزدہ کرتے، ہماری کامیابی خدا کی دین ہے۔[6] اس کا عطیہ ہے، ایک غیبی والٰہی طاقت نے ہمارے معاشرے کو بدبختی، سستی وبے خبری سے نجات دی ہے۔[7] آپ کی نگاہ میں انقلاب اسلامی کی ذہنیت اسلامی ہونا اور دوسروں کو اسلامی کرنا، نیز کمال مطلق ذات سے عشق ہے۔

۲۔۲۔ ملت وعوام کا روحانی وفکری ارتقا

حضرت امام خمینیؒ عوام کے دوری انقلاب[8] نیز ان کے باطنی ارتقا خدا کی عنایت کے نتیجے میں[9] ملت کے درمیان پیدا ہونے والے تعاون کے جذبے کو[10] انقلاب کی کامیابی کا سبب سمجھتے تھے۔ آپ معاشرے کے اس ثقافتی، فکری اور معنوی ارتقا[11] کو خوف وترس کے بت شکستہ ہونے[12] کامیابی پر اطمینان وامید اور ابلیس کی طرف سے یاس وناامیدی کے اثر انداز نہ ہو سکنے کا مرہون منت

---

1. ایضاً، ج۱۷، ص۱۴۴۔
2. ایضاً، ج۱۱، ص۲۷۔
3. ایضاً، ج۱۱، ص۳۷۔
4. ایضاً۔
5. ایضاً، ج۶، ص۴۹۔
6. ایضاً، ج۲، ص۱۶۔
7. ایضاً، ج۱۱، ص۸۸۔
8. ایضاً، ج۱۹، ص۲۷۰۔
9. ایضاً، ج۶، ص۲۹۔
10. ایضاً، ج۹، ص۱۹۔
11. صحیفہ امام، ج۶، ص۲۵۲۔
12. ایضاً، ج۸، ص۹۵ وج۶، ص۳۳۔

جانتے۔ عوام کے قیام کو شرعی فرض جانتے تھے[1] اور انہوں نے سپر طاقتوں اور ان کے ملکی و غیر ملکی پٹھوؤں کے سامنے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا[2] جس کی بناپر ان کا عظیم اور مضبوط ارادہ مزید قوی ہو گیا۔[3] حضرت امام خمینیؒ سپر پاور طاقتوں سے ہراس و خوفزدہ نہ ہونے کو معجزہ آمیز کامیابی جانتے تھے۔[4] امام کی نظر میں کیفی پیش رفت کثرت عددی سے زیادہ کارساز ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: تعداد سے خوفزدہ نہ ہوں، زیادہ تعداد کامیاب نہیں ہوتی ہے، بلکہ تعداد کے کام کی کیفیت ہے جو کامیاب ہوتی ہے۔[5] اس کیفی ارتقاء کے مظاہر عوام وجوانان کی بلند ہمت وعدم خوف، فداکاری وایثار، صبر و تحمل ہیں۔[6] آپ معتقد تھے کہ خودسازی و تزکیہ نفس، خدا پر ایمان و توکل، شخصی مفادات کو ترجیح نہ دینا، فداکاری کیلئے آمادگی[7] خود باوری، خود اعتمادی عناصر کو تقویت کر کے معاشرے کے افراد کے سیاسی وسماجی شعور کو بلند اور معنوی ظرفیت فراہم کیا جاسکتا ہے۔[8] آپ کی نظر میں شہادت، سعادت اور شجاعت کا اعتقاد توپ و ٹینک پر غلبہ حاصل کرنے کا راز ہے۔[9] لہذا عوام کا یہ فکری ارتقاء وادراک، طاغوت سے مبارزت کو جہاد فی سبیل اللہ تصور کرتا ہے جو بربریت پر تمدن اور باطل پر حق کی فتح ہے۔

امام خمینیؒ کے نظریات کی روشنی میں انقلاب کا جائزہ

ہم اس بحث میں بانی انقلاب اسلامی ایران حضرت امام خمینیؒ کے نظریات کے تناظر میں انقلاب کے اوصاف و خصوصیات نیز اس کی بقاء و شکست کے اسباب کا جائزہ لے رہے ہیں تاکہ اس وسیلہ سے انقلاب کی کامیابی کے بعد کے مسائل پر توجہ دی جائے۔

---

1. ایضاً، ج۱۳، ص۱۴۰۔
2. ایضاً، ج۱۳، ص۱۳۳۔
3. ایضاً، ج۱۵، ص۴۷۔
4. ایضاً، ج۱۹، ص۱۹۸۔
5. ایضاً، ج۱۷، ص۵۸۔
6. ایضاً، ج۱۶، ص۷۴۔
7. ایضاً، ج۱۱، ص۷۳۔
8. ایضاً، ج۱۹، ص۲۰۴۔
9. ایضاً، ج۱۹، ص۱۶۵ و ج۶، ص۹۲ و ج۶، ص۱۷، ۴۰ و ج۱۸، ص۲۷۸۔

الف۔ انقلاب اسلامی کی امتیازی خصوصیات

ایران کا شکوہ مند انقلاب اسلامی دوسرے انقلابات سے اکثر جہات میں امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ رہبر انقلاب کے فرمان کے مطابق، اسلامی انقلاب دوسرے تمام انقلابات سے ظہور، آغاز، کیفیت مبارزہ، انقلابی جذبہ اور قیام کے اعتبار سے مختلف ہے۔[1]

حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں یہ انقلاب تمام انقلابوں میں نمونہ ہے[2] یہ کم نظیر یا بے نظیر انقلاب ہے[3] منحصر بہ فرد انقلاب ہے[4] آپ کے زاویہ نگاہ سے انقلاب اسلامی کی امتیازی خصوصیات کے عنوان سے انقلاب کے معنوی پہلو اسلامی تحریک انقلاب کے بعد کامل آزادی، بنیادی و عمیق تغیر انقلاب کا پر امن ہونا، مشرق و مغرب کی نفی اور انقلاب کے جداگانہ تشخص معاشرے کے تمام طبقات کی شرکت اور حمایت کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ انقلاب کا اسلامی اور معنوی پہلو

امام خمینیؒ کے نزدیک ایران کا اسلامی انقلاب ایک پہلو کا حامل اور مادیات کی بنا پر نہ تھا، بلکہ یہ انقلاب چند جہات کا حامل تھا اور مادی و معنوی استعداد و صلاحیت کے شکوفہ ہونے کا سبب بنا۔ آپ انقلاب کی اعتقادی، ماہیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: انقلاب سیاسی یا نیم سیاسی نہیں ہے، بلکہ کامل اسلامی ہے۔[5] انقلاب اپنے محتویٰ اور ظاہر کے اعتبار سے اسلامی ہے جبکہ دوسرے تمام انقلابات کسی بھی لحاظ سے اسلامی نہیں ہیں، ہو سکتا ہے ظاہر میں اسلامی ہوں۔[6] آپ کی نگاہ میں ٹیکنالوجی و مادی ترقی کے دور میں صرف اسلامی انقلاب، مذہبی، اسلامی والٰہی پہلو کا حامل ہے۔[7] حضرت امام خمینیؒ عقیدہ و ایمان، معنویت، اسلامی والٰہی طرز کو انقلاب کے اسباب قرار دیتے ہوئے اسے اقدار کے انقلاب سے تعبیر کرتے ہیں[8] دوسرے لفظوں میں آپ اس کو انشراق نور سمجھتے ہیں کیونکہ یہ انقلاب خدا ایمان اور معنویت کیلئے تھا نیز اس کی بنیاد اسلامی عقائد پر تھی[9] آپ کی نگاہ میں تمام انقلابات مادی و دنیاوی امور کے

---

1. صحیفہ امام، ج ۸، ص ۷۔
2. ایضاً، ج ۱۰، ص ۴۹۔
3. ایضاً، ج ۱۵، ص ۸۵۔
4. ایضاً، ج ۱۵، ص ۱۱۸۔
5. صحیفہ امام، ج ۶، ص ۱۷۔
6. ایضاً، ج ۱۵، ص ۲۳۷۔
7. ایضاً، ج ۱۵، ص ۷۶۔
8. ایضاً، ج ۱۳، ص ۷۷ ۲ و ج ۱۴، ص ۲۶۴۔
9. ایضاً، ج ۶، ص ۷۶ و ج ۱۵، ص ۷۶۔

حصول کیلئے تھے لیکن اسلامی انقلاب بلند وعالی اہداف کا حامل ہے۔[1] آپ کی نگاہ میں تحریک کے آغاز ہی سے انقلاب کا ہدف وراستہ واضح تھا، انقلاب کے اہداف واضح ہونے سے اکثر عوام کا ساتھ قیام انقلاب میں مشہود تھا[2] کیونکہ قیام کی معنویت انقلاب کے تمام سیاسی اہداف کے حصول میں مانع نہ تھی، جیسے آزادی، عدالت، معاشرتی امتیازی سلوک کا خاتمہ، لہذاامام خمینیؒ ایران کے الٰہی واسلامی انقلاب کو اس کی اسلامی ماہیت کی بنا پر تمام انقلابات سے بہتر وبرتر جانتے ہیں۔[3] اس انقلاب نے اپنی فکری، عقیدتی واسلامی خصوصیات کی بناپر برآمد ہونے پر توجہ دی اور عالمی سیاست پر تاکید کی اور یہ انقلاب ایک عالمی انقلاب ہے۔[4]

۲۔انقلاب کے بعد مکمل آزادی کا حصول

حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں ہر انقلاب کے بعد آشفتہ حالی وجود میں آجاتی ہے اور نتیجتاً گھٹن کا ماحول پیدا ہوتا ہے[5] لیکن انقلاب اسلامی کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے دوسرے انقلابات کے برخلاف روزاول ہی سے تمام جماعتوں اخبارات وجرائد اور گروہوں کو سرگرمی کی اجازت دی[6] انقلاب کے بعد ایمرجنسی نافذ نہ کیا جانا[7] قتل عام وغارت گری کا بازار گرم نہ ہونا اخبارات شائع کرنے کی اجازت دیا جانا نیز اجتماعی پروگراموں سے منع نہ کیا جانا، افراد کو اور جماعتوں کا کالعدم نہ کیا جانا[8] نیز مذہبی اقلیت کا احترام وغیرہ تمام آزادی مطلق کے مظاہر ہیں۔[9] آپ کے نزدیک اسلامی انقلاب کے فوائد زیادہ اور نقصانات بہت کم تھے[10] اور اسی بات پر یقین رکھتے ہیں۔[11]

---

1. ایضاً، ج۷، ص۵۴، ۶۳۔
2. ایضاً، ج۱۶، ص۱۲۔
3. ایضاً، ج۱۰، ص۴۲ وج۱۳، ص۳۲۔
4. ایضاً، ج۱۷، ص۳۹، ۱۳۸۔
5. ایضاً، ج۱۱، ص۱۹۱۔
6. صحیفہ امام، ج۱۰، ص۶۸۔
7. ایضاً، ج۱۳، ص۱۸۔
8. ایضاً، ج۱۱، ص۱۰۷۔
9. ایضاً، ج۱۰، ص۱۰۷، ۱۰۸۔
10. ایضاً، ج۱۳، ص۱۸۱۔
11. ایضاً، ج۱۵، ص۸۵، ۱۹۶۔

۳۔بنیادی اور عمیق تغیر

اکثر انقلابات میں صرف اقتدار کی منتقلی ہوتی ہے۔ لیکن ایران کا اسلامی انقلاب اقتدار کے منتقل ہونے کے علاوہ افراد، اقدار اور معاشرے کے تمام زاویوں میں بنیادی و اساسی تغیر کا خواہاں تھا۔[1] ایران کی تحریک میں عوام، معاشرے کے تمام سیاسی، اقتصادی وثقافتی پہلوؤں میں اساسی تحول چاہتے تھے۔ انقلاب کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے معاشرے کے تمام پہلوؤں اور افراد میں معنوی، فکری، درونی دگرگونی و تغیر ایجاد کیا ہے۔[2] اس نے انسان کے اندر فردی انقلاب ایجاد کیا ہے تاکہ ایران کا معاشرہ واجتماع بھی متغیر ہو جائے۔

۴۔انقلاب کا پر امن طور پر رونما ہونا

حضرت امام خمینیؒ کی نظر کے مطابق، ایران کا اسلامی انقلاب دوسرے انقلابات سے جو تاریخ میں واقع ہوئے ہیں، ایک پر امن انقلاب تھا، ایسا انقلاب تھا جس کے ثمرات اثرات زیادہ اور نقصانات بہت کم تھے۔[3] انقلاب کے پر امن ہونے کا مطلب یہ ہے عوام خوف وہراس کا شکار نہ تھی[4] انقلاب کے اسلامی وانسانی ہونے کا مطلب یہ ہے[5] کہ خونریزی و تشدد اور انسانوں کے قتل وغارت کا بازار گرم نہ تھا۔[6] اس زاویہ سے دوسرے انقلابات پر انقلاب اسلامی کی برتری و تفوق کیلئے ملک کے امور کی سریع اصلاح و نظم، امن عامہ کے وجود اور ہنگامی حالت نافذ نہ ہونے کو بطور ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے۔[7]

۵۔مشرق ومغرب کی نفی کے پرتو میں انقلاب کا جداگانہ تشخص

حضرت امام خمینیؒ معتقد ہیں کہ ایران کا اسلامی انقلاب اپنے الگ تشخص کی بنا پر دوسرے انقلابات پر امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کا مشرق ومغرب کے بلاک سے وابستہ نہ ہونا اور ان پر انحصار نہ کرنا، صرف مبدأ حقیقی یعنی اللہ سے وابستہ ہونا اور اس پر توکل کرنا سبب بنا کہ یہ انقلاب کم افراد ووسائل کے باوجود تمام طاقتوں کے مقابل کامیاب ہوا۔[8] اس سلسلہ میں

---

1. ایضاً، ج۱۹، ص۲۶۹۔
2. ایضاً، ج۱۱، ص۱۹۰،۱۹۱۔
3. ایضاً، ج۱۵، ص۸۵۔
4. صحیفہ امام، ج۸، ص۱۲۶۔
5. ایضاً، ج۵، ص۷۵۔
6. ایضاً، ج۱۰، ص۴۹۔
7. ایضاً، ج۱۶، ص۸۲۔
8. ایضاً، ج۱۵، ص۹۔

حضرت امام خمینیؒ اس آیت {كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة} سے استناد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: دوسرے انقلابات مشرق یا مغرب سے وابستہ تھے لیکن اسلامی انقلاب، عوامی اور اسلامی بنیاد پر تھا۔ انبیاء (ع) کے انقلاب جیسا تھا۔ خدا کے علاوہ کسی سے وابستہ نہ تھا۔[1] اسی بنا پر دوسرے انقلابات سے زیادہ عسکری اور تشہیراتی یلغار اس کے خلاف کی گئی۔[2] کیونکہ یہ انقلاب جداگانہ تشخص کا حامل تھا جبکہ دوسرے انقلابات دائیں یا بائیں بازو والے تھے۔[3] اس غیر وابستہ انقلاب، وسائل واسلحے کے فقدان کے باوجود فقط ایمانی طاقت کے بل بوتے پر سر تا پیر مسلح شیطانی طاقتوں پر غلبہ حاصل کیا۔[4]

٦۔ انقلاب کی حمایت میں معاشرے کے تمام طبقات وافراد کا شریک ہونا

انقلاب وحکومت کی حمایت میں عوام کی شرکت اس بات کی غماز ہے کہ انقلاب معاشرے کے تمام افراد وطبقات سے تعلق رکھتا ہے۔ امام خمینیؒ کی نظر میں ایسی نوعیت اس انقلاب کی امتیازی خصوصیت ہے۔[5] آپ معتقد ہیں کہ ایران کا انقلاب دنیا میں اب تک رونما ہونے والے انقلابات میں بہترین انقلاب ہے، کیونکہ یہ عوام کا انقلاب ہے کسی جماعت سے مخصوص نہیں، کسی عسکری گروہ سے وابستہ نہیں، بلکہ ایرانی عوام کا برپا کیا ہوا انقلاب ہے انہوں نے اسے کامیابی تک پہنچایا ہے۔[6]

لہذا انقلاب اسلامی کی امتیازی خصوصیت اس کا کسی خاص طبقے سے مخصوص نہ ہونا ہے، بلکہ یہ انقلاب عوامی شرکت کا نتیجہ ہے۔ حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں انقلاب کی اہم خصوصیت کسی حکومت، حزب، گروہ، فوج اور بغاوت سے مرتبط نہ ہونا ہے[7] آپ انقلاب کو اسلامی، عوامی اور ارتقاء پذیر سمجھتے ہیں[8] یہ انقلاب سیاسی میدان میں عوام کی وسیع شرکت پر استوار ہے[9] اس انقلاب میں معاشرے کے تمام طبقات خصوصاً مستضعف شریک رہے ہیں بغیر خارجی اسباب فقط خدا پر توکل کرتے ہوئے رونما ہوا ہے۔[10] اس انقلاب میں عوام، فوجی، نیم فوجی، مزدور، دہقان الغرض، تمام طبقات شریک رہے ہیں اور ان کے ذریعہ انقلاب رونما ہوا ہے اور کامیابی سے

---

1. ایضاً، ج۱۵، ص۱۱۸۔
2. ایضاً، ج۱٦، ص۱۴۹۔
3. ایضاً، ج۱۵، ص۹۔
4. ایضاً، ج۱۹، ص۵ و ج۱۳، ص۲۵۷، ۲۵۸۔ نیز ج۱۵، ص۱۱۸ و ج٦، ص۸۔
5. صحیفہ امام، ج۱٦، ص۸۲۔
6. ایضاً، ج۱۰، ص٦۸۔
7. ایضاً، ج۱۵، ص۱۱۸۔
8. ایضاً، ج۱۳، ص۲۴۷۔
9. ایضاً، ج۱۵، ص۳۵۔
10. ایضاً، ج۱۵، ص۹۱۔

ہمکنار ہوا ہے گویا یہ انقلاب کی علت موجدہ اور علت معدہ ہیں [1] عوام کا تحریک کی کامیابی میں شریک اور امور کا ان کے ہاتھوں میں ہونا سبب بنا کہ انقلاب شکست ناپذیر صفت کا حامل ہو [2] لہذا ایرانی عوام کا متحدہ اقدام و قیام اور انقلاب میں شریک انقلاب کے دوام اور بقا کا موجب قرار پایا [3] اس طرح کہ حضرت امام خمینیؒ حکومت و ملت، عوام و انقلاب کے درمیان کسی بھی قسم کی جدائی و انفکاک کے قائل نہ تھے۔ [4]

ب۔ انقلاب اسلامی کے نتائج و ثمرات

حضرت امام خمینیؒ انقلاب کیلئے دو مرحلوں کے قائل تھے:

۱۔ طاغوتی نظام کی سرنگونی کا مرحلہ ۲۔ کامیابی کے بعد تعمیر نو کا مرحلہ

آپ انقلاب کے ثمرات کو کامیابی کے بعد اسلامی حکومت میں بتاتے ہیں اور اس سلسلہ میں انقلاب کے آثار و ثمرات کو سیاسی و سماجی اداروں میں تبدیلی، آزادی، خود مختاری و سیاسی شرکت نیز اسلامی اقدار کا انتخاب اور اسلامی ملل کی بیداری میں جانتے ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ا۔ سیاسی و سماجی اداروں میں تبدیلی

سیاسی و سماجی اداروں میں تبدیلی کے سلسلے میں حضرت امام خمینیؒ خدمت گزار حکومت کی تشکیل کو انقلاب اسلامی کا سب سے اہم نتیجہ سمجھتے ہیں۔ آپ کی نظر میں ایسی عوامی حکومت کی تشکیل جو عوام و حکومت کے اتحاد کی مظہر ہو، برکات انقلاب میں شمار ہوتی ہے، کیونکہ اسلامی حکومت کے ارکان کا ہدف عوام کی خدمت اور مستضعفین نیز دور افتادہ علاقہ کے افراد کیلئے کام کرنا، ملک میں امن برقرار کرنا، اداروں کو منظم کرنا ہے، کیونکہ اسلامی حکومت ایرانی عوام کی حمایت کا مظہر ہے۔ [5] لہذا اسلامی حکومت عوام پر

1. ایضاً، ج ۱۳، ص ۲۹۔
2. ایضاً، ج ۱۶، ص ۲۶۔
3. ایضاً، ج ۱۴، ص ۲۰۳ و ج ۱۵، ص ۱۱۸۔
4. صحیفہ امام، ج ۱۵، ص ۸۵۔
5. ایضاً، ج ۱۹، ص ۱۶۱ و ۲۴۲ و ج ۱۳، ص ۴۶۔

حکومت کے حقوق اور حکومت پر عوام کے حقوق کو عملی جامہ پہنانے کی مظہر ہے۔[1] حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں انقلابی حکومت کا فرض اسلامی عدالت کے معیار پر قوانین وضع کرنااور نظم قائم کرنا، الٰہی احکام و قوانین کا اجرائ، احقاق حق، تعدیل حقوق اور امتیازی سلوک کا خاتمہ ہے۔[2] آپ کی نگاہ میں عوام قانون کے مقابل برابر و مساوی ہیں اور ان کے سلسلہ میں حکمراں کی رفتار و گفتار عدالت کے مطابق ہونا چاہیے[3] فقر و غربت کی جڑ کو ختم کرنے میں اس طرح عمل کریں کہ عام افراد اسلامی عدالت و نظام کے شکوہ کو محسوس کریں، حکمراں طبقہ کی سادہ زیستی، مال و مقام سے عدم دلبستگی، تکلفات کی کمی[4] معاشرے میں عدالت و مساوات کا سبب ہے (امامؒ کا لبنانی اخبار النصر سے انٹرویو ۳۰ دستمبر ۱۹۷۸ء)۔ آپ نے اٹلی کے اخبار، کورپرہ دلا سرادر کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا: جمہوری اسلامی میں عوام کی باگ ڈور سنبھالنے والے اپنے مقام و منصب سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے ثروت اندوزی نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی روزمرہ زندگی میں امتیازی حیثیت کے قائل ہو سکتے ہیں (۲ نومبر ۱۹۷۸ء) آپ اس اسلامی حکومت کو جس کے حکمراں عوام ہی میں سے ہیں[5] خدا کا لطف خفی جانتے ہیں، کیونکہ خدا اس کے سایہ میں معاشرے کے تمام افراد پر طمانیت، سکون اور اطمینان قلب عطا کرتا ہے۔[6] آپ سیاسی و سماجی بنیاد و اساس میں تبدیلی کے دوسرے پہلو کو قضاوت کا مسئلہ پیش کرتے ہیں، عدالت کی بنیاد پر اسلامی حکومت کی تشکیل اور عوام سے اسلام اصولوں کی بنیاد پر عادلانہ رفتار و قضاوت اہم حیثیت رکھتی ہے۔[7] امامؒ سیاسی و سماجی اداروں اور شعبوں کے سلسلہ میں بنیادی تغیر کے خواہاں ہوتے ہوئے پارلیمنٹ، عدلیہ، پولیس و فوج، ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبار، مجلات اور کتب میں[8] تبدیلی کو اہم جانتے تھے، کیونکہ یہ ادارے و شعبے اور وسائل، عوام سے مرتبط ہیں۔ ان میں تغیر انقلاب اسلامی کا ثمرہ ہے اور ان اداروں و شعبوں میں یکجہتی و ارتباط، اسلامی و انقلابی اہداف کا ارتقا ہے۔

۲۔ آزادی

حضرت امام خمینیؒ بیان، قلم، فکر و نظر کی آزادی کو انقلاب کا اہم ثمرہ جانتے ہیں۔ آپ گھٹن، آزاد فضا کے وجود اور علماء و دانشوروں کے جہنمی قید خانہ سے آزاد ہونے کو اسلامی انقلاب کے متاثر کن اسباب سمجھتے ہیں، چونکہ آپ معتقد ہیں کہ اسلامی حکومت

---

1. ایضاً، ج۸، ص۱۴۶۔
2. ایضاً، ج۱۳، ص۱۴۔
3. صحیفہ امام، ج۱۹، ص۲۲۶۔
4. ایضاً، ج۱۹، ص۲۲۶۔
5. ایضاً، ج۱۶، ص۱۲۔
6. ایضاً، ج۱۴، ص۱۶۵، ۱۶۶۔
7. ایضاً، ج۱۹، ص۱۸۴۔
8. ایضاً، ج۱۵، ص۴۰۔

عوام کی حاکمیت واقتدار کی مظہر ہے۔ لہذا اجتماعات وانتخابات کی آزادی اور ملک کے مسئلہ میں عمومی آراء کی طرف توجہ، ان کا بنیادی حق ہے۔ آپ صریحاً اعلان کرتے ہیں کہ ہم کامل آزادی والی حکومت کے خواہاں ہیں (فرانسوی اخبار، فیگارو سے انٹرویو ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۸ء)۔ حضرت امام خمینیؒ اٹلی کے اخبار، کوریرہ دلا سرادر کو ۲ نومبر ۱۹۷۸ء میں انٹرویو دیتے ہوئے معاشرتی اداروں مثلاً جماعتوں اور اطلاع رسانی کے ادارے کے قایم کیلئے خاص تاکید فرماتے ہیں، بشرطیکہ یہ آزادی عمومی ہدایت وراہنمائی کا سبب بنتی ہو۔ آپ فرماتے ہیں، میڈیا ومجلات ورسائل کو عوامی ہدایت کا مرکز ہونا چاہیے یعنی اگر عوام کے ہاتھوں میں قرار پائیں تو وہ ان سے ہدایت حاصل کریں۔[1]

۳۔ سیاسی شرکت کے دائرے میں توسیع

حضرت امام خمینیؒ عوام کی سیاسی شرکت کے دائرے میں توسیع کیلئے داخلی اختلافات کے خاتمے اور معاشرے کے افراد کا سکون کامل کے ساتھ ان کے اتحاد اور ان کی یکجہتی کو پیشگی شرط جانتے[2] آپ اسے تحریک کا بہترین ثمرہ وبرکت شمار کرتے، سیاسی شرکت کی دوسری پیشگی شرط عمومی خود آگاہی کو قرار دیتے۔ حضرت امام خمینیؒ معتقد ہیں کہ یہ عوام کے اندر عظیم روحی تبدیلی اور احساس کمتری کے ختم ہونے، نیز اپنی قدرت پر اعتماد وآگاہی کا سبب ہے[3] اور یہ امر خود باوری کے ارتقاو سیاسی شرکت کے وسیع ہونے کو اجاگر کرتا ہے۔ حضرت امام خمینیؒ سیاسی شرکت کے مظاہر کے سلسلہ میں عورت کی شخصیت کے احیاء اور تمام سیاسی وسماجی کاموں میں عورت ومرد کے شانہ بہ شانہ ہونے کو اسلامی تحریک کی اہم ترین تصور کرتے ہیں۔[4] آپ معتقد ہیں کہ اسلامی حکومت میں خواتین کو سماجی مسائل میں شریک کرنا، ان کے بلند مرتبہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا ہے، وسیع سیاسی شرکت کے دوسرے مظاہر میں عوام کا فراموش شدہ سنن کا احیاء جیسے نماز جمعہ کا برپا کرنا ہے۔[5] حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں سیاسی وعبادی امور میں عوام کی سیاسی شرکت کا نمونہ نماز جمعہ کا قیام ہے جو ان کے اتحاد وہم خیالی کا سبب بنا ہے تاکہ اسلام دشمنوں کی سازشوں کا مقابلہ کر سکیں، نماز جمعہ ایران کی اسلامی تحریک کے ثمرات کے طور پر مانا جاتا ہے[6] عوام کی سیاسی شرکت کے نتیجے کے طور پر ادبی، علمی، فنی تعلیمی، عسکری میدانوں میں تخلیق وجدت پسندی کی تربیت پانے والوں نیز استعداد وصلاحیت کے پروان چڑھنے کی طرف اشارہ کیا جاسکتا

---

1. صحیفہ امام، ج۱۸، ص۱۶۵۔
2. ایضاً، ج۸، ص۱۲۶۔
3. ایضاً، ج۱۵، ص۴۷ وج۱۷، ص۱۸۹۔
4. ایضاً، ج۱۸، ص۲۶۴۔
5. ایضاً، ج۱۷، ص۸۲۔
6. صحیفہ امام، ج۱۷، ص۸۲۔

ہے۔[1] انقلاب کے دیگر نتائج میں بعض مخالف گروہوں اور جماعتوں کی ماہیت کا آشکار ہونا جیسے منافقین جو تشدد پسند اور تعمیری فکر سے خالی افراد تھے اور سیاسی وسماجی شرکت کی راہ میں خاص مانع تھے ان کے اعمال وحرکات کی بنا پر ایرانی عوام ان کی ماہیت واصلیت کو سمجھ گئے اور نوجوان طبقہ خواب غفلت سے بیدار ہو گیا تھا اور عوام کے قدم بہ قدم انقلاب کی تعمیر میں مشغول ہو گیا۔

۴۔خود مختاری

انقلاب اسلامی کا ایک ثمرہ سیاسی اقتصادی، ثقافتی، عسکری میدانوں میں خود مختار ہونا ہے یعنی مشرق ومغرب کے تسلط سے نجات حاصل کرنا[2] اور مشرقی ومغربی طاقتوں کی پالیسی پر اعتماد نہ کرنا اور بڑی طاقتوں سے مقابلہ کی توانائی وقدرت کا احساس سبب بنا کہ ایرانی عوام اسلامی انقلاب کو کامیاب کر کے شیطانی طاقتوں پر غالب آجائیں اور ایسی حکومت تشکیل دیں جس سے بڑی طاقتیں ان کے داخلی امور میں مداخلت نہ کر سکیں۔

ا۔۴۔سیاسی خود مختاری

حضرت امام خمینیؒ کی نگاہ میں سیاسی خود مختاری کا مطلب ایرانی عوام کا اپنی تقدیر میں آزاد اور صاحب ارادہ ہونا اور اغیار کے تسلط کے بغیر اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنا ہے۔ آپ کے زاویہ نظر سے سیاسی خود مختاری کے مصادیق ایرانی عوام کی اپنے زمانہ کی طاقتوں سے مبارزت اور ان کے مقابل ڈٹ جانا ہے اور مشرق ومغرب پر تکیہ کئے بغیر صراط مستقیم پر رواں دواں ہونا ہے۔[3]

۲۔۴۔اقتصادی خود مختاری

حضرت امام خمینیؒ کی اقتصادی خود مختاری سے مراد استعمار اور اس سے وابستہ افراد کی لوٹ مار، نوچ کھوٹ کی بساط کا الٹ دیا جانا ہے اور زراعت وصنعت میں خود کفالت، آبادکاری مراکز کا قیام، پیداواری صلاحیت میں اضافہ، تیل کی فروخت کے ذریعہ ملک کے خزانے کی صحیح پوزیشن اور فیکٹریاں بنانا وغیرہ اقتصادی خود مختاری کے مظاہر ہیں۔

---

1. ایضاً،ج ۱۷،ص ۲۰۷۔
2. ایضاً،ج ۱۵،ص ۲۶۰۔
3. صحیفہ امام،ج ۱۵،ص ۴۷ وج ۱۹،ص ۵۔

۳۔۴۔ ثقافتی خود مختاری

حضرت امام خمینیؒ یقین رکھتے ہیں کہ تمام اصلاحات کا سرچشمہ ثقافتی اصلاح ہے اور انقلاب اسلامی کے ثمرات میں سے ایک معاشرے میں یونیورسٹی اور حوزہ علمیہ کی خود مختاری اور پاک سیرت افراد کے ذریعہ خود مختار ثقافت کا تحفظ ہے۔ اس خود مختاری کے مظاہر، فکری و نظریات خود مختاری، استعماری فکر سے چھٹکارہ اور خود مختار فکر کو رواج دینا ہے۔[1]

۴۔۴۔ عسکری خود مختاری

حضرت امام خمینیؒ عسکری خود مختاری کے مظاہر میں عسکری مشیروں، بے بنیاد دعوے کرنے والے آقاؤں، تاوان وصول کرنے والوں اور روڑے اٹکانے والوں کے ملک سے نکال باہر کرنے، سامراجیوں کی عسکری چھاؤنی کی بندش اور اسلحہ نہ خریدنے کو جانتے ہیں۔

۵۔ اسلامی اقدار کا احیاء اور روحانی ارتقاء

حضرت امام خمینیؒ انقلاب اسلامی کا اہم نتیجہ، اسلام کا دوبارہ احیائ، معاشرے کو تحرک بخشنے میں دین کے کردار کی تجلی، عوام میں مادیت سے معنویت کی طرف فکری ارتقاء اور اقدار کے سلسلہ میں ایک تغیر کا وجود جانتے ہیں۔[2] حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں اسلامی تحریک کے ثمرات میں سے خدا کے لطف و عنایت سے ایرانی معاشرے میں عظیم فکری ارتقاء[3] معنویت و اخلاقیات پر توجہ ہے۔ آپ فساد و فحشا کو وسعت دینے والے مراکز پر پابندی، نوجوان نسل کو تباہی و بربادی کی وادی میں ڈھکیلنے والے عشرت کدوں کی بندش، خلاف شرع و سماج دشمن افعال کے خاتمے نوجوانوں میں اخلاقی ارتقاء اور اسلامی و معنوی فکر کی تقویت کو طاغوتی اقدار کے بجائے خالص اسلامی اقدار کے غالب کے مصادیق جانتے ہیں۔[4] لہذا آپ کی نگاہ میں انقلاب کا ثقافتی ثمرہ، فساد و تباہی کے مظاہر کا ختم ہونا، نوجوانوں کا طاغوتی زمانے کے عشرت کدوں سے نکل کر ملک و دین کیلئے میدان میں اترنا[5] خواتین کے اندر اخلاقی ارتقاء اور بے پردگی سے عفت و پاکدامنی کی طرف توجہ کرتے ہوئے حضرت زہرا و زینب (ع) کی پیروی کرنا ہے، یہ فکری ارتقاء و معنوی پہلو کمال مطلق سے عشق کے علاوہ تربیتی جہات بھی رکھتا ہے جس کا اہم مصداق شخصیت اور تشخص کو دوبارہ حاصل کرتے ہوئے علمی مراکز کی

---

1. ایضاً، ج ۱۳، ص ۲۰۶، ۲۰۹ و ج ۱۰، ص ۲۷۶، ۲۷۷۔
2. صحیفہ امام، ج ۱۷، ص ۶۴، ۹۳ و ج ۱۶، ص ۱۸۸۔
3. ایضاً، ج ۱۷، ص ۱۸۹۔
4. ایضاً، ج ۱۶، ص ۱۴ و ج ۱۷، ص ۵۴۔
5. ایضاً، ج ۱۷، ص ۵۴۔

اصلاح اور نوجوانوں کا اسلام کا پابند اور فرض شناس ہونا ہے اس فکری ارتقاء کے دوسرے مظاہر عوام کے اندر اسلامی فرض شناسی اور ذمہ داری کے احساس یعنی اپنے اور دوسروں کو اسلامی اقدار سے آراستہ کرنے میں ذمہ داری کے احساس کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

۶۔عالم اسلام کی بیداری

حضرت امام خمینیؒ اسلامی قیام کا اہم ترین نتیجہ، اسلام کے دو بڑے فرقوں یعنی شیعہ اور اہل سنت میں اتحاد اور سامراج کے مقابل ایک منظم طاقت کی شکل میں ابھرنے کو سمجھتے ہیں [1] اور معتقد ہیں کہ اسلامی انقلاب اپنی اقدار برآمد کرکے عالم اسلام کی بیداری و آگاہی، نیز اسلام کے اصل چہرے کو پیش کرکے موثر اور اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔[2] اسلامی انقلاب کا بین الاقوامی ماحصل کے طور پر بڑی طاقتوں کے اندازوں میں ایرانی عوام کا لحاظ [3] اور ایران کے تنہا ہونے کے بجائے استعمار سے مبارزت کا مرکز قرار پانا اور بڑی کے اندازوں کو غلط ثابت کرنے والے کے طور پر پہچان [4] کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی انقلاب کا یہ بین الاقوامی اثر دنیا کی مسلمان اقوام میں اتحاد کا سبب بنا ہے اور اس نے انہیں ایک بڑے اسلامی سماج و معاشرے میں تبدیل کر دیا ہے۔[5]

ج۔اسلامی انقلاب ایران کے استمرار و دوام کے اسباب

حضرت امام خمینیؒ انقلاب کے دوام کے مرحلہ کو انقلاب کی کامیابی کے مرحلہ سے اہم سمجھتے ہیں اور انقلاب کو ایک بچے سے تشبیہ دیتے ہیں جس کی تربیت و حفاظت کی ضرورت ہے۔[6] آپ کی نگاہ میں انقلاب کی حفاظت اہم واجب شرعی ہے۔[7] آپ معتقد تھے کہ کامیابی کی حفاظت اس کے حصول سے سخت اور اہم تر ہے [8] جیسے کسی ملک پر قبضہ آسان ہے لیکن اس کا نظم ونسق چلانا مشکل ہے۔[9] آپ کی نظر میں انقلاب کے استمرار وبقا کے اسباب وہی ہیں جو انقلاب کی کامیابی کے تھے جیسا کہ سیاسی الٰہی وصیت نامہ میں

---

1. ایضاً،ج۱۷،ص۸۲۔
2. ایضاً،ج۱۷،ص۱۲۱۔
3. صحیفہ امام،ج۱۷،ص۶۳۔
4. ایضاً،ج۱۷،ص۶۳۔
5. ایضاً،ج۱۳،ص۲۲۵۔
6. ایضاً،ج۱۹،ص۱۰۷۔
7. ایضاً،ج۱۹،ص۲۷۔
8. ایضاً،ج۱۰،ص۷۰۔
9. ایضاً،ج۱۵،ص۲۰۱۔

فرماتے ہیں: بلاشبہ انقلاب کی بقا کا راز وہی ہے جو انقلاب کی کامیابی کا تھا یعنی جس طرح الٰہی جذبہ انقلاب کا سبب تھا اسی طرح الٰہی مقصد انقلاب کے دوام کا سبب ہے۔ امام خمینیؒ کامیابی کے اسباب کی حفاظت کیلئے ایسے ہی تاکید فرماتے تھے جیسے اس کی بقا و استمرار کیلئے فرماتے تھے۔[1] آپ اس سلسلے میں بعض اسباب جیسے مقصد و اتحاد، اقدار کی حفاظت، عوام کے ہمیشہ میدان میں رہنے، عوام و حکمراں کی متقابل وفاداری، معنوی و مادی بنیاد سازی، اطلاع رسانی کی تقویت و توسیع، ایران، عالم اسلام کے ام القریٰ کے عنوان سے تحفظ کئے جانے کی تاکید فرماتے تھے۔

ا۔ مشترکہ مقصد اور اتحاد

حضرت امام خمینیؒ اتحاد کے تحفظ کو انقلاب کی کامیابی اور اس کی بقا و دوام کا ضامن جانتے ہیں[2] حبل خدا سے تمسک اور خداوند متعال پر اعتماد کے سایہ میں عوام کے اتفاق رائے اور فکری یکجہتی کو اسلامی نظام کے پیکر کی حفاظت کا ضامن جانتے ہیں۔[3] آپ آیت قرآن {وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ۔۔۔} اور حدیث نبویؐ {يَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ} سے استناد کرتے ہوئے معتقد ہیں کہ مسلمانوں کو مشترکہ مقصد، اتحاد اور تعاون کی فکر کا تحفظ کرتے ہوئے ایک طاقت و قوت ہونا چاہیے اور اسلام کے سایہ میں اسلامی اخوت و برادری کا تحفظ کرنا چاہیے۔[4] حضرت امام خمینیؒ ملت کی یکجہتی و وحدت نظر اور مختلف گروہوں کے مابین عدم تفرقہ کو مشترکہ مقصد اور نعرے کی بنیاد پر تحریک کے وسیع و فراگیر ہونے کا اہم قدم سمجھتے ہیں۔[5] آپ معتقد ہیں کہ دینی مدارس و یونیورسٹیوں کا اتحاد[6] سیاست و دین کا عدم افتراق معاشرے کے تمام طبقات کے ہمراہ علماء کا میدان میں رہنا، اخوت و برادری کے استحکام کا سبب ہے جس کے نتیجہ میں اسلامی اقدار کا برآمد کیا جانا سہل و آسان ہوتا ہے۔ آپ تمام پیغام رسان و الہام بخش مراکز کے پیغام کیلئے وحدت و ہم آہنگ ہونے کی تاکید فرماتے ہیں اور معتقد ہیں کہ عالم اسلام کے درمیان اتحاد اور ارتباط مختلف طریقوں کے ذریعہ ہونا چاہیے جیسے سرکاری اور غیر سرکاری دورے یا مذہبی سفر جیسے حج وغیرہ جو عالم اسلام کے باہمی ارتباط، ایک دوسرے سے آشنائی اور برادری کا سبب، نیز ایران کے اسلامی انقلاب کے پیغام کو عالمی پیمانہ پر مسلمانوں تک پہنچانے کا ذریعہ بھی ہے۔[7]

---

1. ایضاً، ج۸، ص ۵۴تا۵۶ وج۶ ص ۳۸۔
2. صحیفہ امام، ج۱۹، ص۲۹۔
3. ایضاً، ج۱۵، ص ۱۳۵ وج ۱۱، ص ۲۳ وج ۷، ص ۲۰۸۔
4. ایضاً، ج۸، ص ۹۳، ۱۸۸ وج ۱۲، ص ۱۶۵۔
5. ایضاً، ج۴، ص ۸۶۔
6. ایضاً، ج۱۷، ص ۲۶ وج ۵، ص ۷۴۔
7. ایضاً، ج۱۵، ص ۱۹۰۔

۲۔اسلامی و معنوی اقدار کی حفاظت

حضرت امام خمینیؒ مسلمانوں کو ہمیشہ الٰہی احکام کے احیاءاور دین اسلام پر عمل پیرا ہونے کی فرماتے تھے۔[1] آپ دین اسلام کو الٰہی امانت بتاتے ہوئے اس ترویج کی کوشش وجدوجہد کی دعوت دیتے ہوئے، اخلاقی ودرونی ارتقاء کے تحفظ کی تاکید فرماتے تھے۔[2] آپ آیت شریفہ {فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ} سے استفادہ کرتے ہوئے صبر و تحمل، مقاومت، ایثار وفداکاری، شہادت پسندی، دلاوری ومعنویت کے جذبے کی بقاو حفاظت کے خواہاں ہیں[3] کیونکہ عوام نے ان کیلئے قیام کیا تھا۔[4] آپ انقلابی ایثار وشہادت، صبر واستقامت کے کلچر کو دین اسلام کی حفاظت اور مشکلات کے خاتمہ کیلئے ضروری سمجھتے ہیں۔[5] آپ آیت شریف: {إِنْ تَنْصُرُوا اللهَ... أَقْدامَكُمْ} سے استناد کرتے ہوئے فساد وبرائی بیخ کنی تک خداپراعتماد وارتباط کو لازمی جانتے ہیں[6] اور انقلاب سے قبل الٰہی جذبہ، مخلص فکر کے دوام اور بیرونی ودرونی ارتقاء کو اہم ترین کامیابی سمجھتے ہیں۔[7] لہذاامام خمینیؒ کے زاویہ نظر سے، اللہ پر ایمان کی حفاظت اور مادی قدرت پر ارادہ خداوندی کی فوقیت کا ایمان انقلاب کے دوام کے اسباب ہیں۔ آپ ان اسباب کے تناظر میں مجالس عزا کی حفاظت کی تاکید فرماتے ہیں، کیونکہ مجالس عزاعوام کو شجاعت عطا کرتی اور تحریک کے دوام کا سبب ہیں۔

۳۔میدان میں عوام کی دائمی شرکت

حضرت امام خمینیؒ حدیث {کلکم راع وکلکم مسئول} کی روشنی میں حفاظت انقلاب کی ذمہ داری کو عمومی جانتے ہیں۔[8] آپ معتقد ہیں کہ عوامی اور دائمی شرکت انقلاب اسلامی کی قوت واستحکام کی اضافے کا سبب ہے۔[9] لہذا آپ معتقد ہیں کہ معاشرے وحکومت کے مسائل میں تمام افراد وطبقات شریک ہوں اور وہ حکام کے افعال واعمال کی نگرانی کریں اوران کی غلطیوں کی نشان دہی کریں۔[10] آپ اغیار کی سازش کو ناکام بنانے اور انقلاب کے ثمرات وشہیدوں کے خون کی حفاظت کیلئے انقلابی عوام کا میدان میں

---

1. صحیفہ امام، ج۱۳، ص۲۸۔
2. ایضاً، ج۶، ص۱۷۔
3. ایضاً، ج۱۶، ص۱۲۰ وج۱۸، ص۱۸۶ وج۱۹، ص۱۳، ۳۱۔
4. ایضاً، ج۱۵، ص۱۹۰۔
5. ایضاً، ج۱۷، ص۱۰۰۔
6. ایضاً، ج۱۵، ص۱۸۲ وج۱۹، ص۴۷۔
7. ایضاً، ج۸، ص۹، ۸۹ وج۷، ص۴۰۔
8. ایضاً، ج۱۲، ص۱۶۵۔
9. صحیفہ امام، ج۱۳، ص۱۳۱ وج۱۹، ص۱۹۵۔
10. ایضاً، ج۱۵، ص۶۲، ۶۷۔

رہنے کو ضروری سمجھتے ہیں[1] کیونکہ آپ معتقد ہیں کہ اگر انقلاب عوام کے درمیان ہو تو وہ ناقابل شکست ہے۔[2] عوام کی دائمی شرکت واستقامت انقلاب کے دشمنوں کی سازشوں کے سلسلے میں معاشرے کی بیداری وہوشیاری اور آگاہی کا سبب ہے۔[3] آپ کنارہ کشی کو جائز نہیں جانتے اور معتقد ہیں کہ اصلاح امور نیز سازش سے مقابلہ کیلئے قوی ارادہ اور عمومی ہمت و حوصلہ درکار ہے۔[4] آپ عوام کی ہوشیاری کو خود غرضوں کی نابودی اور مذہبی عوام کی صفوں میں بے دینوں کے نفوذ کو روکنے اور انقلابیوں کی صفوں میں اسلام دشمن عناصر کی شناخت کیلئے ضروری سمجھتے ہیں اور تاکید فرماتے ہیں۔[5] اسی بناپر امام خمینیؒ معتقد ہیں کہ اسلامی انقلاب کی حفاظت اور دشمنوں کی سازشیں ایرانی عوام کو ہر ممکن وسیلہ سے ناکام بنانا چاہیے اور اسلام سے بے اعتنا مستکبروں اور خدا پر ایمان نہ رکھنے والے بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنے والوں سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، وہ انقلاب کے خلاف افواہیں پھیلانے والوں کی پیروی نہ کریں، اسلام وانقلاب کے دشمنوں کے مایوسی اور ناامید کرنے والے پروپیگنڈے پر توجہ نہ دیں۔[6] آپ کا عقیدہ ہے کہ عوام کی دائمی موجودگی کا مظہر، مظاہرے، جلوس نیز مساجد و نماز جماعت وجمعہ میں شرکت ہے۔[7] آپ کی نظر میں نماز جمعہ ومظاہرے وغیرہ میں عوام کی وسیع شرکت دینی وسیاسی مسائل سے آگاہی کا سبب ہے۔[8]

۴۔ عوام وحکام کی متقابل وفاداری

امام خمینیؒ معتقد ہیں کہ حکومت کا وجود واجب حسبی ہے اور اس کا فرض امن کی برقراری اور نظام کی حفاظت ہے۔[9] اسلامی حکومت میں حکام اور عوام ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں[10] اور اس نظام میں اقتدار کا خلوص عوام اور حکومت کے اتحاد میں متجلی ہے۔ حضرت امام خمینیؒ معتقد ہیں کہ اس نظام کا ایک پہلو یہ ہے کہ حکام، عوام اور ان کے مسائل سے کامل آگاہ ہوں تاکہ بہتر طریقہ سے عوام کی خدمت انجام دے سکیں اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ عوام ہر نوعیت وزاویئے سے انقلابی حکومت کی کے پشت پناہ اور حامی

---

1. ایضاً، ج ۱۶، ص ۲۴، ۴۷۔
2. ایضاً، ج ۱۶، ص ۲۶۔
3. ایضاً، ج ۶، ص ۱۶ و ج ۱۷، ص ۱۷۔
4. ایضاً، ج ۶، ص ۱۷۲۔
5. ایضاً، ج ۶، ص ۲۲، ۲۸۔
6. ایضاً، ج ۱۶، ص ۷۴ و ج ۶، ص ۲۰ و ج ۱۷، ص ۲۹۔
7. ایضاً، ج ۱۷، ص ۵۴، ۸۴۔
8. صحیفہ امام، ج ۱۷، ص ۴۷۔
9. ایضاً، ج ۱۳، ص ۱۴۔
10. ایضاً، ج ۸، ص ۲۱۵۔

رہیں اور عظیم انقلاب اسلامی کی قدر کریں۔[1] لہذا حضرت امام خمینیؒ عوام و حکومت کے درمیان دو طرفہ رابطہ کے قائل ہیں اور اس سلسلے میں جمہوری اسلامی کے فرض شناس کو تاکید کرتے ہوئے[2] فرماتے ہیں کہ حکومت کو عوام کی توجہ حاصل کرنے کیلئے عملی اقدامات کرنا چاہیے۔ آپ معتقد ہیں کہ عوام و معاشرے کیلئے وہی افراد کام کر سکتے ہیں جو معنوی جذبے سے سرشار ہوں۔[3] حضرت امام خمینیؒ عوام کی نظر میں مختلف اداروں کی اہمیت و حیثیت کے تحفظ کو ضروری سمجھتے ہیں اور عوام و حکومت، پارلیمنٹ اور تمام اداروں کی پشت پناہی و حمایت کی تاکید فرماتے ہیں[4] جو عوام اور حکام کی متقابل وفاداری میں میسر و ممکن ہے۔

۵۔مادی و معنوی تعمیر نو

حضرت امام خمینیؒ معنوی تعمیر نو کو مادی تعمیر نو پر مقدم سمجھتے ہیں۔ آپ تعمیر نو کے علاوہ اخلاقی ارتقاء یعنی خود سازی پر توجہ دینے کے قائل ہیں۔[5] آپ تعلیمی تعمیر نو کے سلسلہ میں تعلیمی مراکز کو انقلاب کی بقا اور تحفظ کا سبب قرار دیتے ہیں[6] اور تعلیمی مراکز کی اصلاح اور نوجوان طبقہ کی تربیت کی تاکید فرماتے ہوئے اس سلسلے میں محققین کے اہم فرض کو بیان فرماتے ہیں، نیز فرض شناس افراد کی تربیت کیلئے تعلیمی مراکز کی ذمے داری اور فرض شناس افراد اسلامی معاشرے کے حوالے کئے جانے کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔[7] آپ قانونی تعمیر نو کی بنیاد امن پسندی اور حکومت کی جانب سے طاقت استعمال نہ کئے جانے[8] نیز قانون کی بالادستی کو جانتے ہیں۔ آپ کی نگاہ میں آئین کی تدوین انقلاب کی کامیابی و دوام و بقا کا سبب ہے اور آئین کی تدوین کا حصول ملک کی خود مختاری کی ضمانت ہے۔[9] آپ مادی تعمیر نو کے سلسلہ میں بعض شروط جیسے ملک میں افراتفری نہ ہونے امن، عوام کے صابر و بردبار ہونے، اغیار پر اعتماد و توکل نہ کرنے[10] اور جزئی و ذاتی مسائل و اختلاف انگیز باتوں سے پرہیز کرنے کے قائل ہیں۔

---

1. ایضاً، ج۸، ص۱۳ و ج۱۹، ص۱۰۹، ۱۴۱۔
2. ایضاً، ج۱۵، ص۸۵، ۱۸۲۔
3. ایضاً، ج۴، ص۲۵۲۔
4. ایضاً، ج۱۵، ص۱۳۵، ۲۰۰۔
5. صحیفہ امام، ج۱۷، ص۲۵۔
6. ایضاً، ج۱۹، ص۲۵۳ و ج۸، ص۵۳۔
7. ایضاً، ج۱۷، ص۲۶۔
8. ایضاً، ج۱۵، ص۱۸۲۔
9. ایضاً، ج۷، ص۱۵۵، ۱۶۲۔
10. ایضاً، ج۱۵، ص۱۸۲۔

[1]آپ امن وامان کی فضا ہی میں ملک کے ارتقااور انقلاب کی حفاظت اور عسکری وفوجی قوا کی صحیح کارکردگی کو ممکن سمجھتے ہیں۔[2]

۶۔ داخلی وخارجی اعتبار سے اطلاع رسانی کی تقویت وتوسیع

حضرت امام خمینیؒ اغیار کے ثقافتی تسلط کی نفی اور اسلام کی قوی وموثر ثقافت کی ترویج کو انقلاب کے مقاصد سمجھتے ہیں۔[3]آپ اغیار واستعمار بے بنیاد پروپیگنڈے کے اثرات کو ختم کرنے اور اسلام کی تبلیغ کی تقویت کے خواہاں ہیں[4]تاکہ اسلامی انقلاب برآمد ہو اور اسلامی ثقافت کی تبلیغ ہو، اسلامی اقوام آگاہ ہوسکیں اور اسلامی ممالک ایک دوسرے پر تکیہ کریں اور مستضعفین عالم، اسلامی قدرت واقتدار پر اطمینان واعتماد رکھیں۔[5]آپ استکباری دشمنوں کے پروپیگنڈے کو ختم کرنے کیلئے خود اعتمادی وخود باوری کی تاکید فرماتے ہیں[6]اس لیے کہ خود باوری، خود اعتماد، خود سازی اور ایمان کے قوی ومحکم ہونے سے وجود میں آتی ہے اور خدا سے غافل افراد کے غلط پروپیگنڈہ، رعب ووحشت اور احساس کمتری سے مسلمانوں کے تحفظ کا سبب ہے۔[7]آپ داخلی اطلاع رسانی کی تقویت کے سلسلہ میں میڈیا، مجلات وکتب کی اصلاح اور یورپی کلچر وثقافت کے خاتمے کی تاکید فرماتے تھے تاکہ عالم اسلام کے ام القریٰ کی حفاظت بخیر وخوبی ہوسکے۔[8] آپ خارجی اطلاع رسانی امور کے متعلق، عالم اسلام کے درمیان ایجاد ارتباط، استعماریت کے خلاف قدرتمند تحریک بین الاقوامی پروگراموں میں شرکت وموجودگی، عظیم حج کے ذریعہ اسلام کا پیغام مستضعفین عالم تک پہنچانے کیلئے استفادہ کئے جانے کی شدید تاکید فرماتے ہیں۔[9]اسی طرح اسلامی ممالک میں مساجد کی اہمیت وکردار کے قائل ہونے اور اس سے کنارہ کشی کے بجائے مختلف سیاسی مسائل کا استفادہ کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔[10]آپ اسلامی انقلاب برآمد کرنے کو مسلمانوں سے ارتباط اور مسلم ممالک میں مساجد کے کردار کو فعال کرنے سے مرتبط جانتے ہیں، کیونکہ مساجد اسلامی تحریک کا مرکز رہی ہیں۔

---

1. ایضاً، ج۶، ص۸۵،۸۶۔
2. ایضاً، ج۱۵، ص۱۰۷، ۱۴۵، ۲۰۰۔
3. ایضاً، ج۶، ص۲۱۹۔
4. ایضاً، ج۱۷، ص۲۵، ۱۵۷۔
5. صحیفہ امام، ج۱۵، ص۶۲۔
6. ایضاً، ج۸، ص۷۶۔
7. ایضاً، ج۱۶، ص۴۹ وج۱۷، ۲۵۔
8. ایضاً، ج۶، ص۱۵۳، ۹۱۔
9. ایضاً، ج۱۷، ص۲۹ وج۱۵، ص۱۹۰۔
10. ایضاً، ج۱۷، ص۵۴۔

۷۔عالم اسلام کے ام القریٰ کے طور پر ایران کی حفاظت

حضرت امام خمینیؒ ایک ملک میں ''اسلام کی بنیاد رکھنے'' کے نظریئے کی تاکید کے ساتھ ساتھ اس بات کے بھی قائل تھے کہ امت اسلامی کے ام القریٰ کی ذمے داری دو طرفہ ہے یعنی انقلاب اسلامی کی جانب سے مستضعفین و محرومین اور اسلامی اقوام کی حمایت اس بات کی مقتضی ہے کہ مستضعفین عالم و اسلامی اقوام بھی اسلامی انقلاب کی حفاظت کریں، کیونکہ یہ سامراج کی جانب سے مخالفت کئے جانے کا مرکز بنے۔[1] لہٰذا وہ مستضعفین جہان جو شیطانی قدرت کے زیر تسلط ہیں وہ ہمیشہ کوشش کریں کہ عالمی طاقتوں کے خلاف جدوجہد کے مرکز کی حیثیت سے ایران کا دفاع کریں، کیونکہ اس مرکز کی شکست تمام اسلامی ممالک میں موجود مستضعفین اور اسلام کی شکست پر منتج ہوگی۔[2]

انقلاب اسلامی کی ممکنہ شکست کے اسباب

ہم یہاں میں امام خمینیؒ کے بیانات کے ان حصوں کی طرف اشارہ کررہے ہیں جن میں آپ نے انقلاب اسلامی کی ممکنہ شکست کے اسباب بیان کئے ہیں۔امام خمینیؒ کے زاویہ نظر سے تحریک کو وجود میں لانے والے اسباب ہی اس کی بقا دوام کے اسباب ہیں اور تحریک کا اپنے اہداف و مقاصد سے انحراف صرف انقلاب کا نام باقی رہ جانے کا سبب ہوتا ہے۔[3] آپ اس سلسلہ میں چند اسباب کا ذکر فرماتے ہیں جیسے اسلامی واخلاقی اقدار سے انحراف، اختلاف و تفرقہ، سیاسی کنارہ کشی و بے توجہی، اسلام کی تبلیغ میں کاہلی اور اغیار کے پروپیگنڈہ و مغرب کی تہذیب سے مرعوب ہونا، بری کارکردگی، وابستگی، انقلاب کے اقدار و مقاصد کی تاریخی تحریف، انقلاب کا ملک کے اندر محدود ہونا، یہ چند اسباب ہیں جن کی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

ا۔اسلامی واخلاقی اقدار سے انحراف

حضرت امام خمینیؒ کا عقیدہ یہ ہے کہ تحریک کے اہداف کی مادی اہداف میں تبدیلی، اقدار مخالف امور کا اعتقادات و اقدار کی جگہ لینا، اقدار کی تحریف اور راحت طلبی اور عیش و عشرت کا رجحان اسلامی انقلاب کی شکست کے اسباب ہو سکتے ہیں۔[4] حضرت امام خمینیؒ اس سلسلے میں خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کیا یہ انقلاب اس لیے آیا تھا کہ لوگوں کو ایک مکان دے، لوگوں کیلئے روزگار

---

1. صحیفہ امام، ج۱۵، ص۱۱۷۔
2. ایضاً، ج۱۵، ص۱۹۰۔
3. ایضاً، ج۱۵، ص۲۲۲۔
4. صحیفہ امام، ج۱۵، ص۴۵، ۴۶۔

فراہم کرے؟ یہ انقلاب اسلام وخدا کیلئے تھا۔[1] اس لیے آپ مقصد سے غفلت کو تحریک کے رکنے کا سبب قرار دیتے ہیں[2] اور اس سلسلہ میں دین وسیاست کی جدائی کی ترویج کو انقلاب کے مقاصد سے انحراف قرار دیتے ہیں۔[3] اسی بناپر حضرت امام خمینیؒ انقلاب کی عنان سنبھالنے والوں کو خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہیں ایسا نہ ہو کہ خدمت کے بجائے حکمرانی کا جذبہ جنم لینے لگے اور خود پسندی وتعصب فرائض کی ادائیگی سے مانع ہوں، کیونکہ ایسی صورت میں انقلاب نقصان کا شکار ہو جائے گا اور اغیار اسلامی حکومت کی سرنگونی میں حریص ہوتے جائیں گے۔[4] لہذا عوام سے غفلت، مستضعفین وفقراپر عدم توجہ حکام کا عوام کی مصلحت کے بجائے شخصی مفادات کیلئے اقدام انقلاب اسلام کی کمزوری کا سبب ہے۔[5] آپ اسی طرح اخلاقی وتہذیبی انحراف کو بھی انقلاب کی شکست کا سبب قرار دیتے ہیں اور معتقد ہیں کہ معاشرے خصوصاً کالجوں ویونیورسٹیوں میں اخلاقی بے راہ روی کی ترویج اغیار کی تہذیب کا نفوذ جوانوں کے اندر گندی اور استعماری تہذیب کا روز بروز اضافہ، اس بات کا سبب بنتا ہے کہ عوام انقلابی مقاصد سے غفلت کریں اور استبداد واستعمار سے مبارزت کی فکر میں نہ ہوں۔ لہذا آپ تہذیب نفس کو انقلاب کی حفاظت ودوام کیلئے بے حد ضروری واہم سمجھتے ہیں۔[6]

۲۔اختلاف وتفرقہ

حضرت امام خمینیؒ انقلابی افراد میں اختلاف و تفرقہ اور عوام وحکومت میں افتراق انقلاب کی شکست کا دوسرا سبب قرار دیتے ہیں۔[7] آپ معتقد ہیں کہ معاشرے کے افراد میں اختلاف و تفرقہ اغیار واپس لوٹنے کا سبب ہے۔[8] آپ اس سلسلہ میں منافقین کے ما بین سازشی اتحاد سے باخبر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ان کا قصد علما اور عوام، شیعہ وسنی، یونیورسٹی وحوزہ علمیہ، احزاب و گروہ اسلامی مجاہدین وانقلابی افراد کے درمیان اختلاف و تفرقہ پیدا کرنا ہے۔[9] آپ دین وسیاست کی جدائی، علماء اور عوام، حکومت اور عوام کے

---

1. ایضاً، ج۱۳، ص۲۹۔
2. ایضاً، ج۷، ص۸،۹۔
3. ایضاً، ج۱۵، ص۲۰۲۔
4. ایضاً، ج۱۶، ص۲۶۵۔
5. ایضاً، ج۱۹، ص۱۰۴۔
6. ایضاً، ج۱۵، ص۴۵،۴۶، ۲۰۵ وج۱۹، ص۲۲۔
7. صحیفہ امام، ج۱۱، ص۲۳۰ وج۱۵، ص۸۵۔
8. ایضاً، ج۷، ص۹۹۔
9. ایضاً، ج۱۷، ص۲۹ وج۸، ص۴۰ وج۱۱، ص۶۳،۱۹۶۔

درمیان افتراق کو سب سے تفرقہ سمجھتے ہیں۔[1] آپ معتقد ہیں کہ عوام و علما کا تفرقہ و عدم مفاہمت انقلاب کے عدم دوام و بقا کا سبب ہے۔ لہذا آپ فرماتے ہیں: وہ عوام اور علماء کے درمیان فاصلہ واختلاف پیدا کر کے عوام پر مسلط ہونا چاہتے ہیں۔[2] آپ کے نزدیک انقلاب کیلئے اہم ترین آفت و مشکل، علماء کو تنہا اور الگ تھلگ کر دینا ہے۔ آپ علماء و دانشوروں کے ایک دوسرے سے بدگمان کئے جانے کے سلسلے میں خبر دار کرتے ہوئے اسے ایمان کی کمزوری سے تعبیر کرتے ہیں۔[3]

۳۔ سیاسی کنارہ کشی

امام خمینیؒ انقلاب کے وقوع بعد انقلابیوں کی کنارہ کشی اور مایوسی کو انقلاب کیلئے نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ آپ عوام کی تحریک کے سلسلہ میں بے توجہی، کنارہ کشی، شخصی امور میں مصروفیت اور شہیدوں کے خون اور ثمرات انقلاب کی حفاظت نہ کرنے کو عظیم نقصان سے تعبیر کرتے ہیں[4] اور فرماتے ہیں: شاہ کے افراد اور امریکہ و روس کے ایجنٹ مسائل کو کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ہمارے عوام کو انقلاب سے مایوس کریں۔[5] لہذا آپ مشکلات کے مقابل کمزوری، سیاسی مسائل میں افراد معاشرہ کی کنارہ کشی، عوام کی جانب سے ملک کے حکام کے افعال واعمال پر نگرانی نہ کئے جانے اور ان کی غلطیوں پر ان کا مواخذہ نہ کئے جانے[6] کو انقلاب اسلامی کیلئے نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ آپ ناامیدی کو ابلیس کا حربہ بتاتے ہوئے انقلابی افراد کو امیدوار ہونے کی تاکید کرتے ہیں اور انہیں سیاسی شرکت اور میدان میں رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔

۴۔ اغیار کے پروپیگنڈے اور مغربی تہذیب سے مرعوب و متاثر ہونا، اور اسلام کی تبلیغ میں کوتاہی

حضرت امام خمینیؒ خالص محمدیؐ اسلام کی حقیقت کے تعارف اور انقلاب برآمد کرنے کے سلسلے میں تبلیغ کی اہمیت کی تاکید فرماتے ہیں اور معتقد ہیں کہ انقلاب کیلئے اہم ترین مسئلہ مغرب کے غلط پروپیگنڈے کے نتیجے میں عوام کے حوصلوں کا کمزور ہونا ہے، کیونکہ بے محتویٰ انقلاب مشرق و مغرب کی تہذیب و منفی پروپیگنڈے کے مقابل قابل شکست ہے۔ لہذا آپ اغیار کے پروپیگنڈے کے مقابل ہوشیاری اور عقلمندی کے خواہاں ہیں اور اسلام و انقلاب کے دشمنوں کے بے بنیاد پروپیگنڈے پر توجہ دینے سے منع فرماتے

---

1. ایضاً، ج۱۵، ص۲۰۲۔
2. ایضاً، ج۱۲، ص۱۰۶، ۱۰۷۔
3. ایضاً، ج۱۷، ص۵۴۔
4. ایضاً، ج۱۶، ص۷۴و ج۷، ص۹، ۸و ج۲۵، ص۲۰۲۔
5. صحیفہ امام، ج۱۳، ص۲۹۔
6. ایضاً، ج۱۵، ص۶۲، ۶۷۔

ہیں۔[1] آپ معتقد ہیں کہ استکباری واستعماری طاقتیں اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے ان مسائل کو بڑا کر کے پیش کریں جن سے ایرانی عوام کو ضرر پہنچتا ہے اور ان مسائل کو حقیر وپست ظاہر کرتی ہیں جو ایرانی عوام کے فائدے کیلئے ہیں۔[2] اور یہ ظاہر کر کے کہ ایران میں بدامنی کا ماحول پایا جاتا ہے[3] ایران کے مسلمان عوام کو مایوس کرنا چاہتی ہیں۔ لہذا آپ کی نگاہ میں استکباری پروپیگنڈے سے ملک کے ذرائع ابلاغ کا متاثر ہونا، سازشوں سے خوفزدہ ہونا اور استعمار کے ذرائع ابلاغ کے مقابل ناتوانی کا اظہار جائز نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں: وہ اپنے باطل کو نشر کرتے ہیں اور تم اپنے حق کو بھی بیان نہیں کرتے۔[4] لہذا آپ جمہوری اسلامی کے ذرائع ابلاغ کو مشرق ومغرب کے زہریلے پروپیگنڈے کے مقابل کوتاہی سے خبردار کرتے ہیں اور انہیں اسلامی انقلاب واسلام کے انحراف کیلئے استعماریت کے اقدام سے ہوشیاری کا حکم دیتے ہیں۔

۵۔غلط مینیجمنٹ

حضرت امام خمینیؒ انقلاب کیلئے ایک اور آفت فکر وعمل کی کمزوری[5] کو بتاتے ہوئے دو نکات بیان فرماتے ہیں:

۱۔ حکومت کے امور میں غیر مرتبط اداروں اور غیر قانونی گروہوں کی مداخلت[6]

۲۔ انقلاب مخالف، بے اعتنا بد عنوان اور معاشرے کیلئے نقصان دہ عناصر کا حکومتی اداروں میں گھسنا، آپ ایسے عناصر سرطانی غدود سے تشبیہ دیتے ہیں اور آپ کے نزدیک ایسے عناصر کو معاشرے کی سلامتی کیلئے ان اداروں سے نکال باہر کیا جانا چاہیے۔[7]

حضرت امام خمینیؒ حکومت کے امور کی صحیح مینیجمنٹ کی تاکید فرماتے ہوئے، جمہوریہ اسلامی ایران کے حکام کو نصیحت کرتے ہیں کہ جزوی خطا کی تکرار منافقین واستعمار کیلئے ملک کے داخلی امور میں مداخلت کا سبب ہے۔ لہذا آپ لوگ ہوشیاری سے کام لیں۔[8]

---

1. ایضاً، ج ۱۶، ص ۷۴۔
2. ایضاً، ج ۶، ص ۱۸۴۔
3. ایضاً، ج ۱۵، ص ۱۹۶۔
4. صحیفہ امام، ج ۱۴، ص ۱۷۲۔
5. ایضاً، ج ۱۹، ص ۱۰۸۔
6. ایضاً، ج ۱۹، ص ۵۰۔
7. ایضاً، ج ۱۶، ص ۲۴۔
8. ایضاً، ج ۱۶، ص ۱۱۔

۶۔وابستگی

حضرت امام خمینیؒ انقلاب کیلئے اہم ترین آفت فکری خود مختاری کے ختم ہو جانے اور فکری وابستگی کو جانتے ہیں۔ آپ معتقد ہیں کہ ہمیں درآمدات کا خیال ذہن سے نکال دینا چاہیے۔[1] آپ استعمار کے مقابل ہوشیاری کی تاکید کرتے ہوئے ایرانی عوام کو اسلامی مرکز پر تشہیراتی حملے سے خبردار کرتے ہیں۔[2] آپ اقتصادی و عسکری مسائل میں اغیار سے وابستگی کو عوامی ذخائر کا تلف ہونا جانتے ہیں۔[3] لہذا حکومت کو حکم دیتے ہیں کہ ایسے غیر ملکی مشیروں کی خدمات حاصل نہ کریں جن سے اغیار سے ملک کے وابستہ ہونے کا سبب ہوتا ہے۔

۷۔انقلاب کی قدروں اور مقاصد کی تاریخی تحریف

حضرت امام خمینیؒ آئندہ نسلوں کے بیدار رہنے کی ضرورت کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہمیں اس تحریک کی تاریخ کو تحریر کرنا چاہیے تاکہ آئندہ نسلوں و معاشروں کیلئے نمونہ بنی رہے۔ ضروری ہے کہ آئندہ نسلوں کی بیداری اور خود غرض افراد کی غلط تحریر کو روکنے کیلئے فرض شناس اہل قلم، مکمل تحقیق کے ساتھ اسلامی تحریک کی تاریخ تحریر اور مسلمانوں کے قیام و مظاہرے جو مختلف شہروں میں ہوئے ان کو جذبہ و تاریخ کے ساتھ رقم کریں تاکہ اسلام و علماء کی تحریک، آئندہ نسلوں و معاشروں کیلئے نمونہ عمل قرار پائے۔[4]

۸۔انقلاب کا ملک کے اندر محدود ہونا

امام خمینیؒ انقلاب کیلئے ایک اور آفت و مشکل، انقلاب کے برآمد نہ ہونے اور اس کے ملک کے اندر محدود ہونے کو جانتے ہیں اور اس سلسلہ میں ایران کے اسلامی انقلاب کی مرکزیت اور تحریک کی جائے پیدائش کی حیثیت سے اسے ناکام بنانے پر مبنی دشمنوں کی سازشوں سے خبردار کرتے ہیں۔[5] اگرچہ آپ ام القریٰ اسلام کی حفاظت کو اہم واجبات میں سے جانتے ہیں لیکن معتقد ہیں کہ تحریک کو ایران کے اندر محدود ہو کر نہیں رہ جانا چاہیے۔ آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ سامراج انقلاب کے برآمد ہونے کے خطرے کو بھانپ چکا

1. ایضاً،ج۱۴،ص۷۸۔
2. صحیفہ امام،ج۱۷،ص۲۹۔
3. ایضاً،ج۱۵،ص۱۱۷۔
4. ایضاً،ج۲،ص؟؟؟۔
5. ایضاً،ج۱۵،ص۱۵۷۔

ہے اور انقلابی شعلوں کے نفوذ کو روکنے میں مصروف ہے کہ اس سے وابستہ مراکز خاکستر میں تبدیل نہ ہو جائیں۔[1] لہذا وہ مرکز تحرک ومبدأیعنی ایران کی سرکوبی کا خواہاں ہے۔[2] اس بناپر حضرت امام خمینیؒ خبر دار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: استکباری طاقتیں علاقہ میں اسرائیل وصدام کی حکومت جیسی اپنی پٹھو اور ایران مخالف حکومتیں قائم کر کے اسلام وایران سے مقابلہ کرنا چاہتی ہیں۔[3] اسی طرح علاقہ کی حکومتیں اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ افراتفری کا ماحول پیدا کرنا چاہتی ہیں [4] اور جنگ کے ذریعہ انقلاب اسلامی کے برآمد کئے جانے کا مقابلہ کرنا چاہتی ہیں۔ آپ تحریک کے اہداف اور اقدار کے برآمد کئے جانے اور انقلاب اسلامی کے کیلئے نقصان دہ امور کی شناخت کی تاکید فرماتے ہیں۔

نتیجہ

جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس کی روشنی میں یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ حضرت امام خمینیؒ انقلاب کے سلسلہ میں وسیع اور حداکثر وجامع نظر کے حامل تھے اور انقلاب وقیام کے معنوی واسلامی پہلو پر زیادہ سے زیادہ زور دیتے تھے اسی بناپر تحریک کیلئے اسلامی مقاصد ومعنوی اہداف کے قائل ہوتے ہوئے شاہ کی اسلام مخالف پالیسی کو قیام کے ظہور کا اصل سبب قرار دیتے ہیں، انقلاب اسلامی کی کامیابی کی اصل علت عوام کے اسلام واسلامی اقدار کی طرف ان کے میلان ورجحان کو جانتے ہیں جو ایرانی معاشرے میں وسیع پیمانہ پر موجود ہے، قیام کا اسلامی ہونا امام کی نظر میں مادی ورفاہی مسائل سے منافات نہیں رکھتا ہے اسی بناپر حضرت امام خمینیؒ حکام کو مستضعفین ومحرومین کا معیار زندگی کو بہتر بنانے اور رفاہ وسعادت کا حکم دیتے ہیں۔ آپ کی نگاہ میں انقلاب کا اسلامی ہونا جمہوریت نظام کے اہتمام سے مانع نہیں ہے اور آپ کی جانب سے اجتماعی وفردی آزادی خصوصاً معاشرتی اداروں جیسے جماعتوں، انجمنوں، بااثر گروہوں اور ذرائع ابلاغ کو آزادی دینے پر زور دیا جانا اس دعوے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ تمام سیاسی ومادی مسائل کو مذہبی ومعنوی مسائل کی فرع تصور کرتے تھے اور تحریک کی کامیابی اور دوام کو الطاف الٰہی وعنایت خداوندی قرار دیتے ہوئے اخلاقی وادراکی ارتقاء کو انقلاب کا ثمرہ سمجھتے تھے اور نظام کی اسلامیت اور معنویت کی حفاظت کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے۔ آپ معتقد تھے کہ قیام شرعی فرض اور ذمہ داری ادا کرنے کیلئے تھا۔ اسلامی ممالک کی اصلاح بھی مد نظر تھی۔ لہذا انقلاب اور اسلامی اقدار کے برآمد کئے جانے کو اسلامی ملل کیلئے ضروری سمجھتے تھے۔ آپ اسلامی اقدار کو وطن وملک سے بالاتر جانتے ہوئے ام القریٰ میں تحریک کے استحکام کے خواہاں

---

1. صحیفہ امام، ج۱۵، ص۲۰۱۔
2. ایضاً، ج۱۵، ص۲۰۲۔
3. ایضاً، ج۱۷، ص۳۱۔
4. ایضاً، ج۱۵، ص۱۵۷۔

تھے۔آپ مبدأتحریک کی حفاظت کوعالم اسلام کے درمیان اسلام کی تبلیغ کیلئے بنیادی قدم جانتے تھے۔اس سلسلہ میں آپ عالم اسلام کے درمیان غیر حکومتی روابط کی زیادہ تاکید فرماتے تھے اور حکومتی روابط وعناصر کے ذریعہ تبلیغ واطلاع رسانی کو دوسرے درجہ پر رکھتے تھے اگرچہ آپ اسلامی حکومت کی بنااورام القریٰ اسلام کے استحکام کی تحکیم کوایک ہی ملک کیلئے تاکید فرماتے تھے لیکن قیام کے ایک ملک کے اندر محدود ہونے کو انقلاب کیلئے بہت بڑا نقصان قرار دیتے تھے اور انقلاب کے اقدار ومقاصد کے برآمد کئے جانے عالم اسلام کی آگاہی وبیداری، تعمیر نواور ملک کے اندراور ملک سے باہر تبلیغ کیلئے اہتمام اور ذات خداوند پر توکل واعتماد کی تاکید فرماتے تھے۔

امید ہے کہ حضرت امام خمینیؒ کے افکارو نظریات علمی حلقوں خصوصاً انقلاب کے مفکرین کیلئے مشعل راہ واقع ہوں گے۔

{ آمین یاربّ العالمین }

انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے سلسلے میں چھ نظریات (سید صادق حجت)

انقلابات تاریخی واقعات کے چوراہے میں واقع ہوتے ہیں اور کم ہی واقع ہوتے ہیں۔ عام طور سے سماجی مسائل تکرار کے قابل نہیں ہیں۔ لہذا انقلابات کی تاریخ اور ان میں موثر امور کا گہرا جائزہ ممکن نہیں ہے سیاسی، سماجی، اقتصادی، ثقافتی چھوٹے بڑے فراواں مسائل تاریخ کے خاص اوقات میں جمع ہوتے ہیں تو انقلاب رونما ہوتا ہے۔ لہذا سماجی تجزیہ نگار تمام موثر امور کے احاطے پر قادر نہیں بلکہ ان اسباب کے اثرات کا اندازہ بھی ممکن نہیں ہے۔

ایران کا اسلامی انقلاب مذکورہ مشکلات سے مستثنیٰ نہیں، بلکہ انقلاب اسلامی خاص مسائل کا حامل ہے جن کا تجزیہ نسبتاً زیادہ مشکل ہے، سابقہ طاقتور شہنشاہیت کا وجود اور اس کی بین الاقوامی خصوصاً امریکہ کی جانب سے حمایت، سیاسی میدان میں عوام کی بے نظیر حرکت اور اس تحریک میں مذہب وعقیدہ کا کردار ان امور میں سے ہیں۔

دنیا میں جاسوسی کے بڑے ادارے خصوصاً امریکی خفیہ ادارہ C.I.A بھی انقلاب کی کامیابی سے چند ماہ قبل تک انقلاب کی کامیابی کا اندازہ لگانے سے قاصر تھا، انقلاب کی کامیابی کے بعد بھی تجزیہ نگار اور مفکرین، فکری و نظری اختلاف کا شکار رہے، اس منفرد حادثہ واتفاقات کے سلسلہ میں مختلف نظریات وافکار کی بھرمار اور مختلف طرح کے تجزیئے اس اختلاف کا ثبوت ہیں۔ انقلاب کی کامیابی کے دو عشرے گزرنے کے بعد بھی بہت کم عمیق و مستدل تحقیقی نظریات انقلاب اسلامی کی کامیابی اور اس کے اسباب کے سلسلہ میں ملتے ہیں، اکثر غیر ملکی محقق و مصنف انقلاب اسلامی اور اس کے اسباب کی شناخت نہ رکھنے کی بنا پر اپنی تحریر، تحقیق اور تجزیئے میں خطا کا شکار ہوئے ہیں۔ فارسی کتب میں بھی جامع و متقن تحریر دیکھنے کو نہیں ملتی ہے۔ انقلاب اسلامی کی کامیابی کے سلسلہ میں پیش کردہ نظریات جیسے نظریہ سازش، نظریہ ماڈرنائزیشن، نظریہ اقتصاد، نظریہ مذہب، نظریہ استبداد وغیرہ تنوع بحث کے اعتبار سے شائد مورد پسند ہو لیکن ہر ایک نظریہ متفاوت حیثیت سے مورد چیلنج واقع ہوا ہے ہیں۔ بہرحال انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے اسباب کے سلسلہ میں ان تمام مسائل و نظریات کا وجود ایک نئی تحقیق و تجزیہ کی ضرورت کو بیان کرتا ہے لیکن شائد بعض افراد کے ذہن میں یہ سوال پیش آئے کہ انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کو ایک عرصہ ہو چکا ہے، اب ایسے مسائل کو پیش کرنے کا ہدف کیا ہے؟ اسلامی انقلاب کے سلسلہ میں جدید نظریہ کے وجود کی کیا ضرورت ہے؟ بہتر نہیں ہے کہ ہم اپنی موجودہ پالیسیوں کو ملک مفادات پر استوار کریں اور گزشتہ مسائل اور دیرینہ دشمنیوں کو فراموش کردیں؟ اس سوال کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ قدیمی دشمنی کو

فراموش کرتے ہوئے آئندہ پر نگاہ کرنا جیسا کہ نیلسن منڈیلا جنوبی آفریقہ کیلئے معتقد ہے، وہ انقلاب کے نتائج و نظریات کی تحقیق و تجزیئے سے جدا ہے ہم دو اہم دلیلوں کی بناپر نظریاتی تجزیئے کے قائل ہیں:

۱۔ ہر انسان کو حق ہے کہ اپنی تاریخ و ماضی سے باخبر ہو کہ یہ مسئلہ بذات خود اہمیت رکھتا ہے۔

۲۔ ہمارے اکثر موجودہ نظری و علمی مسائل کی بنیاد ماضی کے تجزیئے میں پوشیدہ ہے۔ لہذا ایران وانقلاب کی تاریخ سے لا علمی، ابہام، گمراہی اور واضح پالیسی کے فقدان کا سبب ہے۔ ذیل کے سوالات و مثالیں انقلاب کے تجزیہ کی نوعیت سے بالواسطہ یا بلا واسطہ تعلق رکھتی ہیں:

۱۔ اسلامی قوم پرست اور مارکسسٹ گروہ، انقلاب کی کامیابی میں کس قدر شریک تھے؟

۲۔ مارکسسٹ یا ان سے ملتے جلتے گروہوں اور قوم پرست گروہوں کا انقلاب کے بعد کالعدم قرار دیا جانا کس بناپر تھا؟

۳۔ ایرانی عوام انقلاب کے وقت کس حد تک مذہبی تھے یا آئندہ کیلئے مذہب کے خواہاں تھے؟

۴۔ آیا ایرانی عوام سیاست میں مذہب کی شرکت اور ولایت فقیہ کے نظریہ سے اچھی طرح واقف تھے؟ لہذا انقلاب اسلامی کی کامیابی اور اس کے اسباب، سیاست میں دین کی شرکت کے سلسلہ میں تحقیق و تحیص ہمیں گزشتہ تاریخ سے آشنا کرنے کے علاوہ عصر حاضر کے بعض مسائل جیسے نظام اسلامی کے جواز سے بھی متعلق ہے۔

بحث کی روش

سماجی وانسانی علوم کی تحقیقی روش، طبیعی علوم کی تحقیقی روش سے مختلف ہوتی ہے۔ اول دستہ کے حوادث عام طور سے تکرار پذیر نہیں ہیں، ان میں دخیل اسباب کو آسانی سے تمیز نہیں دیا جاسکتا ہے۔ انقلاب کا مسئلہ ان مشکلات کے علاوہ خاص مشکلات رکھتا ہے۔ تاریخ میں انقلابات بہت کم ہیں اور ان کے تکرار کا امکان بھی نہیں ہے کسی فرد نے شائد اپنی پوری زندگی میں ایک انقلاب کا مشاہدہ وہ بھی خاص زمانی و مکانی خصوصیت کے ساتھ کیا ہو، لہذا انقلاب کے آغاز و ظہور کے علل واسباب کی تعمیم غیر ممکن ہے۔

زیر بحث موضوع جیسے موضوعات کے محتوائی تجزیئے کی روش بہت زیادہ فائدہ مند ہے، اس روش کا ذکر عام طور سے تاریخی، توصیفی، تحلیلی و تفسیری روش کے عرض میں کیا جاتا ہے۔ پیسلی کے مطابق محتوا کا جائزہ، اطلاعات کی جمع آوری کا ایک مرحلہ ہے جس

میں محتوای ارتباطات، مقولہ بندی کے عینی و منتظم قواعد کے وسیلہ سے خلاصہ یا موازنہ ہونے والی اطلاعات کی صورت میں تبدیلی آتی ہے (غیبت، انتظام و عمومیت، تحلیل محتویٰ کی شرطیں ہیں) تحلیل محتویٰ کے شروط سے مراد عینیت یعنی تحقیق کا واضح قواعد و روش کی بنیاپر ہونا ہے، انتظام یعنی مقولہ و محتویٰ کا دائرہ طرد و شمولیت پر پیکٹیکل قواعد کے مطابق منظم ہونا، عمومیت یعنی نظری ارتباطات کا با ہم ہونا۔[1]

محتویٰ کے تجزیئے کی روش خاص کر انقلاب کے منشور کو سمجھنے کیلئے قائد انقلاب کے پیغامات، تقاریر اور متعلقہ دستاویزات زیادہ اہم حیثیت رکھتی ہیں، زیادہ وقت درکار ہونے کی بنا پر دوسری روش کو پیش نہیں کیا جارہا ہے، جیسے سوال نامہ، شبیہ سازی وغیرہ اس تحقیق میں ہماری بنا چند اقسام سے تعلق رکھتی ہے اگرچہ اپنی خصوصی شکل کی حامل ہے اس بنا پر بادشاہت کے جواز کے خاتمے کو انقلاب اسلامی کی کامیابی کے مسئلہ سے جدا سمجھنا چاہیے، ہر نظام اپنے سقوط سے قبل اپنا جواز کھو بیٹھتا ہے بادشاہت کے جواز کے خاتمے کے اسباب اور انقلاب اسلامی کی کامیابی میں دخیل اسباب ہو سکتا ہے مشترک نقاط رکھتے ہوں لیکن بہر حال دونوں جدا مسائل کے حامل ہیں اور ممکن ہے دونوں کے خاص علل و اسباب ہوں لہذا دونوں کے موثر اسباب جدا طور سے بیان ہونا چاہیے۔ بادشاہت کے جواز کا خاتمہ اور اس کا موثر سبب شاہ کی ماڈر نائزیشن کی پالیسی تھی پہلوی حکومت کی جدید کاری خاص نوعیت کی تھی جو سیاسی ترقی اور ثقافتی بحران کو اہمیت دیئے بغیر تمدن کے دروازوں کی طرف سرعت کے ساتھ رواں دواں تھی۔ اگر جدید کاری کا عمل عجلت پسندی میں نہ ہوتا تو بلاشبہ ایران کے سیاسی و سماجی تحولات کی صورتحال کچھ اور ہی ہوتی۔

اس تحقیقی مفروضے کی بنیاد پر انقلاب اسلامی کی کامیابی کا شاخص و کلیدی کردار مذہبی قیادت کا ہے۔ ایران کے انقلاب میں مطلق (مذہبی قید کے بغیر) قیادت زیادہ اہمیت کی حامل نہیں لہذا انقلاب اسلامی کی کامیابی کا اہم ترین سبب مذہبی و دینی قیادت ہے۔

حضرت امام خمینیؒ نے اپنی خاص عرفانی، سیاسی، فقہی و ذاتی صفات و خصوصیات کے ذریعہ انقلاب کی کشتی کو کامیابی کے ساحل تک پہنچایا اگر ان کی جگہ پر کوئی دوسری فرد ہوتی تو اس انقلاب کا خواب کامرانی کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہ ہوتا۔ اگر ایک انقلاب کے موثر اسباب کو تین اقسام یعنی مکتب (عقیدہ)، عوام، قیادت میں تقسیم کیا جائے[2] تو انقلاب ایران میں تیسرا سبب یعنی قیادت دوسرے دو اسباب سے زیادہ موثر ہے اگرچہ مذہبی قیادت بھی مکتب عقیدہ کیلئے مبلغ و مروج ہے مذہبی رہبروں کے ذریعہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے ممکن ہے کہ مذہبی رہبر متعدد، ہم پلہ اور غیر فعال ہوں لیکن ایران کے انقلاب میں مذہبی قیادت حضرت امام خمینیؒ جیسی مدبر شخصیت میں جلوہ گر ہوئی ہے۔

مذکورہ مفروضہ اس لیے چند علتی ہے کہ اول شہنشاہیت کے زوال کے جواز کے مسئلہ کو انقلاب کی کامیابی کے مسئلہ سے جدا کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ماڈرنائزیشن کے مفروضے کے بطن میں سریع وناموزون اقتصادی رشد وسیاسی وثقافتی عدم پیش رفت پوشیدہ ہے۔

مذکورہ مفروضے کے اثبات کیلئے زیادہ اوراق واوقات درکار ہیں جو کچھ اس مقالہ میں پیش کیا جارہا ہے صرف اس مفروضے کا تعارف اور شواہد وقرائن کی جمع آوری ہے تاکہ احتمال صحت کا اثبات ہو سکے ورنہ حق مطلب ادا ہونے کیلئے تمام متعلقہ متون کی طرف رجوع اور ان سے استفادہ کیا جانا چاہیے، اسی طرح تمام روشوں جیسے محتویٰ کے تجزیئے کی روش سے بھی استفادہ کیا جانا چاہیے۔ اس مختصر مقالہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

انقلاب اسلامی کے مطالعہ کے سلسلہ میں مختلف رجحانات کا ذکر کرنے کے بعد تحقیقی مفروضے کے اثبات کیلئے، رقیب مفروضوں کو بھی پانچ نظریات (سازش، ماڈرنائزیشن، اقتصاد، مذہب، استبداد) کی صورت میں پیش کر کے ان کے دلائل کو بھی پیش کیا جائے گا۔ نظریات کے تنقیدی جائزے اور کمزور کی نشان دہی کے بعد جدید نظریہ کیلئے زمین ہموار ہوگا اس جدید نظریہ ومفروضے میں اول تحقیقی نظریہ پیش ہوگا پھر اس مقالہ کی گنجائش کے مطابق محدود پیمانہ پر شواہد وقرائن ذہن کو قریب لانے نیز آئندہ تحقیقات کیلئے ذہن آمادہ کرنے کیلئے پیش کئے جائیں گے۔

ایران کے اسلامی انقلاب کے مطالعہ میں مختلف اپروچز

ایک تقسیم بندی کے ذریعہ انقلاب اسلامی کے مطالعہ میں مختلف اپروچز کو چند اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: [۳۳]

ا۔ انقلاب کی ثقافتی وتہذیبی اہمیت

مثال کے طور پر علی دوانی، کتاب نہضت روحانیون ایران، میں تحریر فرماتے ہیں: شاہ کے سقوط کی علت کو اسلام اور علماء کی طاقت جس نے عوام کو اسلامی نعروں کی بنیاد پر آمادہ کر دیا، میں تلاش کرنا چاہیے۔ نیز حامد الگار، کتاب ریشہ ہائے انقلاب اسلامی، میں حضرت امام خمینیؒ کی قیادت کو اسلامی سنت کا مجسم اور اسلام کو ایک عظیم آئیڈیالوجی کے عنوان سے بیان کرتا ہے۔

آصف حسین، کتاب ایران اسلامی، میں محققین کو فکری عنصر کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مذکورہ مصنفین جو انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں مثبت رائے رکھتے ہیں، کے علاوہ بعض ناقدین انقلاب جیسے سعید امیر ارجمند دو اہم بنیادی اسباب یعنی مرجعیت تشیع اور

ماڈرنائزیشن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حسن الزین، کتاب الثورۃ الایرانیہ فی ابعادہا الفکرۃ الاجماعیہ، میں انقلاب کی کامیابی کی علت مذہب کو بیان کرتا ہے۔البتہ اپنی توضیح میں رہبری کو بھی انقلاب کا سبب بتاتا ہے۔

مذکورہ طرز فکر، انقلاب کے تہذیبی سبب کے طورپر تشیع وعلما کو پیش کرتا ہے اور دوسرے اسباب جیسے سماجی سیاسی واقتصادی اسباب کو نظرانداز کردیتا ہے۔

۲۔اقتصادی وعمرانی اسباب کی اہمیت

رابرٹ لونی، کتاب ریشہ ہائے اقتصادی ایران، میں لکھتا ہے کہ شاہ ترقی کی حکمت عملی، پروگرام اور ہدف کے رابطہ اور افراط زر سے پیدا شدہ مشکلات پر توجہ نہیں کرتا تھا پس حکومت کی ماڈرنائزیشن نے ایک بحران پیدا کردیا جس کی بناپر آمدنی کی تقسیم عدم مساوات کا شکار ہوئی اور عمومی ناراضگی کا سبب قرار پایا۔

ہمایون کاتوزیان، کتاب اقتصاد سیاسی ایران، میں ۷۸۔۱۹۶۱ء کے سالوں کو تیل کے استبداد سے یاد کرتا ہے اس کی نظر کے مطابق یہ امر اور ماڈرنائزیشن انقلاب ایران کے ریشے اصل اسباب ہیں۔تدااسکاچپل اپنے مقالہ ''دولت تحصیلدار واسلام شیعی در انقلاب اسلامی، میں شہادت پسندی جیسے نظریات والی شیعی آئیڈیالوجی کوانقلاب کا سبب قرار دیتا ہے۔یہاں پر دو نکات کی طرف توجہ ضروری ہے:

اول: اقتصادی اسباب کودوسرے اسباب کے حق پر منتج نہیں ہوناچاہیے۔

دوم: بعض آراء انقلاب کے ریشہ پر توجہ کرتے ہیں جیسے کاتوزیان اور بعض ظہور انقلاب کے علل کو بیان کرتے ہیں جیسے اسکاچپول۔

۳۔1نفسیاتی اسباب

ماروین زونیں، کتاب شکست شاہانہ، میں لکھتا ہے کہ اگر شاہ کی شخصیت بچگانہ نفسیات کی حامل نہ ہوتی تو انقلاب کو روکا جاسکتا تھا۔ سماجی نفسیات کا جائزہ اس نکتے پر تاکید کرتا ہے کہ انقلاب سے قبل لوگوں کی توقعات اور ان توقعات کے پورا کئے جانے کی سطح میں فاصلہ پیدا ہو چکا تھا۔اس قسم کی فردی واجتماعی توقعات کے ارتباط کو اچھی طرح بیان نہیں کرتا ہے، نیز دوسرے اسباب پر توجہ نہیں دیتا ہے جیسے معاشرے میں بعض جماعت کی محرومیت، علما کے ذریعہ انقلاب کی رہبری کہ اس جائزے میں واضح نہیں کی گئی ہے۔

۴۔۱۱انقلاب کے سیاسی عوامل کی شناخت

ابراہامیان کہ جو ہانٹینگٹن کے Functionalism کا ترجمان ہے، کے اعتقاد کے مطابق وقوع انقلاب کی علت سماجی واقتصادی سطح پر شاہ کی تعمیر نو پالیسی کا اجراء تھا جس کی بناپر جدید متوسط طبقہ اور صنعتی مزدور طبقہ گسترش پانے لگا تھا مگر سیاسی سطح پر ترقی نہ ہوسکی۔ دوسرا سیاسی موقف چارلز ٹیلی کی آراو نظریات پر مشتمل ہے۔ میثاق پارسا، کتاب ریشہ ہائے اجتماعی انقلاب میں آیت اللہ خمینی کی رہبری میں تجار اور سماجی گروہ کے مشترک مفادات رکھنے والے افراد کے قیام کو انقلاب کی علت بتاتا ہے۔ Functionalism پر مبنی تجزیئے نے کسی حد تک وقوع انقلاب کے اسباب کو پیش کیا ہے لیکن انقلاب کے علل واسباب تجزیئے کے سلسلہ میں ایک نظام پیش کرنے میں ناتوان ہے۔

۵۔۱چند علل واسباب پر مبنی اپروچ

انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں تجزیہ نگار افراد مختلف اسباب کے تقارن کا نظریہ رکھتے ہیں اور انقلاب کو ان مختلف علل کا نتیجہ مانتے ہیں۔ مایکل نیشز حالانکہ تہذیبی وثقافتی اسباب کو قبول کرتا ہے لیکن انقلاب کے علل کو سیاسی اقتصادی مانتا ہے۔ وہ انقلاب کی شکل، محل وقوع اور نوع انقلاب تحقیق کرتے ہوئے اسے مذہبی اعتراض کا نتیجہ سمجھتا ہے یعنی انقلاب کی علت سیاسی واقتصادی ہے لیکن انقلاب مذہبی نوعیت کا ہے۔

نیکی کدی بھی شاہ کی عجلت پسندی پر مبنی اصلاحات اور شیعی فکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے انقلاب کا سبب قرار دیتا ہے۔

فرد ہالیدی نے مقالہ انقلاب ایران توسعہ ناموزون ومردم گرائی، میں انقلاب ایران کے پانچ اسباب بیان کئے ہیں ۔ ناموزوں وسریع ترقی ایران میں سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام، شہنشاہی حکومت کی سیاسی کمزوری، حکومت مخالف طاقتوں کا وسیع پیمانہ پر اتحاد اور طاقتوں کو ہم آہنگ میں اسلام کا کردار، بین الاقوامی ماحول کا نامعلوم وماحول کا متغیر ہونا۔ فرہی فریدہ نے مقالہ فروپاشی دولت وبحران انقلابی در شہرہا میں ایران ونیکاراگوا کا موازنہ کرتے ہوئے کوشش کی ہے کہ اسکاچپل کے نظریہ پر دو اسباب کا اضافہ کر کے بیان کرے، سرمایہ داری کی ناموزون ترقی کے اثر سے طبقاتی طاقتوں کا متغیر موازنہ، اعتقاد و تفکر کا وسیع ادراک، جان فورن کا رجحان بھی فرہی سے مشابہ ہے۔ سعید امیر ارجمند نے انقلاب کا سبب اخلاقی وسیاسی جستجو کے ضمن میں تشیع کی انقلابی فکر واعتقاد، میں یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔

چند علل واسباب کا نظریہ اگرچہ مختلف اسباب کی تاکید کرتا ہے اور ایک سبب کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش نہیں کرتا ہے مگر ممکن ہے کہ کلی گوئی سے دوچار ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام انقلابات میں مختلف علل واسباب دخیل تھے لیکن بحث یہ ہے کہ کون علت وسبب کس حد تک اور انقلاب کے کس مرحلہ میں زیادہ موثر رہا ہے۔

اصل میں ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ایران کے انقلاب کا خاص فکر وجداگانہ طور پر جائزہ لیں مورد اس طرح کہ اس کلی گوئی کیلئے کوئی مشکل نہ ہو موجودہ تحقیق کا نظریہ اور اصل سوال انقلاب کی کامیابی کے علل واسباب کے سلسلہ میں اس عظیم انقلاب کی ماہیت کی شناخت کیلئے ہے، چند علل کی اپروچ بھی ایک قسم کی تحلیل ہے لیکن کلی گوئی نہیں ہونا چاہیے، بلکہ بطور دقیق واضح ہونا چاہیے کہ کون سبب کس پہلو میں اور اکی حد تک دخیل رہا ہے ایسی صورت میں انقلاب اسلامی کی ماہیت کو کسی حد تک سمجھا جاسکتا ہے اور اس کی کامیابی کے علل واسباب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

انقلاب اسلامی کی کامیابی کے سلسلے میں نظریات

ہم یہاں تحقیقی نظریہ کی توضیح اور اس کے اثبات سے قبل انقلاب اسلامی کی کامیابی کے متعلق پیش کئے گئے نظریات کو پیش کر رہے ہیں کہ ان نظریات کے نقائص سے تحقیقی نظریہ کے پیش واثبات کیلئے زمین ہموار ہو گی، بطور کلی ایک تقسیم بندی کے مطابق پانچ اہم نظریات انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے متعلق پیش کئے گئے ہیں۔[۴]

۱۔ نظریہ سازش

اس نظریہ کے طرفدار عام طور سے برطانیہ یا امریکہ و بعض وقت روس کو اس امر میں شریک بتاتے ہیں، بعض معتقد ہیں کہ شاہ ایران ۲۸ مرداد ۱۳۳۲ (۱۹ اگست ۱۹۵۳ ء) کی سازش کے بعد امریکہ سے قریب ہو گیا تھا اور برطانیہ امریکہ سے انتقام لینا چاہتا تھا، بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ مغرب اپنی منڈی کیلئے خطرہ محسوس کرنے لگا تھا لہذا شاہ ایران کا تختہ پلٹ دیا تا کہ دوسرا جاپان وجود میں نہ آسکے۔

اگر انقلاب کے چند سال بعد تک اس نظریئے کے سلسلہ میں کچھ ابہام وشبہات رہے ہوں لیکن انقلاب اسلامی کی کامیابی کو دو عشرے گزر جانے کے بعد، اس نظریہ کا نقص واضح و آشکار ہو گیا ہے۔ اصولی طور سے سازش اندیش ذہن یا سادہ لوح کوشش کرتا ہے کہ نظریہ سازش پیش کر کے تجزیئے کی پیچیدگیوں سے دامن چھڑا لے۔ ہم ایرانیوں کی خاص تہذیب وثقافت میں سازش تھیوری

(یا توہم سازش) قدیمی جڑیں رکھتی ہے۔ دشمنو کی طرف سے سازش کا اصل وجود قابل قبول ہے لیکن نظریہ سازش کے معتقد افراد عمیق و دقیق تحلیل کے بجائے سازش کو اصل سبب تصور کرتے ہیں اور کلی گوئی کے ذریعہ قضیہ کے پہلو سے گزر جاتے ہیں۔ایران کی تاریخ میں روس و برطانیہ کے مقابلے اور قاجار خاندان کے شاہوں کی نااہلی ثابت ہے۔ لہذا یہ نظریہ ایران میں پروان چڑھا کہ ہر مسئلہ کی بنیاد اغیار ہیں، اغیار واپنوں کی ثنویت نے ایرانیوں کے ذہن میں اس توہم (سازش) کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔۵؎ بہر حال نظریہ سازش اسلامی انقلاب کے سلسلے میں بہت کمزور پہلو رکھتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کی کمزوری اور بھی زیادہ واضح ہو گی۔

۲۔ماڈرنائزیشن

اس نظریہ کے مطابق، شاہ کا اقتصادی پروگرام جو چالیس کی دہائی سے شروع ہوا اس کے سطحی و سریع ہونے کی بنا پر ثقافتی وسماجی مشکلات آنے لگیں کیونکہ اقتصادی پروگرام ثقافتی وسماجی معیار سے ہم آہنگ نہیں تھا لہذا روایتی و صنعتی معاشرہ تضاد کا شکار ہوا اور شاہی نظام کے سقوط کا سبب بنا۔

ڈاکٹر زیبا کلام اس استدلال پر تنقید (اور نظریہ استبداد کی حمایت) کرتے ہوئے کہتے ہیں:

لیکن یہ حقیقت نہیں ہے، شاہ کی مخالفت اس کی ماڈرنائزیشن سے قبل بھی مشاہدہ کی جاتی رہی ہے یہ نظریہ اس لیے قابل قبول نہیں کہ یہ نظریہ شاہ کی مخالفت کو صرف مذہبی دائرہ میں محدود کرتا ہے اور سیاسی عناصر کو اس سے خارج کرتا ہے حالانکہ سیاسی عناصر بھی شاہ کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔۶؎

ڈاکٹر زیبا کلام کا بیان صحیح نہیں کیونکہ ۱۵ خرداد کا قیام زیادہ حد تک شاہ کی اس پالیسی سے متاثر تھا اور امام خمینیؒ کے قیام کا سبب بنا کیونکہ حضرت امام خمینیؒ اور شاہ ایران کے اختلافات کی بنیاد ایالتی وولایتی انجمنوں جیسے مسائل تھے۔ البتہ دوسرے امور بھی اہمیت کے حامل ہیں جیسے تیل کو قومیانے کی تحریک یہ تحریک بھی شاہ کی مخالفت میں واقع ہوئی تھی گرچہ اسلامی انقلاب سے بنیادی فرق رکھتی ہے، کیونکہ اس تحریک کے قائدین نہ شاہ کو ہٹانا چاہتے تھے اور نہ ہی اسلامی جمہوریہ قائم کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی پورے معاشرے و عوام کو انقلاب کیلئے آمادہ کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔

ماڈرنائزیشن کا نظریہ انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کا سبب نہیں ہو سکتا ہے لیکن انقلاب کیلئے حالات فراہم کرنے میں معاون ہو سکتا ہے۔ اگر ۱۳۴۰ (۱۹۶۱ء) کے بعد کے واقعات نہ ہوتے اور شاہ کی نام نہاد اصلاحات نہ ہوتی تو امام خمینیؒ، علماء اور شاہ کے درمیان اختلاف وجود میں نہ آتا اور شاہ کی حکومت ساقط ہونے کا احتمال نہ تھا اور عوام کا وسیع پیمانہ پر آمادہ ہونے کا امکان بھی نہ تھا۔

۳۔ نظریہ اقتصاد

یہ نظریہ اکثر مغربی مصنفین اور ایرانی مارکسسٹوں کا ترویج کردہ ہے، ڈاکٹر زیبا کلام اس سلسلے میں کہتے ہیں:

یہ نظریہ پٹرول کے زیادہ ہونے اور ۱۳۵۲ھ ش (۱۹۷۳ء) میں چار برابر ہو جانے سے متعلق ہے، افراط زر اور اقتصادی بدحالی نے حکومت کو ایک اقتصادی پروگرام اجرا کرنے پر مجبور کیا۔ ے عوام کی اقتصادی حالت انقلاب سے چند سال قبل بہتر ہونے لگی تھی۔ البتہ ۱۳۵۶ (۱۹۷۷ء) میں حکومت اقتصادی عدم ارتقاء کا شکار تھی لیکن عوام کو نسبتاً آسائش حاصل ہونے کی بنا پر یہ بدحالی زیادہ قابل توجہ نہیں اگر ہم قبول کرلیں کہ اقتصادی بدحالی شاہ سے ناراضگی کا سبب تھا جس کا نتیجہ انقلاب کی کامیابی ہے تو ہمیں دوسرے اسباب کو بھی دیکھنا ہوگا شائد ان اسباب کا اثر اس سے زیادہ ہو علماء اور رہبر انقلاب کا کردار، عوام کو بیدار کرنے میں کس قدر تھا؟ امام خمینیؒ کے فرزند کی شہادت اور مطلق رشیدی کا توہین آمیز مقالہ جو قم اور تبریز میں عوام کے قیام کا سبب بنا اس کے اثرات کس قدر تھے؟ کیا ہم محتوای کے جائزے کی روش کے ذریعہ ثابت نہیں کر سکتے ہیں کہ عوام کے نعرے اور قائد انقلاب کے بیانات و تقاریر اقتصاد اور اس سے متعلق مسائل سے تعلق نہیں رکھتے؟

۴۔ نظریہ مذہب

بلا شبہ ایران کا انقلاب مذہبی شکل کا حامل ہے اور اس کے نظریاتی اثر نے اکثر مغربی مفکرین کو مبہوت کر دیا ہے ان میں بعض اپنے نظریات میں تبدیلی لانے پر مجبور ہوئے ہیں۔

آیت اللہ عمید زنجانی معتقد ہیں کہ شاہ کی اسلام مخالف پالیسی (اور عوام کی اسلام پسندی) انقلاب اسلامی کی علت تامہ ہے۔ ۸ اگر شاہ استبداد صفت تھا اگر ارضی اصلاح کا پروگرام رکھتا تھا تو یہ سب اس کی اسلام مخالف پالیسی کا حصہ تھا۔

ڈاکٹر منوچہر محمدی بھی عوام، قیادت اور عقیدہ کو انقلاب کی کامیابی کے اسباب مانتے ہیں لیکن ان میں مذہب اولیت رکھتا ہے۔ ۹ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے مذہب کا نظریہ دوسرے نظریات کے مقابل حقیقت پسندی پر مبنی ہے اور ایرانی معاشرے سے ہم آہنگ بھی ہے۔

ڈاکٹر حمید عنایت بھی اپنے مقالے ''مذہب بعنوان ایدئولوژی سیاسی'' میں مذہب اور تشیع کے عقیدہ کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ ۱۰ بہر حال ان بیانات کے باوجود اس نظریئے میں بھی بعض ابہام پائے جاتے ہیں جن کی بنا پر جدید نظریئے کیلئے زمین ہموار ہوتی ہے۔

اول: ایرانی معاشرہ ۳۰و۴۰دہائی میں ۵۰دہائی سے زیادہ مذہبی تھا، کیونکہ اقتصادی ترقی واصلاحی پروگرام، مغرب سے قریب ہونے کا سبب بنا تھا جس کے نتیجے میں مغربی کلچر وتہذیب ایرانی معاشرے پر اثرانداز ہونے لگی تھی، نیز مغرب سے درآمدات، غیر ملکی افراد کی سیاح وفوجی مشیروں کے عنوان سے ایران میں موجودگی، ایرانی ٹیلی ویژن وسینما میں مغربی تہذیب کی فلموں کی ریلیز وغیرہ کی بنا پر ایرانی معاشرہ جس قدر ۵۰دہائی سے نزدیک ہورہا تھا مذہبی، عقیدتی، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے نسبتاً کمزور ہوتا جارہا تھا۔

ایران کا اسلامی انقلاب ایسے وقت کامیاب ہوا جبکہ عوام کی مذہبی فکر، کمزوری کا شکار تھی اور اس کی جگہ مغربی تہذیب وتمدن نے لے لی تھی، یہ دعویٰ محتویٰ کے تجزیئے کی روش کے ذریعہ اثبات کے قابل ہے، کیونکہ ۱۳۴۰ھ ش(۱۹۶۱ء) سے لے کر ۱۳۵۷ھ ش(۱۹۷۸ء) تک کے سالوں کے دوران سینما اور ٹی وی میں مغربی فحش فلموں، تھیٹر وفحشا کے مراکز اور غیر ملکی سفروں کی تعداد، مذہبی پروگراموں جیسے عزاداری نماز اور روزہ وغیرہ کی طرف رجحان کی شدت وکمی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

دوم: آیت اللہ عمید زنجانی کے نظریہ کا لازمہ ڈاکٹر زیبا کلام کے بقول یہ ہے کہ انقلاب کے وقت حکومت زیادہ قابل شکست تھی حالانکہ قضیہ اس کے برعکس ہے۔[۱۱]

سوم: یہ نظریہ دوسرے نظریات کی طرح انقلاب اسلامی کو ایران کے عصر حاضر کے سیاسی وسماجی ومذہبی دائرہ میں پیش نہیں کرتا ہے۔[۱۲] بطور کلی خاص روش شناسی اس نظریہ پر حاکم نہیں ہے جو محققین کو استدلال کے آغاز سے آخر تک راہنمائی کرے۔

چہارم: یہ نظریہ دو مرحلوں یعنی شہنشاہیت کے خاتمے اور انقلاب اسلامی کی کامیابی کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتا، شائد اہم سبب کو ان دو مرحلہ میں ایک دوسرے سے جدا کرنا لازم ہو۔

۵۔ نظریہ استبداد

ڈاکٹر زیبا کلام مذکورہ چاروں نظریات کے نقائص بیان کرتے ہوئے استبداد کو انقلاب کی کامیابی کا اصل سبب قرار دیتے ہیں۔

مذہبی بنیاد پرستی (ایران وجہان میں) اس وقت وجود میں آئی جب دنیا کے اکثر افراد Totalitaire Goverment کے نتیجے میں سیاسی وسماجی حقوق سے محروم تھے، محمد رضا شاہ کا جدید ایران ناصر الدین شاہ کے پسماندہ سو سال پرانے ایران سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ ڈاکٹر زیبا کلام اگرچہ دوسرے نظریات کو کافی دلیل وفکری نظام نہ ہونے کی بنا پر رد کرتے ہیں مگر خود ان کا نظریہ اسی نقص سے دوچار ہے ان کے پیش کردہ کلام میں کہیں بھی قرائن، شواہد اور دلائل نظر نہیں آتے کہ مطالعہ کرنے والا سمجھ سکے کہ

انقلاب کی کامیابی کا اصل سبب استبداد تھا نہ کہ مذہب و اقتصاد و ماڈر نائزیشن اور سازش۔ انہوں نے استبداد کے سلسلے میں جو بحث کی ہے، اس سے انقلاب اسلامی ایران پر استبداد کے اثرات کا پتہ چلتا ہے اور استبداد بحیثیت سبب انقلاب کے اثبات کرنے سے قاصر ہے۔ کن شوائد و قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ عوام آزادی کے مسئلہ کو مذہب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے کس طرح معلوم ہو کہ عوام کی حریت پسندی مذہبی اندیشہ و عقیدے کی بنا پر نہ تھی؟ کیوں استبداد ہونے کے باوجود انور خوجہ ڈکٹیٹر نے ۴۰ سال البانیہ پر حکومت کی؟ یہ نظریہ کہ الجزائر، نیکاراگوا اور ایران کے انقلابات کا نقطہ مشترک انقلاب سے قبل گھٹن کی فضا تھی۔ اول: کیونکر یہ نظریہ سبب استبداد کے اہم ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ دوم: یہ سبب کس طرح دوسرے اسباب سے زیادہ گہرے اثرات کا حامل ہے؟ کیسے معلوم کہ اس سبب کا اثر انقلاب میں سرعت لانے والے اسباب کی حد تک نہیں، سب سے اہم سوال یہ کہ استبداد شاہ کے نظام کے زوال کا سبب تھا یا انقلاب اسلامی کی کامیابی کا اہم سبب تھا۔

درحقیقت یوں کہنا چاہیے کہ اس کتاب کے مصنف نے استبداد کو فقط تعارف نظریہ کے طور پر پیش کیا ہے اور اس کے دلائل کو دوسرے مقام کیلئے چھوڑ رکھا ہے۔ بہر حال انقلاب اسلامی ایران کے سلسلہ میں دین و مذہب کے اسباب پر استبداد کے سبب کا غلبہ حقیقت سے دور ہے۔ عام طور سے وہ عوام جو رفاہ و آسائش میں زندگی کر رہے ہیں ان کیلئے آزادی ثانوی حیثیت رکھتی ہے جیسے کویت و سعودی عرب میں اگرچہ عوام استبداد سے رہائی حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی رفاہی زندگی نے ان کی ترجیحات کو بدل دیا ہے، استبداد جس قدر انقلاب اسلامی ایران میں موثر تھا اسی قدر عوام کے قیام میں موثر تھا نہ کہ انقلاب کی کامیابی کا اصل سبب تھا، جیسا کہ آئندہ مقالہ میں عرض کیا جائے گا کہ ان دو مرحلوں کو جدا کرنا چاہیے ڈاکٹر زیبا کلام نے جو اعتراض مذہب نظریہ پر کئے ہیں خود استبداد نظریہ پر بھی ہوتا ہے، اگر استبداد انقلاب کی اہم علت ہے تو کیوں ۳۳۔۱۳۵۶ (۵۴۔۱۹۷۷ء) کے درمیان میں ایسا انقلاب نہیں آیا، رضا خان کا استبداد زیادہ تھا یا محمد رضا شاہ کا آخر کار کون سے دوسرے اسباب اور کس قدر ایران کی صورتحال میں دخیل تھے کہ انقلاب ۱۳۵۷ (۱۹۷۸ء) میں وقوع پذیر ہوا، یہ ہم اپنے نظریئے کو ثابت کرنے کے ضمن میں پیش کریں گے کہ استبداد اور سیاسی عدم پیشرفت انقلاب کیلئے زمین ہموار کرنے والے اسباب ہیں انقلاب اسلامی کی کامیابی کا اہم و اصل سبب نہیں۔

ہمارا نظریہ

مذکورہ اکثر نظریات میں نقص یہ ہے کہ شاہی نظام کے زوال کے اسباب اور انقلاب اسلامی کی کامیابی کے اسباب میں آشکار فرق دیکھنے میں نہیں آتا، وہ اسباب جو قدیمی نظام کے زوال کا سبب ہیں یقیناً وہ انقلاب کے مثبت اسباب نہیں ہو سکتے، شاہی نظام کے زوال کی بحث اسلامی انقلاب کی کامیابی و تعمیری بحث سے جدا ہونا چاہیے، ماڈر نائزیشن کا نظریہ انقلاب اسلامی کی پیدائش و آغاز کی وضاحت کر سکتا ہے۔ انقلاب سے قبل ایام میں موجود بحران کو اچھی طرح بیان کر سکتا ہے لیکن کبھی بھی، انقلاب اسلامی کی کامیابی کا

اصل سبب نہیں ہو سکتا ہے، نیکی کدی جیسے محقق نے بھی انقلاب اسلامی کی کامیابی میں دخیل اسباب پر توجہ کرنے کے بجائے انقلاب کی بنیاد پر زیادہ توجہ کی ہے۔ سعید امیر ارجمند، مقالہ انقلاب اسلامی در نظری تطبیقی، میں اچھی طرح اسباب کو دو اقسام میں تقسیم کر کے تفریق قائل ہوئے ہیں۔

اول: ایران میں سماجی تسلط کے نظام سے متعلق تیزی سے آنے والی سیاسی تبدیلیاں جو شاہی حکومت کی سرنگونی پر منتج ہوئیں۔

دوم: انقلاب کی اخلاقی اور بامقصد حرکت یعنی تشیع کی انقلابی آئیڈیالوجی نے آخرکار انقلاب اسلامی کو کامیاب کر دیا۔۱۳۱

اس نظریئے میں قابل توجہ نکتہ انقلاب کے پیشگی اسباب اور انقلاب کی کامیابی کے اسباب کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے لیکن مختلف اسباب کے درمیان از حیث اہمیت دقیق تفریق نہیں ہے دوسرے یہ کہ مذہب اور مذہبی رہبر کے کردار کے درمیان امتیاز نہیں برتا گیا ہے۔ نظریہ، مذہب سبب انقلاب میں اس نکتہ پر کامل توجہ نہیں دی گئی کہ انقلاب اسلامی کی کامیابی یا شاہی نظام کے زوال کا مذہب اہم سبب تھا یا اس نے انقلاب کیلئے زمین ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے یا کہ اس سبب کا اہم ہونا تمام ابعاد پر محقق ہے۔ ہم آئندہ پیش کریں گے کہ شاہی نظام کے خاتمہ میں مذہب سے زیادہ ماڈرنائزیشن کا کردار ہے اس طرح انقلاب اسلامی کی کامیابی میں مذہب اور مذہبی رہبر کے اثرات کے سلسلہ میں بھی بحث گڈمڈ ہو گئی ہے جس کی وضاحت کی جائے گی۔ ایران کے انقلاب میں یقینا خارجی سبب یا اغیار کی مدد و سازش قابل توجہ کردار نہیں رکھتی ہے۔ اقتصاد اور اقتصادی فکر بھی آخری اولیت کی حامل ہے اگر ماڈرنائزیشن و اقتصادی مسائل تاثیر گزار تھے تو وہ انقلاب کیلئے زمین ہموار کرنے کیلئے تھے، انقلاب کی کامیابی کیلئے نہیں۔ دوسرے اسباب جیسے شاہ کا کینسر میں مبتلا ہونا اور شخصیتی بحران، کارٹر کے انسانی حقوق ۱۷ دی ۱۳۵۶ (۸ نومبر ۱۹۷۷ء) کو اطلاعات اخبار میں توہین آمیز مقالے کی اشاعت، آموزگار حکومت میں اخراجات کی کمی کی پالیسی، درباریوں کا اخلاقی و سیاسی فساد و فحشا مراکز کی توسیع، تعلیم و تربیت کی زیادتی وغیرہ اتنے فرعی عوامل ہیں کہ انہیں انقلاب میں تیزی پیدا کرنے والے اسباب میں سے قرار دینا چاہیے۔

مذکورہ نظریات پر اعتراضات کئے جانے کی طرح ہمارے نظریئے کی بنا پر بھی مندرجہ ذیل سوالات کا جواب دیا جانا ضروری ہے۔

۱۔ اگر ہم قبول کریں کہ ۳۰و۴۰ کے عشروں میں مختلف وسائل کے ذریعہ مغربی کلچر و تہذیب ایرانی معاشرے پر حاوی ہو گئی تھی جس کے نتیجے میں مذہبی اقدار کمزور ہو گئیں تو اس فضا میں کیسے مذہبی انقلاب برپا ہوا۔

۲۔ وہ عوام جن کے پاس نہ اسلحہ تھا اور جو نہ خارجی طاقت پر تکیہ کئے ہوئے تھے کس طرح اس نظام حکومت کے مقابل کامیاب ہوئے جو سر سے پیر تک مسلح اور سات لاکھ فوجی اس کے تابع فرمان تھے، نیز دنیا کی بڑی طاقتیں اس کے ہمراہ تھیں اور تمدن کی بلندی کو حاصل کرنے ہی والا تھا کارٹر نے ایران کو جزیرہ ثبات کا لقب دے رکھا تھا اس جزیرۂ ثبات میں بحران کا آغاز کیسے اور کہاں سے ہوا جس نے شاہی نظام کے حکام اور مغربی سیاست دانوں اور تجزیہ نگاروں کو مبہوت و متحیر کر کے رکھ دیا؟

۳۔ کیونکر ایسا ہوا کہ امریکہ نے ایران میں اس قدر وسیع مفادات رکھنے کے باوجود شاہ کی حمایت میں کوئی واضح قدم نہیں اٹھایا اور اسلامی انقلاب کی کامیابی کے مقابل سکوت اختیار کئے رہا؟ کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ انقلاب اسلامی کی کامیابی اس کے مفادات کو خطرہ میں ڈال دے گی؟

۴۔ ایران کا انقلاب اس عرصہ میں وقوع ہوا جب ایرانی عوام نسبتاً رفاہ و آسائش میں تھے۔ کیسے ہوا کہ ایرانی معاشرہ نے ترجیح دی کہ انقلاب برپا کریں انقلاب کیلئے شہید پیش کریں اور مادی مفادات سے دستبردار ہو جائیں۔

۵۔ ۴۲۔۱۳۵۶ (۶۳۔۱۹۷۷ ء) کے دوران انقلاب کی حرکت کس نوعیت کی تھی؟۔

وہ مفروضہ جو پانچ نظریہ کے عرض مقابل میں یہاں پیش کیا جارہا ہے اس طرح ہے۔ ۱۳۴۰ (۱۹۶۱ ء) کے عشرے میں ماڈرنائزیشن جو سریع تبدیلیوں سطحی اقتصادی ناموزونیت اور سیاسی و ثقافتی عدم پیشرفت پر مشتمل تھا۔ شہنشاہی نظام کے زوال، نیز انقلاب اسلامی کی کامیابی زمین ہموار کرنے کا اصل سبب تھا، اس خلاء کے بعد انقلاب اسلامی کی کامیابی کا اصل سبب مذہبی قیادت یعنی حضرت امام خمینیؒ تھے۔

الف۔ شاہی نظام کا زوال

مذکورہ فرضیہ کا اثبات دو جز رکھتا ہے: اول، شاہی نظام کے زوال اور انقلاب کیلئے زمین ہموار ہونے کی بحث؛ دوم، انقلاب اسلامی کی کامیابی کا اہم سبب۔ شاہی نظام کا خاتمہ اور انقلاب کیلئے زمین ہموار ہونے کا اہم ترین سبب ماڈرنائزیشن ہے جس کے سلسلہ میں بعض آراو نظریات پیش کئے جارہے ہیں۔

ا۔ سب سے پہلے حضرت امام خمینیؒ کی سیاسی حرکت کے آغاز پر ایک سرسری نظر ڈالنی چاہیے۔ امریکہ ۱۳۴۰ھ ش (۱۹۶۱ ء) سے قبل امینی کے ذریعہ ایران میں اصلاحی پروگرام کو اجراء کرنا چاہتا تھا، چونکہ شاہ ایک حریف (امینی) کے میدان میں آنے سے خطرہ محسوس کررہا تھا۔ لہذا اس نے خود اصلاحات کے پروگرام کو اجراء کرنے کا کردار سنبھالا اور اصلاحات کے پروگرام کا اعلان کیا۔

دوسری جانب ۱۳۴۰ھ ش میں حضرت آیت اللہ العظمیٰ بروجردیؒ کی رحلت ہوگئی، حضرت امام خمینیؒ مرجعیت کے اقتدار واحترام کے مد نظر کوئی حرکت انجام نہیں دیتے تھے، چونکہ آپ آیت اللہ بروجردی کی رحلت کے بعد واحد اور طاقتور مرجع نہیں تھا اور شاہ نے بھی اپنے اصلاحی پروگرام کا اعلان کردیا تھا، بلاشبہ حضرت امام خمینیؒ کی تحریک کا آغاز ماڈرنائزیشن کے آغاز کے ہمراہ تھا۔ ہمارا فرضیہ ان دو واقعات کے ہم عصر ہونے سے بالاتر ہے۔ اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ ماڈرنائزیشن نے ۱۳۴۰ھ ش کی دہائی میں حضرت امام خمینیؒ کی تحریک کیلئے زمین ہموار کی اور ۱۳۵۷ھ ش (۱۹۷۸ء) میں انقلاب اسلامی کی کیلئے موقع فراہم کیا۔ کتاب، تاریخ سیاسی معاصر ایران، میں اس طرح ذکر گیا ہے:

امام دوسرے مرحلہ کیلئے مناسب موقع کے انتظار میں تھے اور وہ موقع آچکا تھا آیت اللہ العظمیٰ بروجردیؒ کے انتقال کے بعد شاہ چاہتا تھا کہ علماء کے مرکز قم کو بغیر کسی مانع کے انقلاب سفید سے جوڑ دے۔

سید حمید روحانی معتقد ہیں کہ امام خمینیؒ نے اس عصر میں اپنے سیاسی اہداف کو مذہبی مسائل کے دائرہ میں پیش کیا ہے:

لیکن ہر کام سے پہلے ایک نظریئے اور محرک کا ہونا ضروری تھا جو عوام کی توجہ حاصل کرسکتا اور ایسے محرک کے بغیر کہ جو عوام کو متحرک اور علماء کو آپ کے ساتھ ہم آہنگ کرتا، تحریک ممکن نہ تھی۔

بہر حال پہلا موقع جو اعتراض کے قابل تھا وہ اسد اللہ علم، حکومت کا ایالتی وولایتی قانون کا منظور کرنا تھا جسے ۱۶ مہر ۱۳۴۱ ھ ش (۸ دستمبر ۱۹۶۲ء) کے اخباروں نے منتشر کیا۔

۲۔ اب قضیے کا عکس تصور کرتے ہیں اگر امریکہ اور شاہ ایران میں ماڈرنائزیشن کا پروگرام اجراء کرنے کا ارادہ نہ رکھتے تو کیا امام خمینیؒ ۱۳۴۲ میں تحریک کا راستہ ہموار ہوتا اور ۱۳۵۷ میں انقلاب کامیاب ہوتا۔

استبداد وڈکٹیٹرشپ بجائے خود انقلاب کا سبب نہیں ہیں، اقتصادی ثقافتی وسماجی حالات بھی لازم ہیں بہت سے ڈکٹیٹروں نے اپنی تمام عمر ظالمانہ حکومت میں ختم کردی لیکن ان کی حکومت کا خاتمہ نہ ہوا، استبداد کے سلسلے میں عوام کی آگاہی استبداد کے وجود سے اہم تر ہے ممکن ہے سماجی واقتصادی حالات اس آگاہی کیلئے زمین ہموار کریں جیسا کہ ماڈرنائزیشن نے انقلاب اسلامی کی کامیابی میں یہ کردار ادا کیا ہے۔ ۲۸ مرداد ۱۳۳۲ ھ ش (۱۹ اگست ۱۹۵۳ء) کی سازش کے بعد استبداد نے ساواک کی تاسیس کے بعد شدت اختیار کی ہے بطور کلی ایرانی معاشرے کو دو دور میں نئی سانس لینے کا موقع ملا ہے جبکہ امریکہ میں ڈیموکریٹ پارٹی برسر اقتدار رہی ۱۹۶۱

کینڈی اور ۱۹۷۷ کارٹر کا دور اقتدار۔ اگر ماڈر نائزیشن اپنی خاص شکل میں ۱۳۴۰ میں شروع نہ ہوئی ہوتی تو حضرت امام خمینیؒ کی تحریک کی نوعیت دوسری صورت کی حامل ہوتی۔

یہ درست ہے کہ اقتصادی رفاہ ۱۳۵۶ھ ش (۱۹۷۷ء) میں سیر نزولی کا شکار ہوئی لیکن فقط یہ مسئلہ عوام کے میدان میں آنے کا سبب نہیں ہو سکتا، چونکہ پھر بھی عوام کیلئے اقتصادی صورتحال قابل برداشت سطح پر تھی اور ایران کا روایتی و مذہبی معاشرہ ماڈر نائزیشن کا سامنا کرنے کی صورت میں اسے ناقص شکل اور تحریف شدہ حالت میں حاصل کرتا تھا، دوسرے یہ کہ ان کے اندر تشخص کے بحران کا سبب بنتا تھا، سیاسی استبداد ہدف اور روایتی وماڈرن ازم کے درمیان لڑائی کی اجازت نہیں دیتا تھا یہ سبب فقط انقلاب کیلئے زمین ہموار کرنے والا ہے نہ کہ کامیابی کا سبب ہے، ماڈر نائزیشن کی رفتار اس قدر سریع تھی کہ روایتی طبقہ ان کے تحمل کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ البتہ اس درمیان علماء ومذہب کا اثر پریشر گروپ اور حکومت مخالف گروہ کا اتصال ہر ایک اپنے اعتبار سے تاثیر گزار تھے، ماڈر نائزیشن کی تھیوری فقط موقع وحالات کو ثابت کرتی ہے اور محقق کو تجزیئے کا ایک معیار فراہم کرتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سیاسی ترقی، اقتصادی ترقی کے ہمراہ نہیں تھی، عمیق بحران آتش زیر خاکستر کے مثل وقت کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ حقیقتاً شاہ نظام کے قلب میں غیر شعوری طور پر اپنے دشمن پیدا کر رہا تھا۔

۳۔ تحقیقی فرضیہ کی تائید میں ایک دوسرا امو ید یہ ہے کہ حضرت امام خمینیؒ نے ابتدا سے شاہ کی حکومت کی مخالفت شروع نہیں کی، بلکہ آپ نے اپنی حرکت کو تین ادوار پر تقسیم کیا:

نصیحت، مبارزت، انقلاب۔[۱۴]

بعض معتقد ہیں کہ حضرت امام خمینیؒ اول ہی سے شاہ کی حکومت کو اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے، یہ نصیحت وغیرہ فرض کی ادائیگی کی بنا پر تھا، یعنی آپ پیغمبروں کے مثل مامور تھے کہ حکومت کو ختم کرنے سے قبل زمانے کے فرعون ونمرود کو نصیحت کریں۔ بعض شواہد اس احتمال کو کمزور کرتے ہیں اگر شاہ علماء اور مذہب کے اقتدار سے ڈرتے ہوئے یا کسی اور وجہ سے ماڈر نائزیشن کو ختم کر دیتا اور قاجار بادشاہوں کی طرح علماء سے ساز باز کر لیتا بعید ہے کہ انقلاب اسلامی کی تحریک اس طرح واس نوعیت سے پیشرفت کرتی، ایالتی وولایتی انجمن کے قانون کے سلسلہ میں حضرت امام خمینی، شریعتمداری، گلپایئگانی، مراجع کرام، حضرت آیت اللہ حائری مرحوم کے گھر پر جمع ہوئے اور ان حضرات نے جداگانہ طور سے شاہ کیلئے ٹیلی گراف روانہ کئے۔

سید حمید روحانی اس مسئلہ کو ثابت کرنے کیلئے کہ امام خمینیؒ شروع میں شاہ حکومت کے خاتمہ کے خواہاں نہیں تھے، شاہ کے نام آپ کے بھیجے گئے ٹیلی گراف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(اسد اللہ علم) ایران کے مسلمان عوام کو جو اپنا عرض حال آپ اعلیٰ حضرت اور علماء تک پہنچانا چاہتے ہیں انہیں خوفزدہ کرتا ہے۔اس آدمی نے بین الاقوامی التزام کے بہانے آئین کی مخالفت کو اپنا فرض بنا رکھا ہے، میں اسلامی عوام کی خیر خواہی کی بنا پر اعلیٰ حضرت کو متوجہ کرتا ہوں کہ ایسے چاپلوس و غلامی کا اظہار کرنے والے عناصر پر اطمینان نہ رکھیں۔ایسا نہ ہو کہ دین و قانون مخالف تمام کاموں کو اعلیٰ حضرت کی طرف نسبت دے۔

سید حمید روحانی کے بقول حضرت امام خمینیؒ اس خط میں اول خود شاہ پر اعتراض کرنے سے پرہیز کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ ایران آئین پر تکیہ کرتے ہیں۔۱۵؎

دوسرا موید حضرت امام خمینیؒ اور اسلامی انقلاب کے شعار کی تحلیل و تحقیق ہے اس کام کیلئے بہترین علمی روش محتویٰ کا تجزیہ ہے جو اس مقالہ کے محدود ہونے کی بنا پر ممکن نہیں ہے لیکن اس کے باوجود بطور اندازاً ۴۰ دہائی سے ۵۷ھ ش (۶۱ـ۱۹۷۸ ء) تک کے نعروں اور پیغام کا ایک دوسرے سے موازنہ کیا جاسکتا ہے خصوصاً ایالتی وولایتی قانون کے سلسلے میں جیسا کہ مشاہدہ ہوا مراجع حضرات کے پیغاموں کا نشانہ شاہ نہ تھا اسی طرح عوامی نعرہ بل کی تین شقوں کے حذف کی مخالفت میں دیا گیا تھا، ہم جس قدر ۵۶ و ۵۷ (۱۹۷۸،۷۷ء) سال سے نزدیک ہوتے ہیں اسلامی حکومت کی کلی صورت نعروں میں ظاہر ہوتی ہے یہاں تک ولایت فقیہ پھر ولایت مطلقہ فقیہ کا مسئلہ انقلاب کی کامیابی کے بعد عوام کے سامنے پیش ہوتا ہے۔

اگر محتویٰ کے تجزیئے کی روش سے ایسا مسئلہ اثبات ہو سکتا ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ اول یہ کہ ایرانی عوام سال ۴۱ـ۴۲ میں حکومت اسلامی و تغییر نظام کے سلسلہ میں روشن وواضح تصور نہیں رکھتے تھے۔دوم یہ کہ انقلاب کی کامیابی سے قبل ان کیلئے ولایت فقیہ نظام کے سلسلہ میں واضح تصور پیش نہیں کیا گیا تھا۔سوم یہ کہ ماڈرنائزیشن انقلاب کیلئے زمین ہموار کرنے کے عنوان سے مسلمان عوام کیلئے ایسی فضا قائم کردی کہ وقت کے ساتھ ساتھ وسیع حرکت انجام پائے لیکن پہلے اقدامات شاہ کی حکومت کو ختم کر کے اسلامی حکومت قائم کرنے کیلئے نہ تھے، بلکہ یہ امکان ۴۲ سے ۵۷ تک تدریجاً فراہم ہوا انہیں ابہامات کی بنا پر مختلف گروہ انقلاب کی کامیابی کے مرحلے تک ہمراہ تھے لیکن کامیابی کے بعد احساس کرنے لگے کہ کنارہ کش ہو جائیں گے یا الگ کر دیئے جائیں گے۔البتہ یہ مسئلہ کسی حد تک فطری ہے کیونکہ کامیابی کے مرحلہ تک شاہ کے تمام مخالفین آپس میں متحد تھے انقلاب کے بعد ان کے داخلی اختلافات ظاہر ہونے لگے۔

۵۔یہ فرضیہ اچھی طرح ۴۲ سے ۵۶ (۶۳ـ۱۹۷۸ ء) تک کے اختلاف اور فاصلہ کی بحث کی وضاحت کر سکتا ہے۔مذہب نظریہ میں ہمیشہ یہ سوال موجود ہے کہ ۱۴ سال کا فاصلہ کس طرح توجیہہ کے قابل ہے؟ اگر مذہب انقلاب کی کامیابی میں اصل سبب

تھااور اگر انقلاب کی جڑیں ۱۹۴۱ سے ۴۲ کے حوادث میں ہیں تو کس طرح ان فاصلوں کو بیان کیا جائے؟ مذہب ان ایام میں کمزور تھا یا قوی؟ نظریہ مذہب کے معتقدین کیلئے ان کا جواب مشکل ہے لیکن موجودہ فرضیہ میں یہ مشکل آسانی سے حل کے قابل ہے، ماڈرنائزیشن انقلاب اسلامی کیلئے زمین ساز تھی اور سیاسی ثقافتی واقتصادی ترقی کے ہم آہنگ نہ ہونے کی بناپر ۵۶ و ۵۷ کے ایام میں بحران وجود میں آیا۔ البتہ ہم دوسرے اسباب کے کردار کے منکر نہیں حتی انقلاب کیلئے زمین ساز ہونے میں بھی جیسے مذہب، حضرت امام خمینیؒ اور علماء کی قیادت، سیاسی اقدامات، اقتصادی بحران وغیرہ۔

۶۔ اس فرضیہ کی تائید میں ایک یہ ہے کہ یہ نظریہ سیاسی سوشیالوجی کے تجزیوں کے ساتھ اسی طرح دوسرے وہ نظریات جو انقلاب اسلامی ایران کے سلسلہ میں پیش ہوئے ہیں کے ساتھ جمع کے قابل ہے۔ ڈاکٹر بشیریہ معتقد ہے کہ ماڈرنائزیشن کا نظریہ انقلاب کا راستے ہموار کرنے حد تک مفید ہے، انقلاب اسلامی ایران کی تجزیئے کے سلسلہ میں طبقاتی زاویہ نگاہ سے کہتا ہے:

ایران انیسویں صدی کے اواسط سے اپنی سماجی صورتحال وساخت کے دلائل جیسے مشرقی استبدادی نظام میں قدرت کا تمرکز، ضعف مالکیت، طبقاتی سماج کی کمزوری کی بناپر ڈیموکریٹیک ماڈرنائزیشن میں قدم نہ بڑھاسکا، پہلوی حکومت، حکومت مطلق العنان تھی۔ پہلوی ماڈرنائزیشن کے دو منفی نتیجے سامنے آئے سرمایہ داری سے قبل روایتی معاشرہ میں طبقاتی فاصلہ اور اقتصادی اصلاحات کے ذریعہ عوامی معاشرہ کے ظہور کے نظریات اور شہر نشینی میں اضافہ اور مہاجرت وغرہ، یہی دو سبب انقلاب اسلامی کا سبب بنے، روایتی (مذہبی) تجار اور علماء گروہ جو ماڈرنائزیشن سے نقصان کے متحمل ہوئے تھے انہیں عوام کو آمادہ کرنے کیلئے حالات موافق وبہتر حاصل ہوگئے، لیکن ایران کے انقلاب کو فقط اس پہلو میں خلاصہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اس بنیاد پر ماڈرنائزیشن نظریہ کے قائلین انقلاب کیلئے زمین ساز کی تفسیر میں زیادہ خطا کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں، ہماری اساسی تنقید، ماڈرنائزیشن نظریہ پر یہ تھی کہ وہ انقلاب کی کامیابی کے علل کی توضیح دینے کے قابل نہیں اگر ہم ۵۷ھ ش(۱۹۷۹ء) کے انقلاب کیلئے زمین فراہم کرنے کی نگاہ سے نظریہ ماڈرنائزیشن پر نظر ڈالیں تو مثبت نکات حاصل کرسکتے ہیں اگر نیکی کدی کی افراطی تحلیل (انقلاب برپاکرنے والے دیہات سے شہر کی طرف ہجرت کرنے والے تھے) سے صرف نظر کریں تو فرضیہ تحقیق کے سلسلہ میں اس کے بعض استدلال وقیاس کو مشاہدے کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔[۱۶] وہ افکار جو اقتصادی اسباب کی اہمیت کے قائل اور سوشیالوجی پر نظر رکھتے ہیں، وہ انقلاب کیلئے زمین سازی کے اثبات کی حد تک ہماری مدد کرسکتے ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا رابرت لونی ناقص ترقی کی پالیسی افراط زر سے وجود میں آئی مشکلات، پروگرام اور اہداف کے عدم تناسب کی طرف اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے

کہ یہ مسائل آمدنی کی غیر مساوی تقسیم و عمومی ناراضگی کا سبب بنے، ایسے استدلال سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انقلاب کی پیدائش و آغاز کے اسباب کی توضیح دینا چاہتے ہے لیکن انقلاب کیوں وجود میں آیا اسے پیش کرنے سے قاصر ہے۔[۱۷]

کاتوزیانی بھی کہتا ہے: پٹرول کا استبداد، شبہ تجدد، انقلاب ایران کی بنیادیں ہیں اس کی گفتگو انقلاب کی بعض بنیادوں کے تعارف کے طور پر صحیح ہے لیکن انقلاب کے دلائل وجودی کی بحث سے الگ ہے۔ اسکاچپل اگرچہ اقتصادی سوشیالوجی فکر کے ساتھ تجزیئے کے میدان میں قدم رکھتا ہے اور شیعی عقائد و تفکر پر بھی نظر رکھتا ہے۔

وہ اپنے مقالہ ''دولت تحصیلدار و اسلام شیعی در انقلاب اسلامی'' میں دونوں اسباب کو مرکب ذکر کرتا ہے لیکن مذکورہ تجزئے کے مطابق پہلا سبب انقلاب کا راستہ ہموار کرنے اور دوسرا سبب انقلاب کی کامیابی سے متعلق تصور کرتا ہے۔

آبراہامیان بھی اقتصادی و سماجی سطح پر نوسازی کے سبب کی طرف کا اشارہ کرتا ہے اور یہ ہماری بحث کے منافی نہیں ہے۔

مایکل فیشر بھی بطور دقیق مسئلے کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتا ہے:

انقلاب کے زمان اور اسباب کا تعلق سیاست و اقتصاد سے تھا جبکہ انقلاب کی شکل اور اس کا محل وقوع، زیادہ حد تک روایتی اور مذہبی اعتراض کا نتیجہ تھا۔[۱۸]

وہ اچھی طرح اقتصادی سیاسی، روایتی، مذہبی اعتراض کے اسباب میں فرق قائل ہوا ہے۔ لیکن پہلی تاثیر کو زمانی اور دوسری تاثیر کو مکانی قرار دیتا ہے۔

ب۔ اسلامی انقلاب میں مذہبی قیادت کا کردار

ہر چیز سے قبل اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ مذہب اور مذہبی قیادت کے کردار کو جدا کرنا آسان نہیں ہے۔ مذہبی قائد دین کی حمایت کے جذبہ کے تحت قیام کرتا ہے جیسا کہ مذہب تشیع، حضرت امام خمینیؒ کی مذہبی قیادت میں جلوہ گر ہوا ان دو اسباب، مذہب اور مذہبی قیادت کے درمیان مختلف جہات و اعتبار سے فرق کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا گیا تین اصل اسباب انقلاب کی حیثیت میں دخیل ہیں۔ مکتب (عقیدہ) رہبر اور عوام اگر انقلاب کیلئے اصل سبب مکتب کو تصور کریں تو معنی یہ ہوں گے کہ یہ مکتب خود ظلم ستیز کی ذات و فطرت میں تھا اور اس کے فرامین سے استفادہ کرتے ہوئے نظام قدیم کو ختم کرنے کیلئے کوشاں تھا، اس

مقام پر مذہبی قیادت، ثانوی اہمیت کی حامل ہے یعنی اگر رہبر انقلاب حضرت امامؒ کی جگہ پر کوئی دوسرا فرد بھی ہوتا تو مکتب فکر اپنی تاثیر گزاری سے دریغ نہیں کرتا، لیکن اگر انقلاب کا اصل سبب رہبری و مذہبی قیادت کو قبول کریں تو معنی یہ ہوں گے کہ اگرچہ مذہب نے اپنا کردار ادا کیا ہے لیکن اس رہبر و قائد کی سعی اور فکری و معنوی وجاہت و خصوصیت کی بنا پر مذہب نے خاص زمان و مکان میں اپنے اثرات مرتب کئے ہیں، اس مقام پر مکتب اگرچہ اپنی قدر و منزلت رکھتا ہے لیکن از حیث سبب دوسرے نمبر پہ ہے۔ بہر حال چونکہ ہمارا نظریہ چند علتی ہے کسی بھی طرح انقلاب اسلامی کی کامیابی کے دوسرے اسباب کو حذف کرنا نہیں چاہتے، بلکہ مقصود بحث انقلاب اسلامی کی کامیابی میں اہم سبب کی شناخت ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ماڈرنائزیشن نے ایک بحران و خلاء پیدا کر دیا تھا جس سے ۵۷ھ ش کے واقعات ظہور پذیر ہوئے اور انقلاب اسلامی کامیاب ہوا ان واقعات میں حضرت امام خمینیؒ کی قیادت نے اہم و بنیادی کردار ادا کیا اور عوام کو مختلف طریقے سے آمادہ کر کے میدان میں اتار دیا۔

مذکورہ مفروضے کے بعض موید مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ نظریہ دوم کی تاثیر کے سلسلہ میں مذہب اور مذہبی قیادت کے اسباب کے موازنہ میں کہنا چاہیے کہ انقلاب سے قبل کے سالوں میں مذہبی مظاہر زیادہ حد تک کمزور ہو چکے تھے اس حالت میں خود بخود بغیر کسی وجہ کے مذہبی انقلاب معنی نہیں رکھتا ہے۔ فساد و فحشا کے مراکز و سینما ہال کی تعداد، ٹی وی دیکھنے والوں کی تعداد، سینما و ٹی وی کے پروگرام کی نوعیت مغربی کلچر کا ہجوم اقتصادی و سیاسی و فوجی امریکی مشیر، خارجی سیاح، مذہبی امور میں کم توجہی جیسے عبادت وغیرہ ان سب کا اعداد و شمار کے ذریعے اندازہ لگا جا سکتا ہے، تقریباً ۴۰ ہزار غیر ملکی مشیر ایران میں موجود تھے اور غیر ملکی سفراء بھی اچھے خاصے تھے، اسی طرح ایران میں غیر ملکیوں کا سفر بہت زیادہ تھا۔ ریچرڈ کاٹم کے قول کے مطابق ۵۷ و ۱۳۵۶ھ ش میں مذہب بہت کمزور ہو گیا تھا کلی طور پر کہا جا سکتا ہے وہ چار اشکال جو نظریہ مذہب پر وارد تھے اس نظریہ پر وارد نہیں ہیں۔

۲۔ فرضیہ کی دیگر تائیدی بحث، نعرہ انقلاب اور رہبر کے پیغام کا محتوائی جائزہ ہے اس عصر میں ولایت فقیہ کی بحث (خصوصاً ولایت فقیہ مطلقہ) اس طرح پیش نہیں ہوئی تھی، اسلامی و مذہبی حکومت بھی مشخصہ کلی کی حامل نہیں تھی، اس روش کے ذریعہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ نسبتاً اکثر نعرے حضرت امام خمینیؒ کی قیادت سے مربوط ہیں اس نکتہ کو بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت امام خمینیؒ اور شہید مطہری نے ۱۳۵۸ھ ش میں بارہا تاکید کی تھی کہ علماء حکومت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں، شہید مطہری کہتے تھے: ولی فقیہ ایک مذہبی رہبر کا کردار رکھتا ہے حاکم کا عنوان نہیں، ان کے نظریہ کے مطابق تاریخ میں کوئی فرد بھی ایسا تصور نہیں رکھتا کہ ولایت فقیہ کے معنی حکومت کرنے کے ہیں۔ ۱۹

سے تمباکو نوشی کے حرام ہونے کے فتوے کے بعد استعمار کی مخالفت استبداد کی مخالفت میں تبدیل ہوئی در حقیقت اس تاریخ سے ایرانی عوام نے حکومت کے خلاف اقدام کی جرأت پیدا کی۔ آئینی تحریک وپٹرول کے قومیائے جانے کی تحریک میں اصلی مشکل اقتداء وواحد قیادت کی تھی۔ انقلاب اسلامی ایران میں یہ مشکل نہ تھی۔ تمام خصوصیات وصفات امام خمینیؒ میں جمع تھیں، آپ منحصر بہ فرد شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نمایاں شخصیت، سیاستدان، مرجع، عارف، زمانے سے آگاہ، شجاع، مصمم، مدبر اور مقصد وہدف کے معتقد تھے۔ اہداف تک رسائی اور اسلام کی تقویت کیلئے تمام ایثار فداکاری وکوشش کرنے کیلئے تیار تھے۔ آپ کی معنویت کسی سے پوشیدہ نہ تھی۔ آپ کی تقاریر سن کر بعض افراد گریہ کرنے لگتے تھے اور اپنی عام حالت سے خارج ہو جاتے تھے۔ آپ کی معنوی کرامت تواتر کی حد کو پہنچ چکی تھی۔

انقلاب اسلامی کی رہبری حضرت امام خمینیؒ کی عظیم شخصیت کی مرہون منت ہے۔ اگر علماء اسلامی انقلاب میں زیادہ کردار رکھتے ہیں تو اس کی وجہ رہبر انقلاب کی پیروی واقتداء ہے۔ شہید مطہری اس مطلب کو ثابت کرتے ہوئے کہ بعض گروہ انقلاب میں زیادہ شریک نہیں تھے۔ انقلاب کی علت غائی کے سلسلہ میں بعض نظریات کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور مذہب کے سبب کے ذیل میں رہبری وقیادت کے سبب پر بھی بحث کرتے ہیں۔ ۲۰

حضرت امام خمینیؒ کی منحصر بہ فرد خصوصیات باعث ہوئیں کہ عوام آپ کی شخصیت پر آپ کے پیام کے متویٰ سے زیادہ اطمینان رکھیں، عوام کیلئے اسلامی حکومت کا افق زیادہ روشن نہ تھا لیکن پیغمبر صفت اسلامی قیادت پر اطمینان واعتماد رکھتے ہوئے اس راہ میں قدم بڑھا رہے تھے جس وقت امام خمینیؒ نے فرمایا: فقط جمہوری اسلامی، نہ ایک کلمہ کم اور نہ ہی ایک کلمہ زیادہ، ممکن ہے کہ عوام آپ کے اس عمیق کلام کے محتویٰ کو زیادہ درک نہ کر سکے ہوں لیکن آپ کا کلام ان کیلئے حجت تھا۔ ڈاکٹر زیبا کلام کہتے ہیں:

غیر مذہبی وسیاسی گروہوں کیلئے امام خمینیؒ امپریالزم مخالف ایک عوامی قائد تھے۔ روشن ضمیر دانشوروں کیلئے استبداد وڈکٹیٹر شپ مخالف رہنما تھے اور کروڑوں ایرانی خواتین اور مردوں کے مقبول اور ہر دلعزیز قائد تھے۔ ۲۱

نیکی کدی بھی کہتا ہے: آیت اللہ خمینی بہت سے غیر مذہبی افراد کیلئے ایک انقلابی رہبر تھے۔ ۲۲

ڈاکٹر محمدی جو رہبری، عقیدہ اور عوام کو انقلاب کے اسباب جانتے ہیں۔ دوبارہ غیر شعوری طور پر قائد کے سبب کی وضاحت کرتے ہیں، کیونکہ انقلاب کی آئیڈیالوجی نے پیش کی اور آپ نے ہی اس کی تشریح فرمائی۔ ۲۳

آیت اللہ عمید زنجانی اسلام کی مخالفت کی توضیح میں اسے انقلاب کا اہم ترین سبب بتاتے ہوئے فوراً مذہبی قیادت کی بحث میں وارد ہوتے ہیں۔ ۲۴

۴۔ دین اسلام و تشیع مذہب ایک متن وعبارت کے مانند ہے جس کی متعدد تشریحات کی جاسکتی ہیں۔ شیعہ علماء و دینی مراجع، تاریخ میں مختلف سلیقوں کے حامل تھے۔ دین وسیاست کے ارتباط کا استنباط ایک جیسا نہیں ہے۔ وہ شیعیت جو غیر سیاسی مراجع (جیسے آیت اللہ خوئیؒ) کی طرف سے تبلیغ ہوتی ہو وہ کبھی بھی انقلاب کا سبب نہیں بن سکتی ہے، چونکہ شیعیت کی تشریح متوازی انداز میں پیش کی جاتی رہی ہے لہذا عقیدہ وفکر (شیعیت) انقلاب کیلئے اصل سبب نہیں ہوسکتی ہے، بلکہ اصل سبب وہ تشیع واسلام ہے جس کی تشریح امام خمینیؒ نے فرمائی ہے جس نے عوام کو انقلابی شعور اور توانائی عطا کی ہے۔

حضرت امام خمینیؒ، نائینی مرحوم کی طرح ان جدید مسائل کا جواب جو مغربی تمدن وجدت پسندی کی بناپر وجود میں آتے تھے جواب دیا کرتے تھے، انقلاب ایک جدید واقعہ ہے، واضح ہے کہ دین اسلام و تشیع میں اس سلسلہ میں روشن تفسیر موجود نہیں ہے جو ہماری توقع کو پورا کرے۔ دین کو جب جدید مسائل کا سامنا ہوتا ہے تو جدید واقعات کیلئے ایک مفسر ورہبر کی ضرورت ہے جو قدیم متن کو جدید حالات سے انطباق دے سکے، یہ کام مشکل ہے۔ یہ صرف امام خمینیؒ کا کام تھا۔ امام خمینیؒ کا اسلام، انقلابی اسلام تھا جو رائج تفسیر سے سازگار نہیں تھا۔

الغرض دین اور سیاست کے ساتھ اس کے تعلقات کے بارے میں حضرت امام خمینیؒ کی تشریح سے قبل اسلام و تشیع حتی کسی حد تک ولایت فقہاء کا نظریہ بھی موجود تھا لیکن یہ امام خمینیؒ کی خصوصیت تھی کہ انہوں نے ایران میں سیاسی و شیعی فکر میں نئی روح پھونکی اور اسے نئی زندگی عطا کی۔

۵۔ انقلاب ایران کے اصل علل کے علاوہ متعدد فرعی اور انقلاب میں تیزی پیدا کرنے والے اسباب بھی تھے جو لاکھوں افراد کو آمادہ کرنے کا سبب بنے کہ مختصر عرصہ میں انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ ان اسباب میں سے ایک ۱۳۵۶ھ ش(۱۹۷۷ء) میں کارٹر کا انسانی حقوق کا مسئلہ اٹھانا اور انقلاب کی کامیابی کے سلسلہ میں امریکہ کی عملی مخالفت نہ ہونا شامل ہے، عوام کو جن میں اکثر نوجوان تھے حکومت کے پیچھے قدم ہٹانے اور بڑی طاقتوں کی طرف سے صریح مداخلت نہ کرنے سے شجاعت و جرأت ملی، ایران کے انقلاب میں اس قدر افراد شہید نہیں ہوئے جتنے دنیا کے انقلابات میں قتل ہوئے ایک اور انقلاب میں تیزی پیدا کرنے والا ایک سبب، شاہ کا کینسر میں مبتلا ہونا تھا۔ فرانس کے دو ڈاکٹروں نے شاہ کو اس بیماری سے مطلع کردیا تھا لہذا شاہ کی شخصیت تزلزل کا شکار ہوگئی تھی وہ عوام کے مقدسات پر حملہ کرتا تھا اور صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر تھا اس کے علاوہ شاہ سازش کے توہم سے دوچار تھا، اپنی سات لاکھ

افراد پر مشتمل فوج پر خالی ہاتھ عوام کے حملوں کو درک و باور نہیں کر پارہا تھا لہذا انقلاب کی تحریک کو دوسرے ممالک خود امریکہ سے نسبت دیتا تھا، عوام ایک طرف شاہ کی زبونی و کمزوری اور امریکہ کے سکوت کو دیکھ رہے تھے، دوسری طرف امام خمینیؒ کی صلابت و قاطعیت سے حوصلہ مند ہو رہے تھے، ولیام لانجر کے بقول ہر انقلاب کی کامیابی انقلابی افراد کے عزم و قدرت سے زیادہ حاکم نظام کی کمزوری و پسپائی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

۶۔ سیاسی سوشیالوجی کے مطابق Patrimonialism یا موروثی حکومت روایتی سیاسی حاکمیت کی ایک شکل ہے جس میں ایک شاہی خاندان جابرانہ قدرت کو عدالتی ادارہ کے ذریعہ عمل میں لاتا ہے اور نوپیٹری مونیل حکومت میں سیاسی طاقت بطور مطلق ایک ایسے ڈکٹیٹر کے ہاتھوں میں متمرکز ہوتی ہے جو کسی بھی سیاسی اعتبار سے باثبات گروہوں کو جو خاص امتیاز رکھتے ہیں سیاسی فضا میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیتا ہے، شاہ ایران بھی نوپیٹری مونیل تھا اس نظام کے بدیل کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ سلطانی نظام کو متحول کرنے کا ایک طریقہ انقلابی تشدد کا استعمال ہے۔ برانوون ووالہ کہتا ہے: نوپیٹری مونیل نظام کے خلاف تحریک میں متوسط طبقہ مخالف کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہانٹینگٹن بھی کہتا ہے: اقتدار کی منتقلی میں قوی و طاقتور مخالف کی ضرورت ہے جو قدرت کے توازن کو اپنی طرف کر سکے اور نظام حاکم صفحہ ہستی سے نابود کر سکے۔ ۲۵ واضح ہے کہ قائد خود جوش و شجاع و مذہبی ہی بدیل ہو سکتا ہے یہ خصوصیت ہمارے لیے اچھی طرح روش ہے، کیونکہ ہماری سیاسی تہذیب کی خصوصیت دلیر شخصیات پروان چڑھانا ہے۔

نتیجہ

اپنے نظریئے کی ابتدائی وضاحت میں ہم نے پانچ سوالات اٹھائے جو انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی سے متعلق دوسرے نظریات کیلئے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں، اگرچہ ان سوالات کے جواب ہماری سابقہ وضاحتوں میں حاصل کئے جا سکتے ہیں لیکن مقالے کے اختتام پر ہم ان جوابات پر ایک سرسری نظر ڈال رہے ہیں۔

۱۔ کس طرح ان سالوں مذہبی انقلاب آیا جن میں مذہب مختلف جہات سے کمزور ہو چکا تھا؟

انقلاب اسلامی کی کامیابی میں مذہبی قیادت کے سبب کی تاثیر مکتب کے سبب سے زیادہ تھی اگرچہ ان کے درمیان امتیاز برتنے والا دقیق واضح خط فاصل نہیں ہے، انقلاب میں تیزی پیدا کرنے والے اسباب جیسے کارٹر کی انسانی حقوق کی پالیسی، امریکہ کا عملی اقدام نہ ہونا، شاہ کی شخصیت کے تزلزل اور ایک عرصے تک قائم رہنے والے گھٹن کے ماحول کے پیش نظر حضرت امام خمینیؒ کی مذہبی قیادت کے سبب کے اثر کا راستہ ہموار ہونے لگا، عوام اسلامی و دینی اقدار کی طرف پلٹے اور حضرت امام خمینیؒ کی قیادت میں اسلامی انقلاب کامیاب ہو گیا۔

۲۔ کس طرح ایران کے غیر مسلح عوام سر سے پیر تک مسلح اور بڑی طاقتوں کی حمایت یافتہ حکومت کے مقابل کامیاب ہوئے؟

عوام ظاہری اسلحہ نہیں رکھتے تھے لیکن ایک طرف حضرت امام خمینیؒ کی مذہبی قیادت سے حوصلہ مند تھے ان کے قلوب مکتب تشیع اور دینی اقدار کے گرویدہ ہوئے جارہے تھے، دوسری طرف امریکہ انقلاب کو روکنے کیلئے علنی طور سے مداخلت نہیں کررہا تھا، شاہ غیر متوازن عقل کی بناپر ایسے اعمال انجام دے رہا تھا جن سے عوام کی شجاعت، جرأت وجذبہ بڑھتا جارہا تھا۔ البتہ دوسرے اسباب بھی تھے جنہوں نے جزیرۂ ثبات کو انقلاب اسلامی کی تحریک میں تبدیل کردیا تھا۔

۳۔ امریکہ ایران اور علاقہ میں اپنے مفادات کو خطرے میں دیکھ رہا تھا لیکن اس کے باوجود اس نے انقلاب اسلامی کی کامیابی کے مقابل عسکری مداخلت کیوں نہیں کی؟

امریکہ کو امید تھی کہ وہ انقلاب کے قائدین خصوصاً عبوری حکومت کے وزیر اعظم بازرگان سے کسی طرح مسئلہ کو حل کرلے گا امریکہ کی عدم مداخلت زیادہ تر صورتحال کی صحیح شناخت نہ ہونے کی بناپر تھی ایران میں امریکہ کا سفارت خانہ آخری وقت تک انقلاب کے احتمال کو مسترد کرتا رہا اور یہی پیغام بھیجتا رہا لیکن جب انقلاب کامیابی کی طرف بڑھنے لگا اور ہمہ گیر صورت اختیار کرگیا تو سازشی پالیسی کا فائدہ نہ تھا لہذا کارٹر عدم اقدام پر مجبور تھا۔

۴۔ کس طرح اور کیوں عوام نے انقلاب، شہادت وایثار کے راستہ کو مادی رفاہ پر ترجیح دی اگرچہ عوام نسبتاً آسائش میں زندگی کررہے تھے (تمام افراد نہیں) لیکن موجود صورتحال سے راضی نہیں تھے، فقر یا رفاہ انقلاب کا سبب نہیں ہے، بلکہ موجودہ حالات سے عوام کی ناراضگی تھی جو افراد وعوام کو مجموعی شکل میں قیام کی ترغیب دلارہی تھی جیسے عوام کا اعتقاد یہ تھا کہ شاہ کے خاندان والے بیت المال سے سوء استفادہ کررہے ہیں شاہ امریکہ کا نوکر ہے وہ ایران کی عوام کا استثمار واستحصال کرنا چاہتا ہے۔

اگرچہ شاہ ۵۶ھ ش (۷۷ـ۱۹۷ء) میں چند سال قبل کی بہ نسبت اقتصادی بحران کا شکار تھا لیکن اقتصادی مشکلات انقلاب کا محرک فراہم نہیں کرتیں دوسرے یہ کہ مجموعی طور سے ایرانی عوام کا معیار زندگی نہیں تھا جس کو عوام انقلاب کے ذریعہ بلند کرنا چاہتے ہوں یہ نظریہ معقول نہیں کہ عوام نے اقتصادی آسائش کیلئے انقلاب برپا کیا اس کیلئے قتل ہوئے ہیں اور مالی ضرر کا شکار ہوئے ہیں کیونکہ ملک کی آئندہ اقتصادی حالت مبہم تھی بلکہ عوام اپنے اقتصادی مستقبل سے غافل وبے خبر تھے۔

۵۔ ۴۲ـ۱۳۵۶ (۶۳ـ۱۹۷۷ء) کے فاصلے کس طرح توجیہہ وتفسیر کی جاسکتی ہے؟

ایران کے اسلامی انقلاب کی بنیاد اگرچہ ۱۵ خرداد ۱۳۴۲ھ ش (۵ جون ۱۹۶۳ ء) میں ہے لیکن اس طرح اس فاصلہ کی توجیہہ وتفسیر کی جارہی ہے کہ ناقص سیاسی اقتصادی وسماجی ترقی وغیرہ انقلاب کیلئے زمین ہموار کرنے کیلئے زمانہ کاانتظار کررہے تھے اس مسئلہ کیلئے مقتضی امر، مذکورہ عرصے میں آمادہ ہورہا تھافقط رفع موانع اور انقلاب میں تیزی لانے والے اسباب کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔۱۳۵۶ھ ش میں مقتضی (ناقص سیاسی واقتصادی ترقی) موجود تھااور موانع (امریکہ کی علنی طور سے عدم مداخلت) بھی مفقود تھااور کارٹر کے انسانی حقوق نے انقلاب میں تیزی پیدا کرنے کا کام انجام دیا آخر کار حضرت امام خمینیؒ کی مذہبی وسیاسی قیادت، انقلاب کی کامیابی کیلئے اہم ترین سبب کے طور پر وارد میدان ہوئی اوراس نے بوسیدہ شہنشاہی نظام کوتاریخ کے کوڑے دان میں پھینک دیا۔

حوالہ جات

۱۔ال آر ہولستی، تحلیل محتویٰ در علوم اجتماعی وانسانی، ترجمہ نادر سالار زادہ، امیری تہران ۱۳۷۲، ص ۱۶۔۱۳۔

۲۔ دکتر منوچہر محمدی، کتاب تحلیلی بر انقلاب اسلامی (ص ۸۵ تا ۱۱۷)۔

۳۔ حمیرا مشیر زادہ، نگاہ بہ رہیافت ہائے مختلف در مطالعہ انقلاب اسلامی ایران، مجلہ راہبرد، شمارہ ۹ بہار ۷۵۔

۴۔ صادق زیبا کلام، مقدمہ ای بر انقلاب اسلامی تہران، روزبہ ۱۳۷۲، ص ۹۴۔۲۳۔

۵۔ احمد اشرف، توہم توطئہ، مجلہ گفتگو، ش ۸ تابستان ۷۴۔

۶۔ زیبا کلام، مقدمہ ای بر انقلاب اسلامی، تہران ص ۳۶۔

۷۔ ایضاً، ص ۹۔۳۷۔

۸۔ عباس علی عمید زنجانی، انقلاب اسلامی وریشہ ہائے آن، تہران نشر کتاب سیاسی ۱۳۷۰، ص ۳۔۵۷۳۔

۹۔ منوچہر محمدی، ایضاً، ص ۸۸۔

۱۰۔ حمید عنایت، مذہب بہ عنوان ایدولوژی سیاسی، مجلہ فرہنگ توسعہ، ش ۴۔

۱۱۔ زیبا کلام، ایضاً، ص ۵۔۶۴۔

۱۲۔ ایضاً، ج ۶۵۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۹۳، ۱۰۵، ۱۰۶ و ۱۱۲۔

۱۴۔ سعید امیر ارجمند، انقلاب اسلامی ومنظر تطبیقی، ترجمہ عباس زارع، رہیافت ہائے نظری بر انقلاب اسلامی۔

۱۵۔ سعید جلال الدین مدنی، تاریخ سیاسی معاصر ایران ج ۱، قم دفتر انتشارات اسلامی ۱۳۶۱، ص ۷۱۔۳۔

۱۶۔سید حمید روحانی، بررسی و تحلیل از نہضت امام خمینی ج۱، قم دفتر انتشارات اسلامی ۱۳۶۱، ص۹۔۱۰۷۔

۱۷۔روحانی، ایضاً، ص۸۔۱۵۵۔

۱۸۔ایضاً۔

۱۹۔ حسین بشیریہ، انتخابات سال ۷۶ از چشم انداز مبارزات طبقاتی در ایران، مجلہ راہ نو، ش۸۔

۲۰۔نیکی کدی، انقلابات ایران در چشم اندازی تطبیقی، بررسی تطبیقی انقلاب مشروطیت و انقلاب اسلامی، ش۱۷۔

۲۱۔ایضاً۔

Ervand Abrahmian. "Structural Cases of the Iranian -22 Revoiution" Middle East Research Information. Project Research .21) P.1980(May 81Report. No

Michael Fischer. From Religious Dispute to Revolution. -23 .(1980(Cambridge: MA: Harvard University Press,

۲۴۔مرتضیٰ مطہری پیرامون انقلاب اسلامی (قم صدرا بی تا)۸۷۔

۲۵۔ایضاً، ص۵۱۔۴۹۔

انقلاب اسلامی کی آئیڈیالوجی کے ارتقاء کا پروسیس (علی محمد حاضری)

مقدمہ

سیاسی و اجتماعی علوم کے ماہرین، کثیر جہت و عمیق ترین اجتماعی واقعات یعنی انقلابات کی تشریح کیلئے مختلف نظر و فکر رکھتے ہیں ۔یہ تشریح و توضیح ثقافتی عوامل پر مبنی ہے۔ شاید کہا جاسکتا ہے کہ سرمایہ داری فکر اور اخلاق پروٹسٹنٹ کے درمیان رابطہ کے سلسلہ میں میکس ویبر کا تجزیہ جو اس کی مشہور کتاب The Protestant ethic and the Spirit of Capitalism میں ہے: بشری اعتقاد و فکر کے ارتقاء کے سایہ میں اقتصادی و سماجی حادثات کی تشریح کی ایک آشکار ترین سعی و کوشش ہے۔[1]

ویبر کی فکر و نظر کا یہ آہنگ و زمزمہ، Materialism اور Positivism کے شور میں جو ہر ایک کسی وجہ سے بشری سماجی و تاریخی، اقتصادی، مادی پہلوؤں پر تکیہ کئے ہوئے تھا چند دہائی تک مخفی و ساکت رہا یہاں تک کہ بیسویں صدی کی ۷۰ کی دہائی کے اواخر میں اسلامی انقلاب ایران کے وقوع کی وجہ سے ایک مرتبہ پھر دنیا کے اذہان مذہبی یقینیات و دینی عنصر کے اثرات و عمیق موجودگی کی طرف متوجہ ہوئے جس کے سلسلہ میں سماجی نظریات ایک عرصہ قبل مرگ و فنا کی خبر دے چکے تھے، انقلاب اسلامی ایران میں دین و مذہب کے کم نظیر کردار اور حیات مجدد نے سماجی علوم کے مفکرین کو دوبارہ غور و فکر کی دعوت دی اور دین کے سلسلہ میں وہ تشریح جو سابق نظریات میں تجدید نظر کے بغیر ممکن نہ تھی دوبارہ مورد بحث و مطالعہ قرار پائی، اس عظیم سماجی انقلاب کو واقع ہوئے دو عشرے گزر چکے ہیں اور اس کی تشریح کے سلسلہ میں جو نظریات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ بہت زیادہ ہیں ان کوششوں میں اچھا خاص محور مشترک پایا جاتا ہے جیسے فاعلین کردار کے عنوان سے انسانوں کی ذہنیت پہ توجہ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے ان اعتقادات و یقینیات پر توجہ کہ انسان اجتماعی زندگی کے میدان میں شرکت کیلئے ان سے متمسک ہوتا ہے یا ان سے متاثر ہوتا ہے۔[2]

ہم اس سلسلہ میں موجود جدال میں وارد ہوئے بغیر چاہتے ہیں کہ نظریات کے تائید کرنے والے نظریات کو احصا کرکے انقلاب کی آئیڈیالوجی کی تشریح کی اہمیت کو فرض کرتے ہوئے دوسری آئیڈیالوجیز کے مقابلے میں انقلاب اسلامی کی آئیڈیالوجی کے ارتقاء کے پروسیس کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

اس مقام پر ضروری ہے کہ ہم انقلاب کی آئیڈیالوجی سے اپنی مراد واضح کریں باوجودیکہ آئیڈیالوجی کے وسیع مفہوم و معنی میں فراوان نظریاتی اختلاف پائے جاتے ہیں۔ ہم اس مقام پر خصوصی ہستی شناسی و نوع نگاہ کے مفہوم کو قبول کرتے ہیں کہ اس کی بناپر

اس کے معتقد و عامل انسان اپنے توقعات و کارکردگی کو اس کے ذریعہ توجیہہ کرتے ہیں اور دلیل لاتے ہیں۔۳۱ اس معنی میں کہ انقلاب کی آئیڈیالوجی یعنی زاویہ نگاہ و ہستی شناسی کہ اس کی بناپر ایرانی مسلمان عوام نے انقلاب میں اپنی شرکت مطلوب و لازم قرار دیا۔ ظاہر سی بات ہے کہ اس قسم کا زاویہ نگاہ اور نگاہ و ہستی شناسی تمام ایرانی عوام کیلئے حتی ان تمام افراد کیلئے جو کسی نوعیت سے انقلاب کے وقوع میں شریک تھے یکساں نہیں حتی جو اس کے معتقد تھے ان کیلئے بھی کافی شفافیت کی حامل نہیں تھی۔ مجموعی طور سے انقلاب کی آئیڈیالوجی سے ہماری مراد اسلام و تشیع کی خصوصیات ہیں جو ہر حالت میں عوام کے اعتقاد و فکر، روایت و تاریخ میں جڑیں رکھتی جن کو خصوصی طور سے دوبارہ احیاء و ادراک کیا گیا ہے جو عوام کے روایتی اسلام کے معمول و مرسوم درک سے ممتاز ہیں ورنہ اگر ایرانی عوام اسلام کو روایتی معنی میں درک و فہم کرتے تو قانوناًان کی دینداری و کارکردگی بھی ماضی کے مثل ہوتی اور وہ دینداری انقلاب کا باعث نہیں ہو سکتی تھی۔

ایرانی معاشرے کے اکثر دیندار عوام نے اسلام کے اس نوعیت کے ادراک کو حضرت امام خمینیؒ کی پیروی سے حاصل کیا تھا، اس اسلام کی خصوصیات عام طور سے آپ کی تقاریر، پیغامات و مکتوبات سے اخذ شدہ ہیں۔ آپ کے اعمال و افعال رفتار و گفتار سے اسلام کی تصویر عوام کیلئے مجسم تھی اسلام کا عوام کی اس نوعیت کا ادراک سبب ہوا کہ عوام اور روایتی قائدین کے ارتباطات پہلے جیسے نہ رہیں اس لیے کہ فراوان افراد تھے جن کے مرجع تقلید امام خمینیؒ کے علاوہ کوئی دوسری فرد تھی لیکن عمل میں اپنی دینی و اجتماعی فرائض کو امام خمینیؒ کے فتویٰ کے ذریعہ درک کرتے تھے بہت افراد تھے جنھوں نے تدریجاًامام کی معاشرتی پیروی سے تقلید میں تبدیل کر دی تھی لیکن وہ افراد بھی کم نہ تھے جو فروع میں کسی اور مرجع کے مقلد تھے لیکن کلی و سماجی موقف و اصول میں حضرت امام خمینیؒ کی پیروی کرتے تھے حضرت امام خمینیؒ کی اسی پیروی کے پرتو کی بناپر انقلاب اسلامی میں عوام کا کردار معنی و مفہوم پیدا کرتا ہے ورنہ اگر عوام دوسرے مراجع کے مقلد ہوتے اور ان کی تقلید کلی اور جامع اطراف ہوتی تو ان کی کارکردگی بھی دوسرے ان مقلدین کی طرح ہوتی جو امامؒ کی تقلید نہیں کرتے تھے اور اس صورت میں ایسی خصوصیات والے انقلاب کا وقوع معقول و ممکن نہ تھا۔ بہر حال تمام دیندار عوام خصوصاً مسلمانوں کا تعلیم یافتہ و صاحب فکر و نظر طبقے نے جس نے اسلام کا درک جدید تشریح کی بنیاد پر کیا تھا اور انقلاب برپا کرنے والوں میں شمار ہوتا تھا، اپنے تمام ادراک کو بغیر کسی واسطہ کے براہ راست امام سے حاصل نہیں کیا تھا بلکہ ان کے ادراک کے دوسرے عناصر و تحریکیں تھیں جن کا آئندہ صفحات میں ذکر کیا جائے گا۔ اکثر افراد کیلئے حضرت امام خمینیؒ اسلام مطلوب کا نمونہ و چہرہ تھے ان میں بہت افراد ایسے بھی تھے جو حضرت امامؒ کے اسلام اور اس اسلام کے درمیان جس کا وہ عقیدہ رکھتے تھے تفاوت واقع ہونے کی صورت میں وہ اپنے سابقہ نظریات کی تصحیح و انطباق کیلئے امام خمینیؒ کے اسلام کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ان مقدمات وملاحظات کے بعد ہم کوشش کریں گے کہ اس اسلام وتشیع کی خصوصیات جو "عمل کی راہنما آئیڈیالوجی" کے عنوان سے انقلاب کیلئے نظری وثقافتی زمین ہموار کرتی ہیں کا احصا کریں اس سلسلہ میں ہمارا خیال یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں اس قسم کا درک یعنی اسلام سے آئیڈیالوجی انقلاب کی تحصیل و تحقیق دوسرے حریف نظریات (خواہ بالفعل ہوں یا بالقوہ) کی سرگزشت اور ان کے فکری سرچشمہ کی تحقیق و تشریح کے بغیر ممکن نہیں لہذا ہماری کوشش یہ ہے کہ آئندہ صفحات میں حریف آئیڈیالوجی کی توصیفی و تحلیلی صورتحال پیش کریں تاکہ ان کا اور انقلاب آئیڈیالوجی کے موفق دلائل کے ساتھ موازنہ کیا جائے اور اس انقلابی آئیڈیالوجی کی ترجیح کو پیش کیا جاسکے، کیونکہ یہ آئیڈیالوجی مقابلے کی فضامیں ۴۰ و ۵۰ کی دہائی میں تعلیم یافتہ نسل کیلئے پیش کی گئی، اگر اس کی اندرونی قابلیت اور توانائی وکشش نہ ہوتی تو فکر واندیشہ کی تشنہ نسل کی جانب سے اسے قبول کیا جانا تصور کے قابل نہ تھا جو دوسری پرکشش آئیڈیالوجیز کی تشہیراتی یلغار کا شکار تھی۔

حریف آئیڈیالوجی کے فکری سرچشمے

اگر ہم خاص فکری تحریکوں کا جن کا سرچشمہ بیرونی ہے اور جن کا حالیہ ایک دو صدیوں سے ایران میں مشاہدہ کیا جارہا ہے شمار کریں تو وہ بالترتیب لبرل ازم (تجدد) سوشل ازم و نیشنل ازم ہیں۔

الف۔ تجدد (لبرل ازم)

گہری جڑیں رکھنی والی تحریک، جسے آج ہم جدید لبرل ازم کے نام سے یاد کرتے ہیں یہ وہی فکر ہے تجدد و ترقی کے پرچم کو بلند کرتے ہوئے ایران کے غفلت میں پڑے ہوئے معاشرے پر اثرات مرتب کئے، یہ ایسے حالات میں تھا جب ایک طرف روس سے مختلف جنگوں میں ایران کی شکست اور شرم آور قرار داد سے عام لوگ ان حادثات و پسماندگی وعسکری کمزوری سے نالاں تھے۔ دوسری طرف بیرون ملک سے واپس آئے ہوئے تعلیم یافتہ، تاجر، سیاح اور سیاسی افراد یاوہ لوگ جو کسی طرح مغرب سے وابستہ تھے وہاں کی ترقی کی باتیں کرتے جسے مغرب نے چند قرن جہل و ظلمت کے بعد حصول کیا تھا اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوا تھا وہ وہاں کی زرق برق زندگی، جدید ٹیکنالوجی کی تعریف کرتے اور عوام کو اس کے مشاہدہ کی دعوت بھی دیتے تھے وہ افراد جو مغرب کی ترقی و تمدن کے پیغام لانے والوں کے ساتھ ہم نشین ہوتے تھے ان کی مثال ان بچوں کے مانند تھی جو آج بھی بندرگاہ سے آئے ہوئے مسافر کے صندوق کے ارد گرد بیٹھ جاتے ہیں تاکہ آخری ماڈل کے کھلونے، روبوٹ اور دوسرے سامان کا مشاہدہ کریں۔

مغربی دیار کے مسافر اپنی اطلاعات و عمق بصیرت کے مطابق اپنی ابتدائی سوغات و محصول جو اصطلاحاً اس دیار کا علم ان کی ایجادات کے ساتھ لے کر آتے تھے جن کو دیکھ کر افراد مبہوت ہوتے تھے وہ جو سوغات لے کر نہ آتے اس کے سلسلہ میں اپنے مشاہدات کا بیان یوں کرتے جیسے عجائب و محیر العقول امور کی تشریح کر رہے ہوں، دوسرے ممالک کی دوسری سوغات جسے بہت ذوق و شوق سے بیان کیا جاتا اور سنا جاتا وہاں کے معاشرے کی شکل و تشخص اور ان کا انتظام حکام و عوام کے رابطے، قانون اور قانون سازی کیلئے پارلیمنٹ اور نمائندہ و رہبر و حکومت کا عوام کے ذریعہ انتخاب، ظاہر سی بات ہے جنھوں نے اب تک فرمان ملوکانہ، ارادہ سلطان، صلہ و بخشش شاہانہ دیکھا ہوان کیلئے یہ سوغات ہوش ربا تھی، جسے دیکھنے اور رکھنے کی آرزو ہر ایک کو تھی لیکن بعض وہ افراد جو گہری نظر سے اس دیار کے حالات کو دیکھتے اور ثقافتی و سماجی تحولات کو عمیق نگاہ سے مشاہدہ کرتے تھے ان کیلئے تیسری سوغات بھی مد نظر تھی اور وہ اساسی و بنیادی سبب تھا جو ان تمام واقعات کا سبب و باعث بنا جس کی بنا پر خدا کو خدائی تخت سے اتار دیا گیا تھا، دین و مذہب کے تمام عقاید جو اب تک کلیسا و پادریوں کے ذریعہ دین کے نام سے دنیاوالوں کیلئے پیش کئے گئے تھے فراموش ہی نہیں بلکہ مخالف تمدن و ثقافت قرار دے دیئے گئے تھے، مغربی انسان و عالم کلیسائی مفہوم کے دین سے منہ موڑنے کے بعد علم تک پہنچا تھا انسان کی اپنی سرنوشت پر حاکمیت کے مفہوم کو کلیسا و پادری کے تسلطہ کو جو دین، خدا و حکومت مطلقہ سے توجیہہ کرتے تھے پامال کر کے حاصل کیا تھا اگر مغرب والے قانون، پارلیمنٹ اور رہبر منتخب کی بات کرتے تھے تو اسے خدائی کلیسا کی بندگی سے منہ موڑنے کا لازمہ و مرہون بنا کر پیش کرتے تھے۔ مغرب سے مرتبط بعض افراد جو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ہی متاثر تھے دیار غرب کی اس سوغات کے فریفتہ و گرویدہ تھے وہ بغیر تاریخی پس منظر اور حالات کو درک کئے ہوئے ایران واپس آنے پر تبلیغ کرتے تھے اور اپنے بے دین و مذہب مخالف بیان و گفتگو کو دلکش انداز میں پیش کرتے تھے بعض اوقات دین کا دفاع کرنے والے جوان کی بے دینی کی تحریک کے مقابل سینہ سپر ہوتے تو یہ اسے جنگ سائنس و دین و عالم و پادری کا رخ دے کر مغرب کی نوعیت ایران میں بھی جاری کرتے تھے دین کے محافظین کی مزاحمت ان کیلئے فائدہ مند ثابت ہوتی تھی اور مذہبی افراد ایک عرصہ تک قدم بہ قدم پسپائی اختیار کرتے جا رہے تھے۔

ظاہر سی بات ہے ان حالات میں جبکہ لبرل ازم اپنے پر فریب مظاہر سے معاشرہ کو خیرہ چشم کئے ہوئے تھا۔ اسلام کے منادی و محافظ ان مظاہر پر آنکھ بند کرنے اور نفی و حرمت کا فتویٰ صادر کرنے کے علاوہ کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے در آمد کی گئی فکر و نظر کے حامل نظریہ روز افزوں ترقی پانے میں حکومت وقت کی ہمراہی نے اہم کردار ادا کیا ہے جب رضا خان کی استبدادی و مغرب کی پٹھو حکومت کے تمام وسائل اختیار میں ہوں تو اس لبرل ازم کا عام ہونا کوئی مشکل امر نہ تھا آئینی تحریک کے چند عرصہ بعد شریعت خواہ مذہبی و دینی شخصیات کی مقابلہ آرائی جو لبرل ازم والوں کی طرف سے عظیم فتنہ کا احساس کر کے انجام پائی تھی شریعت کے پابند بعض افراد نے غیر شعوری طور پر نظریہ استبداد کی حمایت کی اور یہ مغربی نظریات سے متاثر افراد کیلئے اچھا موقع و بہانہ تھا کہ اسلام و استبداد کو

ہمنوا و ظاہر کریں اور اپنے دین مخالف نظریہ کی زیادہ سے زیادہ ترویج کریں حالانکہ وہ خود استبداد کی توجیہہ کرنے والے بلکہ شدید ترین و پر تشدد ترین استبداد کے ہمراہ بلکہ اس کے حمایتی اور اس کو وجود لانے والے تھے اور وہ استبداد رضا خان تھا۔

تجدد پسندی کی کشش میں کمی کے اسباب

جیسا کہ پیش کیا گیا تجدد پسندی کی تحریک کیلئے اوائل میں کافی زمین ہموار تھی اور اس کے مقابل موانع موثر و کافی نہ تھے یہ تحریک اگرچہ رضا خان اور محمد رضا اور دربار کے افراد نیز غیر ملکی آقاؤں کی بے دریغ حمایت کی حامل تھی اور وہ اس کی ترقی و تشہیر میں دامے درہمے سخنے ہم قدم تھے لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر جن کی تشریح کی جائے گی، تجدد پسندی کی کشش و جلوہ نمائی ماند پڑنے لگی جس کے اسباب یہ ہیں:

ا۔ پہلا سبب اس نظریہ کا عدم کمال و ضعف تھا جو اپنے مکان تولد و ظہور یعنی مغرب میں ہی مشکل سے دچار ہوا لبرل ازم کے اقتصادی نظام کا ماحصل اور استثمار و ناانصافی کا نتیجہ تھا جس سے مغرب کا سرمایہ دار معاشرہ شکار ہوا کلاسیک لبرل ازم مغرب میں استحصال کی نمایاں ترین صورت کا سبب بنا سرمایہ دار، مزدوروں کا استحصال کرتے تھے حق طلب اور آئیڈیلسٹ افراد نے جو لبرل ازم کے نظریئے کو اس کی تجدید و حیات کے بعد کامیابی کی شاہراہ و بشری سعادت تصور کرتے تھے، خود کو سرمایہ داری کے سراب میں گرفتار دیکھا ان لوگوں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ یہ علم و آزادی جو لبرل نظریئے کا نتیجہ ہے سرمایہ داروں کی آزادی و طاقت ہے تاکہ غریب مزدوروں کی مزدوری کو زیادہ سے زیادہ غارت کر سکیں یہ صورتحال ان افراد کیلئے خوش آئند نہ تھی اسی بنا پر مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کے بطن سے ایک اور مکتب استحصال اور لبرل نظام کے خلاف وجود میں آیا جسے سوشلزم کا نام دیا گیا۔

۲۔ سرمایہ داری کا نتیجہ جو استحصال کی صورت میں ہویدا ہوا جس کے سلسلہ میں اوپر عرض کیا گیا، مغربی سرمایہ داری کے تمدن نے بشریت کی تاریخ میں ایک ناکام تجربہ تمام نقاط جہاں کیلئے چھوڑا ہے، دنیا کے بہت سے خطے یورپی ممالک کی واضح اور بے رحم استعماریت کا شکار تھے، مالی، طبیعی و انسانی ذخائر کی تباہی اور افریقہ، ایشیاء و امریکہ کے علاقوں سے لاکھوں غریب و محروم انسانوں کی اسارت نے سرمایہ دارانہ نظام اور اس کی ماہیت کی بہت ہی رسوا کن تصویر پیش کی ہے بابصیرت افراد اور مفکرین کے نزدیک کیلئے ان نظریات و افکار (لبرل ازم) کی حقانیت اور اعتبار ختم ہو کر رہ گیا ہے۔

۳۔ایران کے دانشور و مفکر مذکورہ دو اسباب کے علاوہ ایک دوسری آشکار حقیقت کو بھی اپنے سامنے رکھتے تھے جو مغرب کے تجدد و ماڈرن ازم کیلئے چیلنج تھی وہ تجدد کے حامیوں کی کارکردگی اور پٹھو حکومت کا عملی کارنامہ تھا چونکہ پہلوی اول و دوم سازش، بغاوت کے ذریعہ حاکم بنے تھے اور یہ سازشی پروگرام آزادی و ڈیموکریسی کی مدعی حکومت یعنی امریکہ و برطانیہ کے ذریعہ وجود میں آیا تھا جس کے نتیجے میں ایرانی معاشرے ظالم ترین ڈکٹیٹر شپ اور استبداد صفت حاکم مسلط ہوئے اور آزادی و آزاد خیال ان کی حمایت کررہے تھے۔ لہذا اس درآمد کئے گئے نظام کے سلسلہ میں ایک ذرہ بھی خوش گمانی نہ رہ گئی تھی اور اس نظریہ کی پہلی جلوہ نمائی ماند پڑ گئی تھی۔

مجموعی طور پر یہ تین اسباب اس قدر اثرانداز ہوئے کہ ایران میں مغرب کے کلاسیک لبرل ازم سے منسوب نظریات کے فریبی و زرق برق والے چہرے سے نقاب اٹھ گئی۔ ڈکٹیٹر شاہ کی حکومت کے اواخر ایام میں شائد ہی کوئی ایسا ہو جس میں تجدد کے بارے میں پہلی خوش گمانی باقی رہ گئی ہو فطرتاً اب وہ نظریہ صاحبان بصیرت کے نزدیک اپنی حیثیت کھو چکا اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا لہذا نئے نظریہ کی تلاش شروع ہو گئی تھی۔

ب۔ سوشل ازم

دوسری وہ فکری تحریک جس نے مغرب میں پیدائش کے بعد خطرناک طوفان کے مانند ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور بڑی تیزی سے لبرل ازم کی حریف بن کر ابھری، سوشل ازم ہے، اس نے لبرل ازم کلاسیک کی سرمایہ داری یعنی استحصال و ناانصافی کے مقابل اپنا اصل نعرہ "عدالت" قرار دیا، یہ عقیدہ مارکس کے ذریعہ وجود میں آیا، یہ نظریہ نوبنیاد تحقیق شدہ و علمی فلسفہ کی شکل میں پیش کیا گیا اور طبقاتی نظام سے انسانوں کی رہائی، حقیقی آزادی کو اپنا ہدف قرار دیا یہ وہ نظام ہے جس میں، عدالت، آزادی کی معرف و مقوم ہے مارکس ازم نے مذہب کے سلسلہ میں لبرل ازم سے ایک قدم آگے بڑھا دیا کیونکہ لبرل ازم کا نظریہ مذہب کے بارے میں سیکولر ہے وہ سماجی و اجتماعی مسائل سے مذہب کو الگ و گوشہ نشین رکھتا ہے اور عدم مداخلت کا قائل ہے لیکن مارکس ازم مذہب کو طبقاتی نظام کی توجیہہ کرنے والا عوام کیلئے افیون بتاتا ہے اور خانہ نشین مذہب کو بھی مزدور طبقہ کیلئے عدم اطلاع کا سبب اور مانع قرار دیتا ہے۔

بہرحال اس مکتب نے فطرت انسانی کی دیرینہ و بنیادی ترین آرزو یعنی عدالت کو اپنا موضوع و ہدف بنایا تھا ان حالات میں مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام استثمار و استعمار کے کریہہ ترین جلوے دنیا والوں کے سامنے پیش کر رہا تھا اور انسانی حقوق کو خوشگوار کے مانند نوش کر رہا تھا بشریت سرگرداں و خستہ حال سرمایہ داری کے صحرا میں بھٹک رہی تھی۔ اگر اس نظریہ کو پیش کرنے والوں کی

نظری استعداد، سیاسی و سماجی حمایت اور لینن کی اس نظریہ و اعتقاد پر سیاسی و عسکری کامیابی کو نظر کے سامنے رکھیں تو اس کی کشش کو بہتر درک کر سکیں گے، عدالت پسندی مقصد پر تاکید جو سرمایہ دارانہ نظام کے استحصال کے مقابل تھا اس کے علاوہ مارکس ازم کا دنیا والوں کو جو استعماری تعلقات میں پھنسے ہوئے تھے توانمند Cosmopilitanism، استعماری روابط کی نفی، محروم خلق و عوام و رہائی بخش تحریکوں کا دفاع اور عدالت خواہی کا پیغام دینا اس نظریہ و عقیدہ کی اہمیت کو دوچندان کر دیتا ہے۔ ان اہداف و اغراض کی بنا پر بیسویں صدی کے پہلے سات عشروں میں یہ مکتب بہت پھیلا اور ۵۰ سال کے کم عرصہ ہی میں سرمایہ داری کا اصل حریف بن کر ابھرا ایران میں بھی رضا خان کی دور حکومت کی شروعات کے زمانہ سے اس مکتب کے فراز و نشیب کے شواہد پائے جاتے ہیں۔ البتہ ۱۳۱۵ھ ش(۱۹۳۶ء) سے سیاسی ظہور کا آغاز واقعی طور سے۔ تقی ارانی کی قیادت میں ۵۳ افراد کی شمولیت سے شروع ہوا ایران میں ۲۰ کی دہائی میں دو طرف یہ مکتب پھیلا، ایران کے شمالی علاقہ خصوصاً آذر بائجان میں اس کے موافق افراد خود مختار حکومت کی تشکیل تک پیش قدمی کر چکے تھے اور تہران و دوسرے علاقوں میں بھی تودہ پارٹی کا وجود اس امر پر دلالت کرتا ہے جو ایک معروف پارٹی میں تبدیل ہو چکی تھی اور حکومتی و غیر حکومتی نشریات مارکسزم کو ثقافتی میدان میں اہم ظاہر کرنے لگے تھے اور اس نے ملک کی اچھی خاصی ذہنیت کو تحت تاثیر قرار دیا تھا، مارکسزم اور سوشلسٹوں کے نظریات ملک میں پر کشش ترین فکری تحریک میں تبدیل ہو گئے تھے۔[۴] البتہ یہ فکری تحریک عوام کی نسبت روشن خیال افراد میں زیادہ کامیاب ہوئی۔ عوام کے مذہب و ثقافت سے مارکس ازم کا اعتقادی و فکری تضاد اس کی ہمہ جانبہ کامیابی و تاثیر گزاری سے مانع تھا۔

سوشل ازم کے ستارے کا غروب ہونا

شاید کہا جا سکتا ہے کہ سوشلزم، مارکسزم و لینن ازم نے جس حیرت انگیز سرعت سے ترقی کی اسی طرح زوال کا شکار ہوا اگر ہم سادہ لوحی سے کام نہ لیتے ہوئے سوویت کا شیرازہ بکھرنے کو مارکسزم کی موت تصور کریں تب بھی قطعاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی بالیدگی و درخشندگی ختم ہو چکی ہے اور رو بہ زوال ہے اس کے اسباب کو یہاں اجمالاً بیان کیا جا رہا ہے۔

ا۔ سوشل ازم کو یہ اقبال حاصل تھا کہ ایک نظریہ کے طور پر نو بنیاد حکومت سے بلند ہو کر اجتماعی و سماجی انقلاب میں تبدیل ہوا لیکن یہی سبب جس نے اس نظریہ کی اشاعت و تبلیغ میں اہم رول ادا کیا اس کیلئے مانع قرار پایا کیونکہ اس حکومت کے تمام اقدامات اس نظریہ کی ماہیت کے کھاتے میں قرار پائے تھے، سوویت یونین کی حکومت نے خصوصاً اسٹالین کے بعد ایک گھٹن اور تشدد کا نمونہ پیش کیا جسے مقابل گروہ نے پروپیگنڈہ سے اس نظریہ کے ماحصل کو کریہہ و غیر قابل دفاع بنا دیا، یہ پر تشدد اقدامات دھیرے دھیرے

ڈکٹیٹر شپ کے مفہوم کی نظری توجیہہ کے ہمراہ ہوگئے اور اس نکتہ کی تائید کرتے کہ یہ فکری نظام عدالت کو آزادی کی قیمت پر پیش کرتا ہے اور معاشرے عدالت کے حصول کیلئے آزادی سے ہاتھ دھولیں یہ وہ سنگین قیمت تھی جس کا ادا کرنا اہل فکر و عقل کیلئے آسانی سے ممکن نہ تھا جبکہ فراوان علامتیں واشارے موجود تھے کہ ہاتھ سے گئی آزادی سے حقیقی عدالت برقرار نہیں ہوسکی ہے۔ روس میں جماعتی اور حکومتی عہدیداروں کو سہولیات اور مراعات دیئے جانے کے سلسلے میں جو ناانصافی نظر آتی تھی وہ کم از کم بعض جہات سے سرمایہ دارانہ نظام کے حاکم طبقے کو ملنے والی مراعات کے مساوی تھی۔

۲۔ سوویت یونین کی کارکردگی اس کے اپنے پروپیگنڈے کے برخلاف تھی اور سوویت یونین نے آزادی کا جنازہ نکال دیا تھا، اس کے علاوہ، دوسری عالمی جنگ کے بعد دونوں سپر پاورز میں نفوذ قدرت کی تقسیم کے سلسلہ میں جو سمجھوتے کئے گئے ان کے مارکسزم کے Cosmopilitanism کے نعرے کو شدید جھٹکا لگا، لہذا حریت پسند وہوشمند مبصرین اس مسئلہ کے شاہد تھے کہ سوویت یونین اہم اور اسٹریٹیجک مفادات کیلئے متعدد موارد میں محروم خلق کے مفادات کو نظرانداز کردیتا ہے۔

۳۔ یہ دو مسئلے ایران میں بھی صاحبان بصیرت کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہے خصوصاً تودہ پارٹی کی کارکردگی مقامی طور پر اس کمی کو ظاہر کررہی تھی، فہیم ایرانی شاہد تھے کہ تیل کے قومیائے جانے کی تحریک میں تودہ پارٹی بجائے اسکے کہ ایران وایرانی عوام کی حمایت کرے وہ شمال کے پٹرول کے علاقے کے امتیاز کو روس کے حوالے کرنے کا مطالبہ کرتی تھی اور اس نے پٹرول تحریک میں اپنے امکان ووسائل سے انقلاب کے دشمنوں کے مقابل موثر طریقہ سے استفادہ نہیں کیا اور ۱۵ خرداد ۱۳۴۲ (۵ جون ۱۹۶۳ء) میں سوویت یونین نے بھی شاہ ایران کے ساتھ ہم صدا ہوکر ایرانی عوام کی مقاومت کو ارتجاع سیاہ کا لقب دیا اور انقلابی طاقتوں کو شاہ کی ارضی اصلاحات میں متضرر ہوئے افراد سے تشبیہ دی۔[۵]

مارکسسٹوں کی اس طرح کی کارکردگی، انتقامی کارروائیوں، سازشی موقف، شاہ نوازی نے روس اور مارکس ازم کی ساکھ کو نقصان پہنچایا کہ شاہ کی حکومت کے آخری عشرے میں انقلابی مارکس ازم اپنے عملی و نظری نمونوں کو اس مکتب کے قلمرو ودائرہ میں جستجو کرنے لگے تھے لہذا چینی و کیوبائی مارکسزم نے تودہ پارٹی اور روسی مارکسزم پر برتری حاصل کرلی تھی، مارکسسٹ کا آخری میدان بھی اپنے ماہوی آموزش کے آسیب سے محفوظ نہ رہ سکا خشونت وظالمانہ حادثات کا وقوع جو جماعت کے اندر انتقامی کارروائی کے تحت انجام پارہا تھا مارکسسٹ گروہ کے عقیدتی تغیر و تحول کا سبب بنا، تنظیم مجاہدین خلق [MKO] جو شاہ کے خلاف خفیہ اور مسلح جدوجہد کررہی تھی اسی کا نتیجہ تھا، ایک مرتبہ پھر اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ اسٹالین کا رویہ مارکسسٹی نظریہ تعلیمات کا ناگزیر جز ہے۔

بہر حال مارکسسٹ سے مربوط نظری جدل وجدال اور مجموعی وقایع جو شاہ کے اواخر عمر میں انجام پائے حقیقت طلب افراد کی نگاہ میں سوشل ازم ومارکس ازم نظریات اپنی سابقہ وجاہت وعظمت کھو بیٹھے تھے اور دوسرے نظریات ومکاتب کی جستجو کیلئے راہ ہموار ہو گی تھی۔

ج۔ نیشنل ازم

جیسا کہ تجدد گرائی کی کشش میں کمی کے اسباب کی تحقیق کے سلسلہ میں اشارہ کیا گیا کہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کی استعماری کارکردگی کے نتائج واثرات جنھوں نے دنیا کے عظیم حصہ کے ثقافتی، انسانی قدرتی ومادی ذخائر کو بہت نقصان پہنچایا تھا سبب ہوا کہ بعض صاحب نظر جو اس صورتحال کے نظارہ گر تھے، انسانی حقوق کی حفاظت نیز ملکی وقومی تشخص کے دفاع کیلئے جو استعمار اور بڑی طاقتوں کے ہاتھوں پایال ہو رہے تھے، کے تحفظ کو اپنا ہدف ومقصد قرار دیتے ہوئے فکر ونظر کے بعد ایک مکتب پیش کریں کہ یہ مکتب آہستہ آہستہ اپنی راہ ہموار کرتا گیا اور نیشنل ازم کے نام سے عالمی سطح پر تحرک کا سبب بنا۔

اس بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ اس مکتب کو استعماریت اور مغربی طاقت کے تسلط اور جارحیت کے خلاف استعمال کیا جاسکتا تھا لیکن یہ مکتب انہی طاقتوں کی خدمت میں استعمال کیا گیا، اس کے بانی ومروج خود عظیم طاقتیں واستعمار تھا مغربی طاقتوں کا استعماری ہدف وتوسیع پر مبنی مقصد جہاں بھی صاحب اقتدار حکومت سے ٹکراتا ہے اور ان کا وجود ان کے مفادات کے حصول سے مانع ہوتا ہے تو وہ قومی، مذہبی، لسانی، نژادی اختلاف وجدائی ڈالنے کیلئے نیشنل ازم کا حربہ استعمال کرتے ہیں۔ اس ملک میں موجود اقوام ومذاہب میں نیشنل ازم کے ذریعہ خود مختاری کا نعرہ لگا کر ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اس استعماری چال کا آشکار مصداق سلطنت عثمانیہ کا زوال تھا جس کے نتیجہ میں چھوٹے بڑے چند ملکوں کا قیام عمل میں آیا اور اسی سوءاستفادہ کا ایک دوسرا رخ اسرائیل کا وجود ہے۔

دوسری عالمی جنگ کے دو عشروں کے بعد یہ مکتب فکر اپنے اوج وبلندی کو پہنچا اس زمانہ میں حریت پسندی کی تحریک جو نیشنل ازم سے متاثر تھی وجود میں آرہی تھیں جس کے سیاسی وسماجی نتایج کے طور پر کلاسیک استعمار ٹوٹنے لگا تھا اور ممالک دوسری طاقتوں کی حکمرانی کو ختم کر کے خود مختاری پا رہے تھے۔ البتہ یہ ظاہر قضیہ تھا، افسوس کہ فتح کے احساس کو زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ زیادہ گہرا اور خفیہ تسلط نئی شکلوں [جدید سامراج کی شکل] میں جاری رہا۔

۱۳۲۰ھ ش (۱۹۴۱ء) کی دہائی کے بعد ایران میں جو حوادث تیل کے قومیائے جانے کی تحریک کے تحت پیش آئے وہ ایران میں نیشنل ازم کا ایک نمونہ تھا جو چند دہائیوں کے بعد ایک پر کشش فکری تحریک میں تبدیل ہو گیا جس نے اکثر اصلاح پسند

واغیار مخالف شخصیات کو اپنے میں جذب کر لیا تھا ابتدائی مراحل کی کامیابی آئندہ کیلئے نوید بخش تصور کی جارہی تھی لیکن اہل نظر و فن پر اس مکتب کے نقائص اور اس کا بے سود ہونا تدریجاً ظاہر و آشکار ہونے لگا تھا۔

مفکرین آہستہ آہستہ اس حقیقت کو محسوس کرنے لگے تھے کہ نیشنل ازم کی حد اکثر کامیابی اغیار سے مقابلہ و جنگ کے مرحلہ تک ہے لیکن سماج و معاشرے کی ہدایت و راہنمائی اور سماجی انتظام چلانا اس کے بس کی بات نہیں، یہ ضروری بنیادوں سے خالی ہے اسی بنا پر اکثر انقلابی افراد اور تحریک کے قائدین کامیابی کے بعد اول مرحلہ میں اپنے معاشرے کو جہت دینے میں ایسے دستور العمل و آئین نہیں رکھتے تھے جو نیشنل ازم فکر سے وجود میں آیا ہو لہذا دوسرے مکاتب فکر کی طرف ہاتھ پھیلانے کیلئے مجبور ہوئے جیسے لبرل ازم یا سوشل ازم یا دونوں سے مرکب مکتب فکر، ان نظاموں سے وابستگی ان کے فکری میلانات یا اندرونی اختلافات و بعض وقت آشکار و پنہان سازش کا نتیجہ بھی تھا جس کی بنا پر خود مختاری حاصل کرنے والے ممالک کے رہبر و عوام تدریجاً دو استعماری بلاک میں کسی ایک سے وابستہ ہو جاتے تھے اور اہل نظر پر نیشنل ازم کا سراب ہونا ثابت ہو گیا۔ ایران میں بھی ۱۳۳۲ھ ش(۱۹۵۳ء) میں امریکی سازش کے تحت حکومت کی تبدیلی اور قومی و عوامی تحریک کی شکست نے یاس و ناامیدی کا ماحول پیدا کر دیا اور نیشنل ازم کے چہرے سے بچی کھچی طراوت و تازگی کو بھی ختم کر دیا تھا حالت یہ تھی کہ ۵۰ کی دہائی میں نیشنل ازم کے حامی دوسری نظری تحریکوں کے مقابل تحرک کے قابل بھی نہ تھے چند مختصر عناصر باقی رہ گئے تھے جو محتاطانہ رنگ اپنائے ہوئے نیشنل ازم کی گاڑی کو کھینچ رہے تھے۔

اس حال میں جبکہ مذکورہ تینوں مکاتب (لبرل ازم، سوشل ازم اور نیشنل ازم) نظری و فکری اعتبار سے محدودیت اور عدم تحرک کا شکار تھے اور اپنی افادیت کھو بیٹھے تھے اسلام نے نئی تشخص کے ساتھ درآمد کئے جانے والے نظریات کا اصل حریف بن کر میدان میں قدم رکھا اس کا دعویٰ تھا کہ وہ اسلامی معاشرے سے متعلق جدید اقتصادی، سیاسی و سماجی مسائل کا حل رکھتا ہے، آخرکار اسلام فاتح و کامران بن کر نکلا اور عصر حاضر کا بدیع ترین و عوامی ترین سماجی، ثقافتی اور سیاسی انقلاب اسلامی ایران کو دنیا والوں کے سامنے پیش کیا، وہ انقلاب جو اکثر تجزیہ نگاروں اور مبصرین کی نگاہ میں اسلامی آئیڈیالوجی کا حامل تھا، اس کے وقوع میں دینی و مذہبی اعتقادی اسباب کا کارفرما ہونا غیر قابل انکار ہے، آئندہ صفحات میں اسلام کی اس جدید تشریح کے تکوینی مراحل کو بیان کیا جائے گا۔

انقلابی کی آئیڈیالوجی کے تکوینی مراحل

ا۔جدید علوم ودین کے تعارض کی نفی

جیسا کہ قبلاً اشارہ کیا گیا پہلے مرحلے میں تجدد گرائی کی فکر جدید مغربی علوم اور اس کے نتائج سے استفادہ کرتے ہوئے وجود میں آئی تھی اس زمانہ میں اکثر صاحبان دین ومذہب، اس نگرانی کے باعث جو وہ یورپی افکار اور اغیار کے مقاصد میں دیکھ رہے تھے مغربی علوم ودانش کی مخالفت کرتے تھے۔[۶] علم ودین کا تعارض جس کی بنیاد مغرب کے تاریخی حالات پر تھی ایران میں بھی ایک حساس مسئلہ بن گیا تھا۔ جدید علوم حاصل کرنے والے پہلے افراد وہ تھے جو دین کے مدافعین کی جانب سے جدید علوم کی مخالفت پر توجہ نہ کرتے ہوئے جدید علوم حاصل کر رہے تھے، حقیقت میں انہوں نے دین کو ہاتھ سے دے کر جدید علوم حاصل کئے تھے، لیکن آہستہ آہستہ یہ صورتحال بدلنے لگی دیندار افراد نے اپنے اعتقاد اور دینی تعلیمات کے تحفظ کے ساتھ جدید دانش وعلوم کے حصول کیلئے قدم اٹھایا یہ حرکت بعض علما کے جدید علوم کے مراکز کی تاسیس وتدریس سے مزید وسعت کا باعث بنی اور دین ومذہب کی معتقد اسلامی شریعت واحکام کی پابند اور جدید علوم ودانش سے لیس پہلی نسل نے اسلامی سماج میں قدم رکھا، علمی مراکز میں ان کی موجودگی کسی حد تک علم ودین کے تعارض کو ختم کرنے میں معاون ثابت ہوئی تاریخی اعتبار سے یہ واقعہ ۱۳۲۰ھ ش(۱۹۴۱ء) کی دہائی میں رونما ہوا، بیرون ملک سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد قلیل افراد کا یونیورسٹی فضا میں اساتذہ کے منصب پر فائز ہو کر اس ماحول میں اپنے کو پابند شریعت ونماز خواں ظاہر کرنا اس سلسلے کی پہلی کڑی تھا، اسلامی مدارس کی تاسیس جن میں جدید علوم کی تعلیم وتعلم اور جدید شیوہ وروش کا استعمال دینی تربیت اور مذہبی واسلامی فکر کی گہرائی کیلئے بھی پروگرام کا مرتب تھا، سے علم ودین کا تعارض روز بروز ختم ہوتا گیا۔[۷]

۲۔دین کی سائنسی توجیہہ

مسلمانوں کے تعلیم یافتہ پہلے گروہ کیلئے کہ جو جدید علم ودانش سے لیس تھا، تجدد مآب وجدید علوم کے پیدا کردہ شبہات کے مقابل اسلامی احکام ویقینیات کے دفاع کا مسئلہ بہت زیادہ اہمیت اختیار کر چکا تھا، اس گروہ کے نمایاں افراد جو طبیعی، تجربی اور فنی علوم میں اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے، کی یہ سعی وکوشش تھی کہ جدید دانش واس کے نتائج اور دینی اصول واسلامی احکام کے درمیان سازگاری پیش کی جائے دینی نظریہ کی توضیح، تکامل اور دین اسلام میں احکام طہارت کے اصول وجدید ڈاکٹری نظریات سے ان کی مطابقت اس سعی وتلاش کے آشکار نمونے ہیں۔[۸] اس مرحلہ میں عام طور سے کوشش یہ ہوتی تھی کہ ہر علمی کشف کیلئے دین وسنت سے تائید مہیا کی جائے اور اس زاویہ سے دین وعلم کی یکجہتی کو پیش کیا جائے۔

اگرچہ بعد کے مرحلہ میں اس نوعیت کی فکر کا نقص مفکرین کیلئے غور وفکر کا سبب بنا لیکن اس مرحلہ میں یہی توجیہہ علم ودین کے تعارض کی حساسیت کو کم کرنے میں کارساز ثابت ہوتی تھی اور اسلام کی توانمندی فکری مقابلے کے میدان میں زیادہ ظاہر ہوئی، یہ حرکت آہستہ آہستہ عقل ووحی، علم وایمان کے رابطہ کے سلسلہ میں عمیق بحث ونظر میں تبدیل ہوگئی، نیز Materialism وتجربی علوم کی جانب سے تمام معرفتی میدانوں میں جواب نہ دیئے جانے کی وجہ سے اسلام کو مزید تقویت ملی اور سائنس کو بنیاد بنا کر اس کے وسیلے سے دین کی توجیہہ کرنے کے سادہ لوحی پر مبنی رجحان میں کمی آئی اور سائنس ودین کی یکجہتی یا تضاد سے متعلق تنازعہ نے زیادہ اصولی رنگ اختیار کرلیا جو ابھی تک برقرار ہے۔

۳۔ دین اور مابعد الطبیعات کا فلسفی دفاع

دین کی علمی توجیہہ کے سلسلہ میں جو کوشش وسعی انجام دی گئی ممکن ہے کہ شرعی احکام کی صور کے سلسلہ میں بعض شبہات واعتراضات کا جواب دے سکے اور دفاع کرے سکے لیکن اس قسم کی کوششیں مابعد الطبیعات کو نشانہ بنانے اور معرفت شناسی کو حسی معرفت اور Materialism کے تنگ دائرے میں محدود کرنے والے اعتراضات کا جواب دینے پر قادر نہ تھیں، دین پر یہ فلسفی حملے اس وقت کارساز ثابت ہوئے جب دینی تہذیب وکلچر کے ارباب امر حوزہ علمیہ کے صاحبان کے ذریعہ فلسفی معرفت عقلانی بینش، اخباری تحریک اور فلسفہ مخالف نظریہ کے تازیانوں سے لہولہان ہو رہی تھی، ایسے عقلانی مسائل کے سلسلہ میں بحث ومباحثہ اور تعلیم وتعلم کو حوزہ علمیہ سے خارج کردیا گیا تھا۔

لیکن اس حالت میں جبکہ دین ومذہب کے خلاف نظریاتی حملہ کے مقابل، دینی ومذہبی وعلمی حلقوں کی ناتوانی مشہود تھی۔ ۱۳۳۰ھ ش(۱۹۵۱ء) کی دہائی میں ایک مختصر مگر جامع، گوشہ نشین مگر عمیق جدوجہد کے جذبہ سے مملو علمی مجلس نے اسلامی فلسفہ پر اتکا کرتے ہوئے زمان ومکان وجدید شبہات سے آگاہ اصول وفلسفہ Realism میں غور فکر کو موضوع قرار دیتے ہوئے قدم رکھا یہ علمی مجلس عظیم مسائل کو حل کرنے میں راہ گشا وکارساز ثابت ہوئی اس بابرکت تحریک کے ارکان محدود افراد تھے انہوں نے افکار ونظریات کی بنیاد واساس کو اس طرح مستحکم وقوی قرار دیا کہ دو عشروں کے بعد معارضین کے مقابل فلسفی مباحث میں دین کے مدافعین کی سرفرازی وبلندی امکان پذیر ہوئی، ان معنوی حلقہ کے افکار ونظریات ہستی شناسی کے مبانی میں شبہات میں کارساز ہونے کے علاوہ فکری مکتب کے تربیت یافتہ اپنے اندیشہ وتفکر کے عمق وغنا کی مدد سے ثقافتی سماجی وسیاسی مسائل میں بھی اپنی عمیق وقابل تحسین نظر کا استفادہ کرتے اور روشن ضمیر واسلام پسند مفکرین کے حامی وپشت پناہ تھے۔

۴۔سیاسی وسماجی شبہات کے مقابل دین کا دفاع

فلسفی و معرفت شناسی کے شبہات اگرچہ بنیادی تھے لیکن ان کی انیج کم تھی، سیاسی و معاشرتی شبہات جو مارکس ازم کی طرف سے کئے جاتے ان کا دائرہ وسیع ہوتا تھا جیسے مذہب ودین، عوام کیلئے افیون ہے اور تاریخ میں معاشرے کی طبقہ بندی اور اونچے طبقہ کی حاکمیت و تسلط علماء دین کی توجیہہ کے کردار کا نتیجہ ہے اور معاد و تقدیر الٰہی پر یقین کی تعلیم فقط ایک فریب و عوام کو دھوکہ دینے کیلئے ہے، انہیں غیر عادلانہ و ظالمانہ سماجی و معاشرتی نظام کے سامنے جھکانے کیلئے ہے، ان حالات میں دین کے مدافعین کو دشوار صورتحال کا سامنا تھا خصوصاً جب اسلام وعلماء کے مقابل شاہ کی تخریبی اور دین مخالف پالیسی و تجدد کے مدعی مغرب زدہ افراد کے زہریلے پروپیگنڈے کو مدنظر رکھیں تو مارکس ازم کی لہر کا خطرہ زیادہ محسوس ہوتا تھا، کیونکہ ان کے دامن انقلابی موقف اور شاہ سے مبارزت کے زیور سے آراستہ بھی تھے۔

ان بظاہر پرکشش مواقف کو جب محسوس اور حقیقی علامتوں اور قرائن کے ساتھ پیش کیا جاتا اور غافل مدعیوں اور ریاکاروں کے عمل اور موقف کو ان مواقف کے مصادیق بتایا جاتا کو ملک کی نجات کی راہ کی متلاشی تعلیم یافتہ نسل اور باہمت جوانوں کے اذہان میں تشویش پیدا ہوتی جس کا دائرہ محدود دے چند روشن خیالوں سے آگے تک نکل جاتا۔

یہ فکری لہر جو جدید سماجی و معاشرتی علوم کی زبان ومفاہیم سے استفادہ کرتے ہوئے Historical Materialism، فلسفہ وتاریخ، سماجی تکامل کے نظریات، طبقات شناسی سماجی کی تحلیل کے قالب میں پیش ہوئی تھی اس کے مخاطب افراد فقط ذیربط موضوع وحلقوں میں نہ تھے بلکہ اکثر علمی و تعلیمی ثقافتی مراکز میں وسیع مخاطب تھے، کسی کیلئے ممکن نہ تھا کہ ان علوم کی زبان سے آشنائی کے بغیر اس عقیدتی مبارزت کو کامیابی کی منزل سے ہمکنار کرے۔

اس حالات میں چند روشن خیال مسلمان جو انسانی علوم کے تعلیم یافتہ، دقیق مطالعہ نیز دین مخالف مفہوم وروش سے کامل آشنائی رکھتے تھے نئے انداز وبدیع روش کے ذریعہ اسلام و تشیع کے دفاع کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، یہ حرکت پہلے مرحلے میں مساجد وتفسیری پروگرام کے ذریعہ چند روشن خیال علماء کے وسیلہ تہران اور بعض شہر جیسے مشہد میں آغاز ہوئی بعد کے مراحل میں یہ حرکت خواص کی راہنمائی میں وسیع پیمانہ پر تعلیم یافتہ نسل اور مشتاق جوانوں کیلئے ہدایت وراہنمائی کا سبب بنی۔[۱۰]

اس حرکت کی کامیابی فقط ان علوم وزبان سے آشنائی، سازگار ومناسب مفاہیم کی وجہ سے نہ تھی بلکہ بدیع شیوہ کا انتخاب بہت کارساز تھا یہ شیوہ دین کے سلسلہ میں تمام وارد شبہات کی مطلق نفی نہیں کرتا تھا چونکہ بعض الزامات درست تھے اور ان شبہات کی نفی مسائل کو حل کرنے کے بجائے برعکس نتائج مرتب کرتی لہذا اس حرکت نے وسیع تاریخی اطلاعات، دینی ثقافت کے مبانی اور

جدید علوم سے استفادہ کرتے ہوئے اسلام ودین کی حفاظت کیلئے ایک ہوشمندانہ طریقہ اختیار کیااور دونوعیت (اصیل وتحریف) سے دین کی تفکیک تھی۔ لہذا یہ شیوہ سبب بنا کہ جو برے اعمال ورفتار جو اسلام وتشیع کے نام سے تاریخ میں درج تھے، ان کا دفاع کرنے کی ضرورت ہی نہ ہو بلکہ مبسوط شرح کے ذریعہ خالص اسلام کی تصویر مندرجہ ذیل عناوین میں پیش کردی، اسلام خلافت یا اسلام امامت، اسلام اموی یا اسلام علوی، تشیع صفوی یا تشیع جعفری جس سے حقیقی واصل اسلام اور تحریف شدہ اسلام کی حقیقی تصویر کا موازنہ کرنا آسان ہو گیا تھا۔ صاحبان تحریک فقط دین کے جھوٹے دعویداروں کے اعمال وکردار کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ مذہب کے مقابل مذہب کی جنگ کو ایک تلخ حقیقت کہتے تھے اور بشر کی تاریخ میں ہمیشہ اور ہر حقیقی پیامبر کو یہ مشکل درپیش رہی ہے۔ پیامبر اسلام ﷺ کی بعثت کے بعد خصوصاً آپؐ کی رحلت کے بعد آپؐ کے انسان ساز ورہائی بخش پیام وفرامین کی تحریف شروع ہوگئی تھی اسی تحریفی تحریک سے متعلق استنباط کے پرتو میں {کل أرض کربلا وکل یوم عاشورا} کی بہترین طریقہ سے تفسیر کی گئی اور شیعہ ہونے کی ذمہ داری کو امر بالمعروف نہی عن المنکر، تولی وتبریٰ انتظار سے تعبیر کیا گیا اور اسی طرح شہداء پر گریہ وزاری جو قعود وتسلیم وسستی وبی حسی سے مترادف کردیا گیا تھا اسے حرکت، قیام اور مبارزت میں تبدیل کرکے پیش کیا گیا۔ [۱۱]

جیسا کہ اشارہ کیا گیا ہے، دین کے دفاع میں زبان وشیوہ کا یہ تحول بہت کارساز وموثر ثابت ہوا اور اسلام متقن ترین تفکر وجدید ہویت وتعبیر کے ساتھ عصری ضروریات پوری کرنے کے سلسلے میں اپنے نظریاتی حریف سے آگے بڑھ گیا اور اس کی حیرت انگیز کشش سبب ہوئی کہ اس کے مشتاق افراد میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے اور ایک کثیر تعداد میں تبدیل ہوجائیں اور اس تحریک سے منسوب مکتوبات وپیغامات کے وسائل شاہ کے خفیہ ادارے کی طرف سے شدید کنٹرول وسزا کے باوجود وسیع پیمانہ پر آمادہ اور رد وبدل ہوں۔

اسلامی فکر کو ان تمام کامیابی کے باوجود جسے اس نے چار مذکورہ مرحلہ میں طے کیا تھا، ابھی یہ ایک انقلابی آئیڈیالوجی (عقیدہ) بننے سے زیادہ فاصلے پر تھی اور اگر یہ فاصلہ حضرت امام خمینیؒ کے استوار اور ہوشیاری پر مبنی اقدام کے ذریعہ سے طے نہ ہوتا تو معلوم نہیں تھا کہ آج ہم اس انقلاب کی بات کرسکتے تھے جس کی آئیڈیالوجی کی ترقی کے خواہاں ہیں۔

انقلاب کی آئیڈیالوجی کے حلقہ اتمام واکمال حضرت امام خمینیؒ

حضرت امام خمینیؒ جو اپنی بابرکت عمر کے بڑے حصہ میں مذکورہ تحولات کے تیز بین شاہد تھے اور ۱۳۲۳ھ ش (۱۹۴۴ء) میں اسلام کی حاکمیت کا مذاق اڑانے والوں کے مقابل پہلا اقدام کیا۔ [۱۲] اس کے دو دہائیوں کے بعد تک خاموش آتش فشاں کے مانند

آشکار سیاسی ومبارزاتی فعالیت سے دور رہے آپ ان ایام میں حوزہ علمیہ میں رائج طریقہ کی طرح درس وتدریس، علمی بحث ومباحثہ میں مشغول رہے آپ نے حضرت آیت اللہ العظمیٰ بروجردیؒ کی وفات تک کوئی قدم نہیں اٹھایا لیکن ۱۳۳۰ھ ش(۱۹۵۱ء) کی دہائی میں مرجع تشیع کے انتقال کے بعد آپ نے فوراً اسلام مبارز کا عملی معیار ونمونہ پیش کیا اور ایک دینی قائد کے طور پر منظر عام پر آئے۔

یہ منادی اسلام دو اہم صفات کا حامل تھا، آپ نے ایک بے نظیر شجاعت وشہامت کہ مرکز قدرت یعنی شاہ کو کہ جو اس گھٹن واستبداد کے عصر میں جو ۱۳۳۲ھ ش میں امریکی بغاوت وسازش کے بعد وجود میں آیا تھا مورد حملہ قرار دیا اور اس طرح استبداد کے مقابل ایک شجاع ترین عالم ودینی مرجع کے طور پر پہنچانے گئے، آپ کی دوسری اہم صفت سامراج اور اغیار کے تسلط کا مقابلہ تھا جو کیپیچو لیشن اور امریکیوں کے تحفظ کے قوانین پر حملے اور صیہونزم واسرائیل کے سلسلہ میں شدید الحن انتقاد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ البتہ عوام اور ارباب فکر وسیاست اس سے قبل اسلام کے جہادی پہلوؤں کو فدائیان اسلام کے اقدامات، آیت اللہ کاشانی نیز دوسری تحریکوں میں جو رضا خان کے زمانہ میں علماء کی قیادت میں واقع ہوئی تھیں، مشاہدہ کر چکے تھے لیکن اس سے قبل جہادی میدان میں دینی مرجعیت وصف اول کے علماء جن کا اسلام کا درک زیادہ دلیل واعتبار کا سبب ہے مختلف دلائل کی بنا پر اس مبارزت سے دور تھے حتی بعض موارد میں ان کا سکوت نظام حاکم کیلئے ایک قسم کی تائید تصور کیا جاتا تھا۔ لہذا وہ تحریکیں کافی حجیت ومشروعیت کی حامل نہیں تھیں لیکن انقلاب اسلامی میں خود مرجعیت کا پیش پیش ہونا عوام کیلئے استعمار واستبداد کی مخالفت کے سلسلے میں ایک شرعی ودینی فرض سمجھے جانے کا باعث بنا، اس نوعیت کی تحریک بعض شبہات کے مقابل دین کے دفاع کا موثر ترین حربہ ہے اس کے علاوہ امریکی انقلاب (انقلاب سفید) کے مقابل امام خمینیؒ کی تحریک چند دوسری خصوصیات رکھتی تھی اور یہ تحریک روایتی اسلام کے ادراک سے متفاوت تھی۔

شاہ کی ارضی اصلاح کے مقابل چند مراجع وعلماء نے بھی اپنی مخالفت کا اظہار کیا لیکن ان کی مخالفت عام طور سے غصب اراضی کی وجہ سے تھی شاہ مختلف خانوں سے زمین غصب کر رہا تھا۔ لہذا ان علماء ومراجع نے رعایا وکارخانہ کے مزدوروں کو تاکید کی کارخانہ اور زمین کے حصص نہ خریدیں، کیونکہ ایسے اموال میں تصرف شریعت کے خلاف ہے۔ ۱۳ ہم اس سلسلہ میں فقہی دلائل کی بحث میں جانا نہیں چاہتے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس قسم کا موقف مخالفین اسلام کے شبہات کو تقویت کرتا ہے لیکن امامؒ نے اس زاویہ سے بحث نہیں فرمائی بلکہ آپ نے انقلاب سفید کو افکار عمومی کیلئے فریب، امریکہ واغیار کا تسلط اور ایران کے زراعت پیشہ افراد کی نابودی بتاتے ہوئے مقابلہ کیا اور اس کے بعد کبھی بھی خانوں اور سرمایہ دار کو اراضی واپس کئے جانے کا دفاع نہیں کیا۔ ۱۴

اسی طرح یہ مسئلہ عورت کی آزادی اور انہیں حق رائے کا عطا کئے جانے کے سلسلہ میں بھی موضوعیت رکھتا ہے۔ حضرت امام خمینیؒ نے اپنی رائے دوسرے علما کے بر خلاف اصل تاکید، آزادی نسواں و حق رائے کی مخالفت پر متمرکز نہیں فرمائی چونکہ آپ اصلاً اسے خلاف شرع نہیں جانتے تھے۔ حضرت امامؒ کی مخالفت اس جہت سے تھی کہ آپ ان امور کو بے حیائی اور رائے عامہ کیلئے فریب سمجھتے تھے۔ لہذا آپ تقریر میں فرماتے تھے کیا تم نے مردوں کو آزادی دی ہے کہ نسواں کو آزادی دینا چاہتے ہو۔۱۵ لہذا اس طرح آپ نے شاہ کے آزادی نسواں کے جھوٹے دعوی کو افشا کر کے رکھ دیا۔ حضرت امام خمینیؒ کا اس طرح عملی موقف وہ بھی بالاترین عہدے دینی یعنی مرجعیت کے ذریعہ، اسلام کی وہ تصویر پیش کی جو بذات خود تمام شبہات سے پاک تھی۔ لہذا اسی بناپر دیندار عوام نے آپ کی الٰہی فطرت و حق طلب آواز پر لبیک کہی، آہستہ آہستہ روشن خیال و تعلیم یافتہ افراد کے درمیان بھی آپ کو مقبولیت حاصل ہو گئی۔ شاید امام خمینیؒ وہ پہلے مرجع تھے جو اس وسعت میں اس صنف سے مقبول اور متقابل ارتباط بر قرار فرمایا۔۱۶

آپ کا شجاعانہ موقف جلا وطن ہونے کا سبب بنا۔ آپ جلا وطن مرجع کے عنوان سے جہادی اسلام کے اسوہ میں تبدیل ہو گئے۔ ۱۳۴۰ھ ش کی آخری دہائی میں آپ کے وہ دروس جو سیاسی موقف کو بیان کرنے کیلئے اسلامی حکومت۱۷ کے عنوان سے دیئے گئے ایک بدیع و محکم نظری سرمایہ شمار ہوتے ہیں جو فرض شناس مسلمانوں کی حرکت کیلئے راہنما اور امید بخش ہے اس کے علاوہ جوان طلاب و عظیم تلامذہ نے جو اس عقلی و نقلی فکر میں مجذوب ہو گئے تھے، ان مباحث سے وافر استفادہ کیا ہے۔

آپ کی طرف سے مجموعاً سعی و اقدامات کے ذریعہ جو چند دہائی میں انجام دیئے گئے اسلام کی ایک ایسی تصویر سامنے آئی جو حریف نظریہ کے مقابل کافی قوت و اصالت کی حامل تھی اسی طرح آپ کیلئے اسلام کی خدمت انجام دینے کیلئے مزید راہ ہموار ہو گئی تھی بوستان معرفت کے عظیم باغبان نے اپنی ہوشمندی، مجاہدت اور فکری غنا کے وسیلہ سے جو خالص محمدیؐ اسلام کا پودا ۱۳۴۰ھ ش (۱۹۶۱ء) کی دہائی میں اس ہموار زمین میں بوتا تھا اس کا قیمتی و عظیم ثمرہ ۲۲ بہمن ۱۳۵۷ھ ش (۱۱ فروری ۱۹۷۹ء) میں انقلاب اسلامی کی کامیابی کی صورت میں عالم بشریت کو وجود میں آیا جو آپ کی مجاہدت کا نتیجہ تھا۔

اگرچہ اس کامیابی میں امام خمینیؒ منحصر بہ فرد سبب نہیں تھے، دوسرے افراد جو اس عظیم تحریک میں شریک تھے ان کے کردار سے انکار نہیں ہے لیکن اس نکتہ کی یاد دہانی ضروری ہے کہ ان بزرگان کی سعی و کوشش اس وقت کامیاب ہوئی جب امام خمینیؒ کے افکار و نظریات نے ان کی راہنمائی و رہبری فرمائی اور وہ ان افکار میں مجذوب ہو کر اپنی فکر کو اس پر انطباق کرتے ہوئے خطا کی تصحیح کرتے رہے ورنہ وہ اقدامات جو کسی بھی وجہ کی بناپر اس مسیر کمال میں قرار نہیں پائیں وہ انقلاب کی کامیابی یا دوام میں مدد و معاون ثابت نہ ہوئیں بلکہ اس کے خلاف ثابت ہوئیں۔

ان توضیحات کے بعد اگر ہم امام خمینیؒ کے اسلام کی اساسی علامت و تشخص ''انقلاب کی آئیڈیالوجی'' کے عنوان سے بیان کریں اور کہیں کہ اس اسلام نے ۱۳۵۰ھ ش(۱۹۷۱ء) کی دہائی میں اپنے تمام عقیدتی حریفوں کے مقابلے میں ان کے تمام تر ذرائع ابلاغ کے باوجود اپنی حقانیت کو ثابت کر دکھایا تو مبالغہ نہیں ہم اس اسلام کی بات کر رہے ہیں جو تقریباً اپنی حریف آئیڈیالوجی کے تمام نقاط قوت کو اپنے میں پوشیدہ رکھتا تھا اور اس سے بڑھ کر ایسے نظام اور مستقبل کا نقشہ کھینچا کہ جس میں آزادی و عدالت، عرفان و معنویت کیلئے دو رکن شمار ہوتے ہیں۔ حضرت امام خمینیؒ کی بعض خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ آزادی یعنی انسان کیلئے اپنی سرنوشت پر حاکمیت کے حق کو تسلیم کرنا اور ووٹنگ کے ذریعے یہ حق استعمال کرنا۔

۲۔ عدالت، سماجی، اقتصادی عدم مساوات کی نفی اور محروم و غصب شدہ افراد کے حقوق کو واپس کئے جانے کا دفاع۔

۳۔ خود مختاری، استعماری و ظالمانہ روابط کی نفی اور عوام کی حاکمیت کے قانونی حق کا تسلیم کیا جانا اور ان کے حقوق کی بازیابی کیلئے دفاع۔

۴۔ عقلیت پسندی، الٰہی تعالیم و احکام کو بہتر درک و فہم کیلئے عقل اور بشری علوم کے ثمرات پر توجہ۔

۵۔ معنویت پسندی، معنویت، کمالات و تقرب الی اللہ کو نہایت مقصد تصور کرتے ہوئے تمام امور کو ان مقاصد کیلئے بطور وسائل استفادہ کرنا۔ البتہ یہ سابقہ امور کے زمرے میں نہیں ہے۔ دوسرے نظریات و عقائد میں نقائص کا جو احساس کیا جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ اسی خصوصیت کی طرف پلٹتی ہے۔

ہمارا گمان یہ ہے کہ دوسرے حریفوں کے مقابل اسلام کا ارتقاء مذکورہ خصوصیات کی بنا پر ہے اور انقلاب کا دوام و بقا بھی انہی خصوصیات سے وابستہ ہے اور اس کے عدم بقا و دوام کی علت کو انہیں اصول کے پرتو میں تلاش کرنا چاہیے۔ اگر ہم انقلابی عقیدے کے تفوق و برتری کے خواہاں ہیں تو انقلاب کی کامیابی کے بعد جدید صف بندی کو بطور دقیق مورد تامل و فکر قرار دیں تاکہ حریف افکار کے مقابل انقلاب اسلامی کے افکار و نظریات کی تفوق و برتری ثابت ہو سکے۔ ہم اس بحث کو آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔

کامیابی کے بعد کے حالات میں انقلاب کی نظریاتی پوزیشن

اس پوزیشن کی تشریح کیلئے ضروری ہے کہ ہم حریف آئیڈیالوجیز کی تاریخ پر دوبارہ ایک نگاہ ڈالیں۔ ان تین آئیڈیالوجیز میں سے نیشنل ازم میدان رقابت ٹھہرنے کے قابل نہیں تھا، شاہی حکومت کا آخری وزیر اعظم جو اس مکتب فکر سے منتسب تھا اس کی کارکردگی اظہر من الشمس ہے، اس مکتب کی سیاسی زندگی خرداد ۱۳۶۰ھ ش (جون ۱۹۸۱ء) میں خاتمہ پذیر ہوگئی۔ ۱۹ اس طرح کہ آج صرف بعض افراد کا انفعالی موقف ہی سننے میں آتا ہے ان کے اندر حیات کی علامت یا ایک زندہ فکر کا مشاہدہ نہیں ہوتا ہے۔

مارکس ازم یا سوشل ازم نے بھی انقلاب سے قبل کے مراحل میں فراواں دشواری و مشکلات کا سامنا کرنے کے باوجود اوائل انقلاب کے چند سالوں میں ان ایام کی خاص صورتحال سے سوء استفادہ کرتے ہوئے بعض اقدامات انجام دیئے لیکن روشن خیال و تعلیم یافتہ حلقوں طرف سے عدم استقبال کی بنا پر اسی دائرہ میں محدود رہے اور آخر کار انقلابی عوام کے ذریعہ ہمیشہ کیلئے ایران کے سیاسی میدان کو الوداع کہنا پڑا، بین الاقوامی سطح پر اس آئیڈیالوجی کی شکست اور اس کی سیاسی چھاؤنی کا زوال مہلک ضربات ثابت ہوئے حال حاضر میں اس کی سیاسی موت کو بطور کلی مکتب کی موت نہیں کہہ سکتے ہیں لیکن اس میں یقینی طور سے انقلاب اسلامی کی آئیڈیالوجی کا مقابلہ کرنے کی طاقت بالکل نہیں رہ گئی ہے۔

انقلاب اسلامی کی آئیڈیالوجی کے حریفوں میں سے ایک لبرل ازم ہے یہ آئیڈیالوجی اپنے تمام وسیع و متنوع مفہوم کی حیثیت سے کچھ بہتر پوزیشن کی حامل ہے اسے انقلاب اسلامی کی آئیڈیالوجی کا اصل حریف کہا جاسکتا ہے، وہ اسباب جنہوں نے لبرل ازم کو بہتر حالت میں قرار دے رکھا ہے مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں:

ا۔ حریف کی شکست کی بنا پر شادابی

تقریباً ۷۰ سال تک لبرل ازم بین الاقوامی سطح پر سوشل ازم کا اصل حریف رہا ہے ان کے مابین فراواں فکری نبرد رہی ہے خصوصاً اس لحاظ سے کہ اکثر فکری میدان میں دونوں ہم پلہ و حریف تصور کئے جاتے تھے ایک کے اثبات کا لازمہ دوسرے کی نفی تھی لہذا ایک تفکر کے نقص کا اثبات خود بخود دوسرے کیلئے بہتری فراہم کرتا تھا، سوشل ازم کا زوال اور مارکس ازم کی شکست، لبرل ازم کیلئے ایک قسم کی کامیابی تصور کی جانے لگی اور مغرب کے ذرائع ابلاغ نے اس کی خوب تشہیر کی اس صورتحال نے لبرل ازم کیلئے نفسیاتی طور سے سازگار فضا قائم کر دی اور اس کے حامیوں نے اس فضا کا حدامکان مطلوب و خوب استفادہ کیا۔

۲۔ سوشل ازم نظریات سے سبق آموزی

لبرل ازم نے سوشل ازم سے ۷۰ سال مقابلے کے دوران فراواں درس حاصل کیا اگرچہ سوشلزم کی پیدائش وآغاز سرمایہ دارانہ نظام کے کمزوری ونقائص خصوصاً فقر واقتصادی عدم مساوات کی بنا پر ہے۔ سوشل ازم نے اسی بنیادی کمزوری سے استفادہ کرتے ہوئے لبرل ازم کا مقابلہ کیا تھا اس آشکار وعریان مشکل کو حل کرنا یا کسی طرح اس کے منفی نتائج کو کم کرنا سرمایہ داری کے نظام کے بقا وحیات کیلئے ضروری ولازم ہو گیا تھا، اسی لئے سرمایہ داری اقتصاد نے تدریجاً سوشل ازم کے درس رفاو آسائش، سماجی بیمہ کو سیاسی نظام میں داخل کرنا شروع کر دیا اس طرح کہ چند عشروں کے بعد، حکومت رفاہی ۲۰ رائج حکومتوں میں اصلی ترین صور کی حامل تھی، سوشل ڈیموکریٹ، سوشل لیبرل جیسی احزاب کی تاسیس اسی تبدیلی ودرس آموزی کا نتیجہ ہے۔

متوسط طبقات کی کمی و کیفی ترقی غرباء وانقلابی مزدوروں کو نسبتاً رفاہ ومحتاط رویئے میں تبدیلی، عمومی خدمات میں توسیع، حد اقل امکانات کا فراہم کرنا یہ سب اقدامات تھے تاکہ فقر وعدم مساوات کے مکروہ چہرے کو سرمایہ داری نظام سے الگ کیا جاسکے۔ ۲۱ بہر حال اب بھی لبرل ازم نظام کی حاکمیت کے قلمرو میں ایسی حکومتیں موجود ہیں جو مختلف طریقہ سے سوشل ازم کے نظریات کے ذریعہ شخصی مفادات پر سماجی بھلائی کا مقدم کرتے ہوئے بروئے کار لا رہی ہیں جس کی وجہ سے ان معاشروں میں رسوا کن فقر کی علامت کم مشاہدہ ہوتی ہے۔ یہ پروگرام کسی حد تک ان ممالک کو اس الزام سے کہ تیسری دنیا کی غارت گری ان ممالک کے رفاہ کا باعث بنی ہے، بری کرتا ہے اور لبرل ازم آئیڈیالوجی سے متعلق تنازعہ میں کسی حد تک قوی قرار دیتا ہے۔

۳۔ ثقافتی پلورل ازم اور پوسٹ ماڈرن نظریات

لبرل ازم اپنی آئیڈیالوجی ماہیت، تجارب و مستحکم پوزیشن کی بنا پر اپنے کلی اصول کے دائرہ میں تنوع وتکثر کو قبول کرنے والا ہے اور اس میں موجود افکار وآراء بہت زیادہ وسیع ومختلف ہیں اسی وجہ سے ہر انسان ہر فکر کے ساتھ اس کے وسیع میدان میں شرکت سے قرابت وہمدردی کا احساس کرتا ہے اور خود کو اس سے سازگار تصور کرتا ہے درحقیقت لبرل ازم ایک مکار بازار کے مانند ہے جس میں کوئی خالی ہاتھ واپس نہیں آتا۔ لہذا مختلف افراد مختلف احتیاجات کی وجہ سے خود کو اس بازار کا خریدار تصور کرتے ہیں خصوصاً اس وقت جبکہ ان کی ضروریات کا تنوع وعلایق بھی ممدوح قلمداد کئے جائیں، یہ خصوصیت خاص کر پوسٹ ماڈرن کی مختلف شکلیں سبب ہوئیں کہ تیسری دنیا کے بعض دانشور احساس کریں کہ تمام علاقائی وملکی باور وعلایق بھی اس بازار میں خریدار رکھتا ہے یا کم از کم معتبر ہے۔ لہذا اس صورت میں تشخص وعلایق کے ہاتھ سے چلے جانے کی ہمیشگی تشویش سے آزاد ہو کر بازار میں وارد ہوتے ہیں، کیونکہ احساس کرتے ہیں کہ اپنی تاریخ وماضی سے وداع کرنے پر مجبور وملزم نہیں ہیں جس سے گزشتہ نسل کے تجدد گرا اس مشکل میں مبتلا تھے، ظاہر سی بات ہے کہ ایسے افراد ممکن ہے وارد ہونے اور اس بڑے ہاضمہ میں ہضم ہونے کے بعد اپنے گزشتہ وتاریخ کی طرف

واپس نہ آئیں یاان پر جو کچھ گزری ہے اس کے صحیح طریقہ سے درک وفہم کیلئے موقع ومجال نہ رکھتے ہوں۔ لہذاان کی یہ تشویش ان کے جاذبہ پر فائق آنے کیلئے کمتر ہے۔

مذکورہ بیانات اور اس نظریہ کے قدیمی جاذبہ پر توجہ کرتے ہوئے کہ آج لبرل ازم اہم فنی وٹکنیکل وسائل اور خیرہ کرنے والے عظیم اقتصادی ورفاہی امکانات کے ذریعہ اذہان کو اپنی طرف دعوت دے رہاہے اور اس معاشرے پر حاکم قانون، نظم وآزادی کے فریبی یا حقیقی مظاہر بھی اس کا ساتھ دے رہے ہیں، کہا جاسکتا ہے۔ ہمارا اصل حریف لبرل ازم ہے جو تمام تر طاقت کے ذریعہ دوبارہ زندہ کیا گیا ہے ہمیں چاہیے کہ اس سے مقابلے کیلئے تمام قوت سے لیس ہوں اور ہمیں جان لینا چاہیے کہ صرف گزشتہ ماحصل پر تکیہ کرنا ممکن ہے غفلت کا سبب ہو جائے اور احساس کمتری ومرعوب ہونا بھی اسلامی ثقافت کے وارثوں اور انقلاب اسلامی برپا کرنے والوں کیلئے مناسب نہیں ہے۔

موجودہ دشواریاں

حریف کا سامنا کرنے میں انقلاب کی مدافع فکر کی فعلی صورتحال کے سلسلہ میں اشارہ کیا جائے کہ مجموعی طور سے کامیابی کے بعد انقلاب کی آئیڈیالوجی کی پوزیشن موجود نظام کا مقابلہ کرنے کی آئیڈیالوجی سے اسلام حاکم میں تبدیل ہوگئی ہے اور یہ امر اگرچہ ناگزیر تھا لیکن جدید حالات وبعض دشواریاں پیدا ہوگئی ہیں جن پر غور وفکر کرنا چاہیے۔ ہم ان دشواریوں کو دو کلی عناوین کے تحت بیان کررہے ہیں:

۱۔ نظریاتی دشواریاں؛

۲۔ اجرائی دشواریاں؛

لیکن ان کی تشریح کرنے سے قبل یہ ذکر کردوں کہ اسلام کا دفاع کرنے والوں میں بھی انقلاب کے قبل وبعد میں تبدیلیاں آئیں ہیں اور موجودہ اہم دشواریوں کی بازگشت ان حالات کی طرف ہے۔

انقلاب اسلامی سے قبل اسلام کے علمبردار

اگرچہ تمام مسلمان عوام جو کم از کم ان حالات میں کسی مختلف گروہوں کے پیرو تھے اور انہوں نے اجتماعی تحریک میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے لیکن اس فکری بحث سے صرف نظر کیا جاتا ہے، ان حالات میں منادیاں اسلام کو تین محوری گروہ میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

الف۔ روایتی اسلام کے علمبردار، یہ گروہ تعداد کے اعتبار سے بہت وسیع تھا، یہ افراد جدید دنیا کے حالات میں عدم دلچسپی کے منشور پر عمل پیرا تھے یہ اپنے گریباں میں سر ڈالے ہوئے قدیمی الفاظ و متون سے سخت دل لگائے بیٹھے تھے۔ اکثر اوقات اوراد واذکار میں مشغول رہتے اور عبادات و فروعات میں جدوجہد کرتے تھے اور بعض اس وادی میں بلند مقام و مرتبہ پر فائز تھے۔ یہ افرد اگرچہ دینی واسلامی معارف کے عظیم خزانے و میراث کے حامل تھے لیکن یہ قیمتی میراث سربستہ خزائن کے مانند آج کے سوالات وضروریات کے جواب دینے سے قاصر تھی اگر ان کے علاوہ اسلام کے دوسرے علمبردار نہ ہوتے تو یہ سلسلہ اپنی گوشہ نشینی میں ختم ہو جاتا اور اس طرز فکر کا نشان بھی باقی نہ رہتا، اس طرح کہ شاید آئندہ کیلئے عوام کے مطالعہ کیلئے ایک پسندیدہ موضوع ہوتا اور ان کے وسائل، متون و آداب تاریخ ادیان کے میوزیم کی رونق میں اضافہ کرتے اور آج جو کچھ سرخ فام امریکیوں یا دوسروں کیلئے متصور ہے ان کی جگہ بھی اس سے زیادہ نہ ہوتی۔

ب۔ روایتی اسلام کے جدید علمبردار، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا، اسلام کے بعض علمبرداروں نے جدید صورتحال کے درک کے پہلے مرحلہ میں تعارض علم ودین کے حساس مسئلہ کو اس طرح حل کیا کہ جدید علوم سے آشنائی دین سے مانع نہیں ہے لیکن ان میں اکثر افراد کیلئے یہ مسئلہ بنیادی طور پر حل نہیں ہوا تھا۔ ان کیلئے دین فروعات کے دائرہ میں باقی رہا اور اگر جدید دنیا اور حال پر نگاہ ڈالتے تو اسے علم سے طلب کرتے ان میں زیادہ شخصیات جو علماء تھے حتی کالج، علمی و آموزشی مراکز کے سربراہ بھی تھے اور جدید وسائل سے آشنا اور ان سے استفادہ بھی کرتے تھے، معاشرے کے سماجی وسیاسی میدان میں دین کی ترقی اور دین فہمی کے میدان میں عقل وعلم کی توجیہہ کو باور نہیں کرتے تھے، یہ افراد سماجی واجتماعی وعام المنفعت امور جیسے ایتام کی خبر گیری، قرض الحسنہ کے ادارہ کا قیام، علاج ومعالجہ کے مرکز کی تعمیر حتی تعلیمی وثقافتی خدمات، معاشرے کے محروم افراد کیلئے تعلیمی وظیفے جیسی فعالیت انجام دیتے تھے، تزکیہ نفسانی کے علاوہ دین کے سماجی نظام کی کمی کو جبران کرنے کیلئے حداکثر استفادہ کرتے تھے لیکن سالم اجتماعی نظام قائم کرنے کیلئے موجود نظام کے خلاف جدوجہد کو جائز نہیں جانتے تھے حتی کہ دینی وعقیدتی انحرافات کا سامنا کرنے کی صورت میں معلول کی طرف متوجہ ہوتے اور اصل اسباب پر توجہ نہ دیتے، اس فکر کے حامل منظم گروہ کا آشکار ترین نمونہ انجمن حجتیہ تھی۔ ۲۲

یہ افراد نہ صرف یہ کہ شاہ اور اس کے وارثوں سے مقابلے اور اپنی سماجی و سیاسی ذمے داری پر یقین نہیں رکھتے تھے بلکہ جو اس طرح کا عقیدہ رکھتا تھا اس کے سخت مخالف تھے اور اس مخالفت میں نسبتاً فعال تھے۔

شاید کہا جاسکتا ہے اگر اسلام کے تمام علمبردار اس صنف سے ہوتے تو نہ صرف یہ کہ انقلاب رونما نہ ہوتا بلکہ اسلام کا بہترین کردار ماڈرن مغربی معاشرے کے کلیسا اور مذہبی حلقوں جیسا ہوتا، اس طرح کہ سیاسی و اجتماعی نظام غیر دینی فکر سیکولر کی بنیاد پر ہوتا اور دیندار افراد فقط عبادات میں مصروف رہتے اور حکام بھی اس پر راضی و شکر گزار ہوتے۔

ج۔ سیاسی اسلام کے علمبردار

مسلمانوں کا یہ گروہ مجموعی طور پر ڈکٹیٹر شاہ کے مقابلے کے سلسلہ میں متفق الرائے تھا، یہ گروہ پہلے کے دو گروہوں سے مختلف تھا۔ ان افراد کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ان اسلام پسندوں میں سے بعض علماء و معتبر دانشمند بھی تھے ان کا اسلام سے درک روایتی علماء سے زیادہ فرق نہیں رکھتا ہے، بلکہ ان کا اہم فرق تقیہ کے مفہوم و معنی کے سلسلہ میں تھا اس گروہ کیلئے تقیہ سکوت، انفعال والگ تھلگ ہونے کی توجیہہ کا سبب نہیں تھا اور یہ اسلام کے نفاذ کو اس کے احکام پر عمل اسی روایتی معنی میں سمجھتے تھے اور اسی پر عمل کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ڈکٹیٹر شاہ کے مقابلہ کیلئے شجاعت و شہامت کے ساتھ ساتھ مصائب جھیلنے کا حوصلہ بھی رکھتے تھے۔

یہ افراد ڈکٹیٹر شاہ کا مقابلہ زیادہ تر اس لیے کرنا چاہتے تھے کہ اسلامی شعائر سے بے توجہی برتی جارہی اور بعض قوانین، اسلامی احکام سے تعارض رکھتے ہیں اگر شاہ بھی قاجار و صفوی بادشاہوں کے جیسا ان کی توقعات کو پورا کردیتا تو اپنے ظل الٰہی کے منصب کا تحفظ کرسکتا تھا، اس صورت میں بعید نہ تھا کہ یہ افراد قبل کے اکثر افراد کی طرح شیعہ شاہ کی حمایت کو اپنے اوپر لازم جانتے۔

لیکن متکبر ڈکٹیٹر شاہ ان امور سے بے اعتنا تھا، شاہ کے بین الاقوامی حامیوں کی خواہش اور ماڈرن ازم کی پالیسی کا اقتضا بھی اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوسکتا تھا، لہذا اسی بنا پر ان کا شاہ سے تعارض واقعی اور حقیقی تھا۔ البتہ حضرت امام خمینیؒ اور ان کے نظریات کے پیرو بھی اپنے دینی باور کی بنیاد پر اس ڈکٹیٹر سے مقابلہ کر رہے تھے ایک قسم کے اتحاد کی فضا ان کے درمیان قائم ہوگئی تھی خصوصاً یہ کہ وہ افراد امام خمینیؒ کی شجاعت و شہامت کو اچھی طرح پسند کرتے تھے اور آپ کا احترام کرتے تھے اور انقلابی مسلمان بھی ان کی دینی حمیت کو اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن سیاسی اسلام کا اصل علمبردار وہ گروہ ہے جس کے قائد حضرت امام خمینیؒ تھے اور جم غفیر علماء ان کے پیرو اور اسلام کے معرف تھے جن کی شخصیت کے بارے میں اوپر بیان کیا گیا ہے، اسلام کا یہ فہم وادراک جس کو روشن ضمیر و مفکر مسلمانوں اور یونیورسٹی کا تعلیم یافتہ عظیم طبقہ بھی قبول کرتا تھا، ایک کامیاب آئیڈیالوجی تھی جو دوسری آئیڈیالوجیز پر سبقت

حاصل کر چکی تھی۔ اس آئیڈیالوجی نے مسلمانوں کے عقائد کے ساتھ اپنی ہم آہنگی اور عوام میں قائد کی مقبولیت کی بنا پر عوام میں حیرت انگیز حد تک پذیرائی پائی اور ۵۶ اور ۱۳۵۷ھ ش (۱۹۷۷ء۔۱۹۷۹ء) کے سالوں میں عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے جن میں کئی ملین لوگ شریک ہوئے۔

اس مقام پر یہ اشارہ بھی کر دینا بہتر ہے کہ انقلابی اسلام کی خصوصیات جو روشن خیال مسلمان کی طرف سے پیش کیا گیا اور اس کی تبلیغ کی گئی، وہ حضرت امام خمینیؒ کے اسلام کے متعلق نظریات عین مطابق نہ تھا لیکن آپ کی ہوشمندی اور اعتبار نے ایسی صورتحال پیدا کر دی کہ تعلیم یافتہ افراد کے عظیم طبقے نے جو بنیادی طور سے اسلام کی طرف تمایل و رغبت رکھتا تھا تدریجی طور پر حضرت امام خمینیؒ کے نظریات کے مطابق اپنے افکار و کردار کو ڈھال لیا جیسے جیسے انقلاب آگے بڑھ رہا تھا۔ حضرت امام خمینیؒ فرصت و موقعیت سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے نظریات کو مزید واضح کر رہے تھے، آپ کے نظریات روایتی اسلام کے علمبرداروں کے نظریات سے مختلف تھے اور روشن خیال مسلمان اپنی گمشدہ فکر کو آپ کے افکار و نظریات میں پاتے تھے، اختلافی موارد و اجتماعی تباین حضرت امام خمینیؒ کے افکار کے حق میں ختم ہوتے تھے، یہ وہی راستہ تھا جسے حضرت امام خمینیؒ نے اپنی حیات کے آخری ایام پر برکت میں خالص محمدیؐ اسلام کو امریکی اسلام سے الگ ثابت کرنے میں طے کیا۔ آپ نے اپنے اہم افکار و نظریات کے ذریعہ ان کے مابین حد فاصل قائم کر دی۔ اگر حضرت امام خمینیؒ کے مد نظر خالص محمدیؐ اسلام کی خصوصیات کو مکمل طور پر واضح کر دیا جاتا تو آپ کے اور دوسروں کے افکار و نظریات کا اختلاف کھل کر سامنے آجاتا اور دوسرے افراد اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنا لیتے لیکن بہت سے مقام پر آپ اپنی مدبرانہ دلجوئی کے سبب انہیں اپنے آغوش رحمت میں محفوظ کئے رہیں۔[۲۵]

حوالہ جات

۱۔اخلاق پروتستان وروح سرمایہ داری، ترجمہ: عبدالعبود انصاری، تہران ۱۳۷۱ھ ش۔

۲۔ تدا اسکاچپول، حامد الگار، نیکی کدی، مہرزاد بروجردی، سعید امیر ارجمند، علی رضا شیخ الاسلامی، عباس علی زنجانی کے قلمی آثار کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۔ دائرۃ المعارف علوم اجتماعی، باقر ساروخانی، تہران، کیہان ۱۳۷۰، ص ۳۴۳ و جہان بینی وایدئولوژی، علی شریعی، ج ۲۳، ص ۱۳۶۱، ص ۱۷۰۷۔

۴۔ خاطرات ایرج اسکندری، ایرج اسکندری، تہران ۱۳۷۲ و استالینیم وحزب تودہ ایران، الہ کولائی، تہران ۱۳۷۶، وخاطرات دکتر انور خامہ ای، فرصت از درست رفتہ، ج ۲، ص ۱۳۷۲۔

۵۔ بررسی و تحلیل از نہضت امام خمینیؒ، سید حمید روحانی، تہران ۱۳۶۱، ص ۲۷۳۔

۶۔ حیات یحییٰ، یحییٰ دولت آبادی، تہران ۱۳۶۲، زندگی نامہ پیر معارف، فخر الدین رشیدیہ، تہران ۱۳۷۰، و نخستین رویارویئہائی اندیشہ گران ایران بادورویہ تمدن بورژوازی غرب، عبدالہادی حائری، تہران، امیر کبیر، ۱۳۶۷۔

۷۔ نامہ پژوہش، فصل نامہ تحقیقات فرہنگی، وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی، اول، ش ۲، ۳، ۱۳۷۵۔

۸۔ مطہرات در اسلام، مہدی بازرگان، اولین دانشگاہ وآخرین پیامبر، رضا پاک نژاد، خلقت انسان، سحابی۔

۹۔ اصول فلسفہ وروش رئالسیم، علامہ محمد حسین طباطبائیؒ وشرح شہید مطہریؒ در ۵ جلد۔

۱۰۔ فعالیت استاد محمد تقی شریعتی در مشہد وآیت اللہ محمود طالقانی در تہران وشریعتی در حسینیہ ارشاد تہران۔

۱۱۔ مسئولیت شیعہ بودن، دکتر شریعتی ومذہب علیہ مذہب، قاسطین، مارقین، ناکثین، دکتر شریعتی۔

۱۲۔ کشف الاسرار، امام خمینیؒ، ۱۳۲۳ در جواب اسرار ہزار سالہ، کسروی۔

۱۳۔ صاحب مقالہ۔

۱۴۔ صحیفہ نور، امام خمینیؒ، اول، ج ۴، ص ۱۰۳ و ص ۱۷۶۔

۱۵۔ ایضاً، ج ا، ص ۸۰۔

۱۶۔ اعلام حمایت نہضت آزادی از حرکت امام در نہضت ۱۵ خرداد۔

۱۷۔ حکومت اسلامی یا ولایت فقیہ، امام خمینیؒ، ۱۳۷۲۔

۱۸۔ سازمان مجاہدین خلق، گروہ فرقان، گروہ آرمان مستضعفین۔

۱۹۔ صحیفہ نور، ج امام خمینیؒ، وزارت فرہنگ وار شاد اسلامی، دوم ۱۳۷۲، ج ۸، ص ۴۷۹۔

۲۰۔ فرہنگ علوم سیاسی، تہران، مرکز اطلاعات و مدارک علمی ایران، ۱۳۷۵، ص ۱۹۔۴۱۸۔

۲۱۔ سر عقل آمدن سرمایہ داری، دکتر شریعتی۔

۲۲۔ در شناخت حزب قاعدین زمان، عمادالدین باقی، قم ۱۳۶۲۔

۲۳۔ ایضاً۔

۲۴۔ صحیفہ نور، ج ۲۱، ص ۹۱۔

۲۵۔ آپ کے افکار و نظریات سے مزید آگاہی کیلئے آپ کی عمر کے آخری ۲ سالوں کے بیانات و پیغامات کا مطالعہ کیا جائے۔

انقلاب کا تاریخی تشخص اور انسان شناسی اسلامی انقلاب کی تشریحات سے غفلت کا سبب (علی محمد حاضری)

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں ایک دینی انقلاب کا وقوع وہ بھی ایسی حکومت کے قلمرو میں جس کو معتبر ترین سیکورٹی اداروں وسیاسی وسماجی مسائل کے تجزیہ نگاروں کی طرف سے علاقہ کا جزیرۂ ثبات کہا جاتا تھا، سماجی علوم کے ارباب نظر ومفکرین کیلئے بحث کا باعث بن گیا، اب جبکہ اس عظیم واقعہ کو دو دہائیوں کا عرصہ گزر چکا ہے تشریحات کی بہتات ہے ہر ایک نے اس تعجب انگیز و پیش بینی نہ ہوئے واقعہ کے علل واسباب کو بیان اور ان کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسلامی انقلاب سے متعلق بعض غیر علمی، جزئی رپورٹوں، جائزوں اور بعض بغض آلود بیانات جو متعصب جرنلسٹ، فراری شاہ کے عناصر وسلطنت خاندان سے مرتبط افراد کے ہیں ۱ اور بعض تاریخی ملاحظات ونکات تحریف نہ ہونے کے باوجود جن سے علمی تحلیل بھی ہو سکتی ہے لیکن ان کی کلیت معتبر و قابل اعتنا نہیں ہے ان سے صرف نظر کرتے ہوئے انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں نسبتاً معتبر و علمی تر تشریحات اور تجزیوں کو چند اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ۲

لیکن ان تشریحات کا غالب جوہر مشترک جو راقم کی نظر میں ان کے نقائص کا سبب بھی ہے یہ ہے کہ یہ تمام تشریحات انسان شناسی، ہستی شناسی وتاریخی تجزیہ کی واحد نسبت پر استوار ہیں بغیر اس کے کہ اس انسان شناسی کے فرضیات ومبانی میں ایران کے معاشرہ سے انطباق کرتے ہوئے ان کی افادیت کے سلسلہ میں غور کیا گیا ہو۔

ان تشریحات میں مد نظر انسان ایک عاقل انسان Rational Agent ہے جو وسائل عقلانیت کی بنیاد پر Instrumental Rationality وسائل کو صرف ہدف کی دستیابی میں فائدہ مند ہونے کی بنیاد پر تولتا ہے اور اس کی نگاہ میں قدر ومنزلت کا کوئی معیار نہیں ہوتا، ہر وہ چیز جو اسے ہدف کے حصول میں مدد دے مطلوب ہے اور ہر وہ عمل جو اس منطق کے دائرہ میں فائدہ مند نہ ہو غیر عقلانی رفتار Irrationl Behavioir شمار ہوتی ہے۔ ۳

لہذا اس انسان کیلئے عمر کے طولانی عرصہ ہدف میں مادی مفادات ولذت کا حصول اور دنیاوی حیات کے دائرہ میں رفاہ وسعادت کی دستیابی ہے، ایسے انسان عاقل کے سامنے صرف ایک راہ ہے اور وہ ماڈرن ازم کے تحت مغربی طرز کی ترقی کے راستہ کو طے کرنا، لہذا اس بنیاد پر انسان اپنی فردی کوشش میں اس دنیا کی سعادت کو عقلائی عمل کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور یہ مجموع عمل بھی اس کا ماحصل ہیں کہ جسے ماڈرن ازم کہا جاتا ہے جس کی تدبیر لبرل ازم کے نظریہ کی بنیاد اور ڈیموکریسی کے طرز پر ہوتی ہے۔

اکثر محققین وارباب نظر جنہوں نے انقلاب اسلامی کی تشریح پیش کی ہے انہوں نے تصریح کئے بغیر ماڈرن ازم کے راستہ پر گامزن ہونے اور بامقصد عقلائی رفتار کو جمعی وفردی عقلائی رفتار فرض کیا ہے۔ لہذااس بناپر وہ مبصر جو اپنے تجزیئے کی بنیاد کو افراد کا عمل واور عمل انجام دینے والوں کو قرار دیتے ہیں خواہ اس عمل کے مصادیق کو فرد فرد کی رفتار یا افراد میں جستجو کریں یا اس عمل کو گروہی واجتماع کے عنوان سے جیسے عوام، اصناف وسماجی طبقات میں دخیل تصور کریں، انقلاب اسلامی ایران میں ایرانیوں کے عمل کو مجبوراً درج ذیل میں سے کسی ایک گروہ میں شامل ہیں، وہ جنہوں نے عمل کو عقلائی تصور کیا ہے۔ لہذااس کیلئے مفادات حاصل کرنے کا جذبہ اور امتیاز و تفوق کا حصول قرار دیا ہے اور اپنے اعتبار سے اہداف وتوقعات کو عمل کے انجام دینے والوں کے عمل میں استنباط واستخراج کرتے ہیں۔ وہ ارباب نظر جو اس قسم کی منفعت طلبی کو عمل کنندگان کی رفتار سے استخراج نہیں کرسکتے ہیں۔ لہذااس عمل کو غیر عقلائی شمار کرتے ہوئے، انقلاب کے وقوع کو غیر عقلائی عمل کے ذیل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور انقلاب اسلامی کی عاطفی اور روایتی عمل کے بنیاد پر تشریح کی ہے۔[۴]

عقلائی عمل پر مبنی تجزیئے کے چند موارد

مثال کے طور پر وہ ارباب نظر جو انقلاب کے وقوع کا تجار کے کردار کی بنیاد پر تجزیہ کرنا چاہتے ہیں ان کی پوری کوشش ہے کہ شاہ کی اس پالیسی کو ظاہر کریں کہ جس کی بنا پر تجار کے مفادات خطرے میں پڑ گئے تاکہ ان کی مخالفت کو عقلائی ظاہر کرسکیں، مثال کے طور پر کہا گیا کہ ڈکٹیٹر شاہ کی امریکہ ومغرب کے اقتصاد سے وابستگی سے ایران کی روایتی تجارت ملٹی نیشنل کمپنیوں کی وجہ سے کمزور ہوئی چونکہ ایرانی تاجر عموماً روایتی تجارت پر کرتے تھے، اس لیے ان کو شدید نقصان پہنچا۔ ایک دوسرا مبصر شاہ کے مقابل تجار کی عظیم مخالفت کو اصناف کے ایگزیکٹو کمیٹی کے عمل کو قرار دیتا ہے جو افراط زر اور مہنگائی کے مقابلے کے بہانے تجار کے ساتھ انجام دیا گیا تھا۔[۵]

ڈکٹیٹر شاہ ایران کے مقابل علماء کی مخالفت کے اسباب کی توجیہہ کرتے ہوئے بھی اس قسم کا تجزیئے پیش کئے گئے ہیں جسے مفادات کو خطرہ لاحق ہونا یعنی شاہ ایران نے ماڈرن عدالتی ادارے قائم کرکے شرعی عدالتوں کو ختم کرنے کی کوشش کی جس سے علماء کے مفادات خطرہ میں پڑ گئے یا جدید مدارس کی تاسیس جس سے مذہبی مکتب خانہ کی فعالیت محدود ہوگئی جس کے متولی علماء تھے، اس قسم کے امور کو علماء کی ناراضگی کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ ڈکٹیٹر شاہ کی مذہب مخالف پالیسیوں ومجالس عزا پر پابندی کو بھی علماء کے مفادات کیلئے خطرے کے طور سے پیش کیا گیا ہے کیونکہ علماء ان مجالس میں شرکت کرنے سے منتفع ہوتے تھے، شاہ کی طرف سے سپاہ

دین کی تشکیل اور الہیات کالج کے فارغ طالب علموں کو تبلیغ کیلئے بھیجا جانا اور ان کا مساجد میں پیش نماز کا کردار ادا کرنے کو علما کے مفادات کیلئے خطرے کے طور سے بیان کیا گیا ہے اور سپاہ دین کی علماء مخالفت کو اسی جذبہ کے تحت بتانے کی کوشش کی گئی ہے، اسناد وازدواج ثبت کرنے کیلئے سرکاری دفتر کے قیام کو بھی علماء کے دائرہ اختیار کو محدود کرنے کے طور پر بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مجموعی طور پر اس طرح کی تجزیوں سے علماء کی جانب سے ڈکٹیٹر شاہ کی مخالفت کو عقلانی بتانا مقصود ہے چونکہ شاہ کی ماڈرنائزیشن اور اقتصادی وسیاسی پالیسیوں سے علماء کے مفادات خطرے میں پڑ گئے تھے۔ لہذا علماء کا ردعمل طبیعی اور اپنے مفادات وامتیاز کیلئے تھا۔ علماء وتجار کے ارتباط اور دونوں طبقوں کی جانب سے شاہ کی مخالفت کی بھی اسی زاویہ سے توجیہہ کی گئی ہے۔٦

تعلیم یافتہ، روشن خیال حتی شاہ کے سرکاری ادارے کے ارکان کی مخالفت کے اسباب ومحرکات کیلئے بھی ایسے ہی تجزیئے پیش کئے گئے ہیں کہ شاہی حکومت کے اداروں میں بدعنوان اور درباری افراد اور ان سے وابستہ عناصر کا اداروں اور دوسرے سرکاری عہدے ایسے افراد کے اختیار میں آنے اور ان کی مداخلت سے ضوابط کے بجائے روابط کا بازار گرم ہونے کی بنا پر ان افراد کے مفادات خطرے میں پڑ جانے کی بنا پر یہ افراد مخالفین کی صف میں شامل ہو گئے۔٧

شہروں کے محروم ومستضعف طبقات اور شہروں کے مضافات میں واقع دیہاتوں کے غریبوں کے مفادات کے خطرے کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے کہ ارضی اصلاحات کے اجراء کی بنا پر دیہاتوں سے روایتی جاگیرداروں کی نگرانی ختم ہونے اور دوسرے سیسٹم کے آنے کی بنا پر دیہات سے شہروں کی طرف نقل مکانی شروع ہو گئی جس کی بنا پر حاشیہ نشینی وجود میں آئی، صنعتی مزدور کا مستقبل خطرے میں پڑ گیا، محروم طبقات کی زندگی کے اخراجات زیادہ ہو گئے تنخواہ کا گراف گرنے لگا، بے روزگاری زیادہ ہو گئی محروم طبقات کے فقر وغربت میں مزید اضافہ ہو گیا، دوسری طرف ماڈرنائزیشن کے سایہ میں اشرافی ومصرفی زندگی، نئی ماڈل کی کاریں، نئے فیشن کے غیر ملکی لباس کے بڑے بڑے شوروم بلند قامت عمارتیں عدم مساوات وطبقاتی اختلاف کا مظہر تھیں۔ ان امور نے معاشرے کے اذہان خصوصاً نچلے طبقہ کو ڈکٹیٹر شاہ کی مخالفت پر آمادہ کر دیا، مجموعی طور پر یہ تمام تجزیئے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انقلاب میں شریک گروہ اور معاشرے کے افراد شاہ کی پالیسیوں سے ضرر وزیاں کے متحمل ہوئے ہیں ان کے مفادات خطرے میں پڑ گئے۔ لہذا اس ضرر کو ختم کرنے اور مفادات کی حفاظت کی خاطر انقلابی فکر سے وابستہ ہو گئے۔ بعض ارباب نظر جو اس دیدگاہ سے اختلاف رکھتے ہیں انہوں نے بڑھتی ہوئی توقعات کے نظریئے Rising Expectationstheory اور نسبی محرومیت کی تھیوری Theory of Relativedeprivtiona کو پیش کیا ہے۔٩ بہر حال ان تمام تجزیوں کا مشترک پہلو اپنی اقتصادی وسماجی صورتحال سے ناراضگی کا احساس اور انقلاب کے ذریعہ آنے والے نظام میں پسندیدہ صورتحال کا مشاہدہ ہے کہ انقلاب میں شریک ہونے کا یہی احساس ایک عقلائی عمل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

غیر عقلائی عمل پر مبنی تجزیے

بعض دوسرے ارباب نظر جنہوں نے انقلاب میں شریک افراد کیلیئے عقلائی مفادات کو درک نہیں کیا انہوں نے انقلاب اسلامی کے وقوع کے اسباب کو عاطفی Emotional Action یا روایتی Traditionala Ction قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

بعض نے انقلاب اسلامی کی بنیاد کو ایک عمیق روایتی معاشرہ کا ڈکٹیٹر شاہ کی ماڈرنائزیشن کے خلاف رد عمل بتایا ہے ان کی نظر کے مطابق شاہ نے ایرانی معاشرے کی ثقافتی و سماجی ظرفیت پر توجہ کئے بغیر جو عمیقاً روایتی اور مذہبی اقدار و روایات پر اعتبار رکھنے والے ایرانی معاشرے پر توجہ نہ دیتے ہوئے اسے سریع ماڈرنائزیشن کی کوشش کی، شاہ کی یہ حرکت جو کافی اطلاع اور ثقافتی توجیہہ کے بغیر انجام پائی تھی روایتی و گزشتہ نظام کے موافقین کے رد عمل کا سبب بنا، عوام ماڈرن ازم کے فوائد وما حصل کے سلسلہ میں عقلائی طور پر فکر کرنے یا عقلائی مفادات کو درک کرنے کے بجائے وہ ایسی روایت کا دفاع کرنے لگے جس کے عادی تھے، اس قسم کے تجزیئے میں ممکن ہے کہ تحریک کے قائدین ان افراد کو سمجھا کیا جائے جو گزشتہ نظام کے دفاع کے ساتھ اپنے مفادات کا بھی دفاع کرتے ہوں تو اس صورت میں ان کی روایت پسندی عقلائی منفعت طلبی سے منافات نہیں رکھتی ہے لیکن عوام کا عمل روایتی عمل ہے جو روایات سے دلبستگی کا نتیجہ ہے یا عاطفی عمل ہے جو قائدین کے ذریعہ عواطف واحساسات کے ابھارے جانے کیلیئے واقع ہوا ہے۔۱۰

بعض صاحبان نظر نے ڈورکیم کے نظریہ Anome کا سہارا لیتے ہوئے جس میں عوام اپنے قائدین کے پیغام کے سلسلہ میں احساسی رد عمل کیلیئے مستعد و آمادہ ہوتے ہیں، انقلاب اسلامی کی توجیہہ کی ہے۔۱۱ اس قسم تجزیہ نگاروں کی یہ کوشش ہے کہ میکس ویبر کے نظریہ کے مطابق انقلاب اسلامی کو ایک احساساتی عمل قرار دیں جو ایک قائد حضرت امام خمینیؒ کے توسط سے وجود میں آیا ہے اس نوعیت کے تجزیئے کا بنیادی مقصد عوامی اداروں کا فقدان و روابط کی عدم افادیت یا ڈکٹیٹر شاہ کے معاشرتی نظام کا عقلائی کمزوری ثابت کرنا ہے۔ لہذا انقلاب اسلامی کی ماہیت عقلائی رویہ سے خارج بتائی جاتی ہے۔

مذکورہ مطالب پر توجہ کرتے ہوئے بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ مذکورہ دونوں تجزیئے یعنی وہ ارباب نظر جو انقلاب اسلامی کا تجزیہ سماجی گروہ و عوام کے عقلائی مفادات کی بنیاد پر کرتے ہیں یا وہ صاحبان نظر جو انقلاب اسلامی کو عقلائی تعلقات کے خلاء کا شکار اور صرف غیر عقلائی عمل کی بنیاد پر بیان کرتے ہیں وہ دو امور میں مشترک نظر رکھتے ہیں ایک یہ کہ عقلائی امر یا عقلائی عمل کی خاص تعریف، دوسرے یہ کہ ترقی و پیشرفت کو صرف مغربی ماڈرن ازم میں تلاش کرنا بشریت کا عقلائی ہدف تصور کرنا ہے۔ لہذا اس

عقلائی حرکت میں شریک افراد منفعت و امتیاز کے حصول کیلئے کوشش کریں لیکن اگر شواہد ایسے عقلائی تعلقات سے سازگار نہ ہوں تو انقلاب ایک غیر عقلائی عمل ہے اور اس کے وقوع کیلئے مناسب علت تلاش کی جائے۔

راقم کی نظر میں انقلاب اسلامی کی تشریحات کے زیادہ تر نقائص کی بازگشت اس نکتے کی جانب ہوتی کہ غیر شعوری طور پر مغرب کی ہیومن ازم انسان شناسی اور اس کی تاریخ اور راہ عمل و راہ حل کو ظالمانہ طریقہ سے ایران کی ثقافت و معاشرہ اور مسلمان عوام پر تعمیم دی گئی ہے انقلاب اسلامی کا عظیم واقعہ اپنے تاریخی و فکری تشخص کے پرتو میں درک کئے جانے کے بجائے مغربی معاشرہ و عام انسان پر اس کو منطبق کرتے ہوئے اس کی تشریح کی کوشش کی گئی ہے۔

مذکورہ نکات پر توجہ کرتے ہوئے اس حصے میں اسلامی ایران کی اصل ماہیت کے بعض عناصر و اجزا ایران کی تاریخی حالات و امتیازات و خصوصیات کے تناظر میں پیش کئے جائیں گے جن کی بنا پر انقلاب کا صحیح ادراک ممکن ہوگا۔

انقلاب کا اسلامی و ایرانی تشخص

۱۔ دینی اقدار کے سائے میں آزادی Religon Oriented Liberalism

مغربی ممالک و اکثر اسلامی ممالک کے برخلاف ایران میں اسلام کے بعد اموی و عباسی خلافت کے ادوار کو مستثنیٰ کرتے ہوئے حکومت و سلطنت دینی نہیں رہی ہے اور حکمرانوں عالم و دینی امور کی قیادت کا دعویٰ نہیں کیا لیکن اپنے اپنے عہد حکومت میں ان کی پوری کوشش رہی ہے کہ علماء دین کی حمایت حاصل کر کے حکومت کو اسلامی رنگ ضرور دیں اور اس طرح اپنی حکومت کے جواز کو حاصل کریں، اسی لیے عوام سلاطین کے ظلم و جور اور شاہوں کے استبداد و تشدد اور حکام کی بد دیانتی کو کبھی بھی دین اور علمائے دین کی طرف نسبت نہیں دیتے تھے، بلکہ دینی علمائ، عوام کیلئے ملجا و پناہ گاہ تصور کئے جاتے تھے اور اکثر اوقات علماء کی وساطت، عوام کے آلام و مشکلات کو کم کرنے میں موثر ثابت ہوتی تھی حتی اس زمانہ میں جبکہ علما دربار میں زیادہ نفوذ و ارتباط رکھتے تھے، یہ نفوذ و ارتباط حکمراں کی شمشیر ظلم و تشدد کی دھار کو کم کرنے میں موثر رہا ہے۔

ایران کے شیعہ عوام کے عقائد میں شہنشاہی سلسلہ کو کبھی بھی دینی حکومت نہیں سمجھا گیا بلکہ انہیں ایک قسم سے حکومت جور و ظلم تصور کیا جاتا تھا اور ان کو فقط تقیہ، جو ایک اعتقادی اصل ہے، کے ذیل میں تحمل کرنا ممکن تھا اور نہ شرعی فرض کے تحت ان کا مقابلہ ناگزیر تھا، موجود حکومتوں کے سلسلہ میں مشروعیت تام کا عدم اعتقاد ایک دوسری اعتقادی اصل یعنی قیام حضرت مہدی (ع)

کی بنیاد پر ہے کہ جس کا ہدف ظلم وجور وناانصافی کا خاتمہ ہے، مجموعی طور پر ایرانی عوام تاریخ میں دینی حکومت کے ظلم کا تلخ ذایقہ نہیں رکھتے ہیں بلکہ ان کی دیرینہ تمناوآرزو عادل حکومت یعنی امام عصر (ع) کی دینی حکومت کی تشکیل ہے۔

یہ تاریخی سابقہ وروایتی فکر، قاجار حکومت کی آخری دہائی میں آزادی و قانون کی بالادستی کی شکل میں نمودار ہوئی جس میں سلطنت کو قانونی ضوابط وحدود میں محدود کیا گیا، ان الفاظ سے استنباط علاقائی وملکی اعتبار سے یکساں نہیں ہے خصوصاً مغرب میں کہ جہاں ان مفاہیم نے جنم لیا، اپنے تاریخی تجربات کی بنا پر آزادی کے مفہوم کو سب سے پہلے پاپ، کلیسا وقیصر کے تسلط سے آزادی کو تصور کرتا ہے چونکہ اس تسلط کی دین کے ذریعے توجیہہ کی جاتی تھی۔ لہذا مغرب میں آزادی کا مفہوم اپنے متن میں دین اور تفسیر دین یعنی کلیسا کے انکار و نفی کو رکھتا ہے لیکن ایران میں منور الفکر افراد کے علاوہ جن کی ثقافتی اقلیم مغرب ہے آزادی کا مفہوم مطلق العنان شہنشاہیت اور حاکمیت سے رہائی ہے جس کے ارادے اور فرمان ہزاروں مکر، سازشیں، دربار کے ذی نفوذ عناصر حرم سرا کی خواتین وشاہزادگان وغیر ملکی سفارت کاروں کے ارکان میں اسیر وسازش کا نتیجہ تھا اور بعض اوقات یہ فرامین وارادے ہستی سوز وبنیادی تباہی وبربادی کا سبب ہوتے تھے ان سے رہائی کا حصول شاہ کی حکمرانی کو قانون کا پابند کرکے ہی ہوسکتا تھا، دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ آزادی سے مراد سلطنت مطلقہ واستبداد کا خاتمہ ہے، کسی بھی عنوان سے مغربی مفہوم یعنی شرعی فرض اور دینی احکام سے روگردانی نہیں ہے یہی استبدادی جوہر کی مخالفت کا پر تو تھا کہ جب بااثر عالم وسیاسی ترین فرد شیخ فضل اللہ نوری پر کسی بھی وجہ سے مدافع استبداد ومستبد شاہ کے اتحادی کی تہمت لگائی گئی اور انہیں مار دیا گیا تو علماء ومتدین عوام کی جانب سے شدید مخالفت نظر نہیں آئی، یہ ضد استبدادی جوہر، دین باوری، اعتقاد بہ صداقت، دینداری وامانت، علماء حقیقی کا مفسر دین ہونے سے منافات نہیں رکھتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں آزادی کے لفظ کا آشکار ترین معنی ومفہوم یہی ہے جو آئینی تحریک سے رائج ہوا اور بعد کی دہائی بلکہ شاہ کی آخری عمر ۵۰ کی دہائی تک جاری رہا۔ البتہ ۴۰ کی دہائی میں چونکہ تجربے نے ثابت کردیا تھا کہ آزادی کا حصول شاہی حکومت کے دائرہ میں رہتے ہوئے ممکن نہیں۔ لہذا امام خمینیؒ اس شاہی نظام کی مطلق نفی میں آزادی کے خواہاں ہوئے اور عوام نے بھی آپ کی پیروی کرتے ہوئے آزادی کے حصول اور شاہی نظام کے تسلط سے رہائی کو شاہی نظام کے خاتمے کا مطالبہ کیا اور مقصد کے حصول تک اسی مطالبہ پر ثابت قدم رہے۔ لہذا اسی بنا پر دینی اقدار کے سایہ میں آزادی، انقلاب اسلامی کا تاریخی واعتقادی عنصر ہے۔ ایرانی عوام کی آزادی، یورپ کی آزادی کے ساتھ مشترکات رکھنے کے باوجود دین کے ساتھ تعلق کے اعتبار سے یورپ کی آزادی سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

۲۔ علم ودین کی ہم آہنگی

ایرانی واسلامی کلچر وثقافت میں دین اور علماء علم کے متولی، عام معنی میں سمجھے جاتے ہیں، دین کے نامور علماء بہت سے مواقع پر علوم طبیعی وتجربی (سائنس) کے پرچمدار رہے ہیں، محدود عصر و گروہ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے کہ جب عقل اور دین کو متعارض سمجھتے تھے، اکثر فہم وشعور علم ودین کی ہم آہنگی اور عدم تعارض کو درک کرتے تھے، افسوس کہ قاجار حکومت کے اوائل میں حالات ایسے پیش آئے کہ یورپ جانے والے اور جدید علوم کے حامل مغربی کلچر وثقافت کے دلدادہ کچھ افراد علم ودین کے تعارض کو مغرب سے بطور ہدیہ لے کر آئے، یہ فکر عرصہ دراز تک علم وعلما کی بزم پر سایہ فگن رہی جس کے آثار ابھی تک محو نہیں ہوئے ہیں، اس نظریئے کی پیدائش وترویج دو امر سے متاثر تھی، اول یہ کہ یورپ جانے والے اور علوم جدید کے تعلیم یافتہ افراد نے جو مغربی تفکر سے متاثر تھے مغرب میں دین وعلم جدید کے تعارض کو ایران میں منتقل کیا، دوسرے یہ کہ دینی علماء ودینی ثقافت کے مدافعین حضرات ان منور الفکر کو دیکھتے ہوئے جن کی حرکات وسکنات کفار سے مشابہ تھیں، اس علامت کفار کو علم جدید کی ذات سے نسبت دیتے تھے اور دین کی حفاظت کو اس علم کی نفی میں تصور کرتے تھے۔ لہذا علم جدید کو ممنوع قرار دیتے تھے لیکن خوش قسمتی سے ۱۳۲۰ھ ش (۱۹۴۱ء) کی دہائی کے بعد اس نظریئے کی اصلاح ہونا شروع ہوگئی اور اس طرح ترمیم ہوئی کہ ۱۳۵۰ھ ش (۱۹۷۱ء) کی دہائی میں علماء اور روشن خیال تعلیم یافتہ اور عوام کی اکثریت میں دین وعلم کے تعارض کا احساس باقی نہ رہا، لہذا انقلاب اسلامی کے وقت معاشرہ کی عمومی ذہنیت، مغربی معاشرے کے تجربہ کے برخلاف، علم ودین کی ہم آہنگی کو باور کرتی اور اس پر یقین رکھتی تھی۔ ۱۳۱

۳۔ سیکولرزم کی ضرورت پر عدم یقین

مذکورہ دونوں امور پر توجہ کرتے ہوئے کہ آزادی اور علم دین سے تعارض نہیں رکھتے ہیں لازمی طور سے سماجی تعلقات کی اصلاح وتوسیع وارتقا کا نظریہ بھی دین کیلئے نفی وتعارض نہیں رکھتا ہے۔ لہذا دیندار افراد اپنے ترقی پسند مقصد وارتقا کو احکام شرع کے دائرہ میں اپنے باور کا تحفظ کرتے ہوئے آگے بڑھا سکتے ہیں، یہ روشن خیالی، علما کی نئی نسل کے ذریعہ تعجب خیز ظرفیت میں ظاہر ہوئی ہے، یہ خاص صورتحال اس وقت وجود میں آئی جس وقت امام خمینیؒ کا دین وسیاست کا مجموعہ اسلام، مختلف اسباب کی بنا پر مورد قبول عام وخاص ہوا اور مذہبی روشن خیال افراد نے اس نظریئے کو دینی تھیوری کی شکل دینے کی کوشش کی اور یہ نظریہ اسلامی حکومت اور امام خمینیؒ کی ولایت فقیہ کے نظریہ سے سازگار ثابت ہوا اور اس کیلئے زمین ہموار ہونے لگی اسے مسلط نظریئے وعقیدہ کے عنوان سے عام مقبولیت حاصل ہوئی اس مقبولیت کے اسباب کے فہم کیلئے اسلام ومسیحیت کی تعلیم کی امتیازی ماہیت کے علاوہ اسلام کی تشریح صدر اسلام کی تاریخ کے ذریعہ نیز مغربی راہ وروشن اور سیکولرزم کا ناکامیاب تجربہ موثر تھا کیونکہ ایرانی معاشرہ چند دہائیوں سے شاہد تھا کہ ترقی وپیش رفت کے مدعی تجدد گرا شاہ پہلوی کی ہمراہی میں استبداد، گھٹن، تشدد، ماڈرنائزیشن اور وابستگی کا تحفہ لائے ہیں۔

بہر حال جیسا کہ اشارہ کیا گیا مغربی دنیا کے تجزیہ کے بر خلاف ایران کے خاص حالات خصوصاً ڈکٹیٹر شاہ کی عمر کے آخری دو عشروں میں ایرانی معاشرے کی پیشرفت وارتقا کا راستہ کلاسیک ماڈرنائزیشن سے جدا ہوگیا، مذہبی عقائد و دین حقیقی ارتقاو پیشرفت کیلئے مانع نہیں تھا بلکہ ان کو قوت دینے والا اور راہنمائی کرنے والا جانا گیا، لہذا سیکولرزم ایرانی معاشرے کی ترقی وارتقا میں موثر ثابت نہ ہوا بلکہ ایرانی معاشرے کی اغیار کے ساتھ وابستگی کے استعماری حربے کے طور پر پہچانا گیا اور دین محور، راہ وروش ایرانی معاشرے میں مورد پسند ارمان کے طور پر اجاگر ہوئی۔

۴۔ تحقیر سے آزادی اور تشخص تک رسائی

ایرانی عوام، افتخار آمیز تمدن اور دیرینہ صاحب ثقافت و شجاعت ہونے کے باوجود مختلف اسباب کی بنا پر قاجار حکومت کے اوایل سے انحطاط کا شکار ہو رہی تھی ایران و روس جنگ میں سنگین شکست جس کے نتیجہ میں شرمناک قرار دادوں پر دستخط بہت ہی تحقیر آمیز امر تھا، قاجار حکام کی عدم تدبیر و پستی نے روس و برطانیہ کے پٹھو کو سلطنت کے امور میں مداخلت کا موقع فراہم کرر کھا تھا اس سے اور تحقیر کا احساس ہونے لگا تھا، گزشتہ ادوار کے بر خلاف، کہ جن میں قدرت کا اور شہنشاہیت کا فیصلہ قبائل کے ذریعے طے ہوتا تھا لیکن پہلوی بادشاہوں کے تخت کا فیصلہ اغیار کے اشاروں سے طے پاتا تھا۔ ۲۸ مرداد ۱۳۳۲ھ ش(۱۹ اگست ۱۹۵۳ء) میں امریکی سازش و بغاوت نے اس مداخلت کو صریح اور ننگین آمیز تر کر دیا تھا اور کیپیچولیشن کی قرارداد نے قومی و عوامی تحقیر و ذلت کو اور مجسم کر دیا تھا۔

یہ واقعات و حالات سبب ہوئے کہ تحقیر سے رہائی اور تشخص کا حصول ایک قومی و عوامی مطالبے خواہش میں تبدیل ہو جائے لہذا اس آرزو و تمنا کو پورا کرنے والے افکار اور زبانوں کا خیر مقدم کیا جانے لگا، چونکہ چند دہائیوں سے نام نہاد ماڈرن ازم اور تجدد پسندی، وابستگی، تشخص کی نفی اور اغیار کی غلامی کے مترادف ہو چکا تھا۔ لہذا تشخص کا بازیابی، افکار و زبانوں کیلئے اس قسم کے ماڈرن ازم و تجدد پسندی سے فاصلہ لازمی ہے، تشخص کا بازیابی، استعماری تعلقات و ماڈرن ازم وابستگی سے بازگشت سے ہی ممکن تھی، اسی بنا پر تشخص کی بازیابی میں غرب گریزی و غرب ستیزی کا جوہر ناگزیر تھا۔

۵۔ ثقافتی تشخص کی بازیابی اور ثقافتی گیپ کا مقابلہ

ایرانی معاشرہ خصوصاً صفوی دور میں شیعی اسلامی تشخص کے استحکام کے بعد اگرچہ سماجی و اقتصادی طور پر یکساں نہیں تھا طبقات میں عمیق فاصلے پائے جاتے تھے لیکن از حیث ثقافت و اقدار، عظیم یکجہتی نظام کا حامل تھا دینی و مذہبی امتیاز کو مستثنیٰ کرتے ہوئے جو ایرانیوں کے درمیان مسلمان و غیر مسلمان، شیعہ و سنی وغیرہ ہونے کے طور پر تھے اور معاشرے کے مختلف طبقات اگرچہ

اقتصادی وسماجی منزلت میں فرق رکھتے تھے لیکن تمام افراد از حیث اقدار واحد نظام رکھتے تھے، مختلف اقتصادی وسماجی اختلافات کے باوجود اقدار کا نظام ایک تھا، مثلاً امرا، امراء معتبر تجار سے لے کر غریب ترین فرد، شہری یا دیہاتی، اپنی دینی اقدار جیسے مقام مقدسہ وائمہ معصومین (ع) سے توسل وزیارت میں مشترک تھے لیکن اقتصادی وسماجی تفاوت کی بنا پر ایک گروہ مکہ ومدینہ ومقامات مقدسہ سے شرفیاب ہوتا تھا اور زیارت کے بعد ولیمہ اور تحفہ وتحائف ان کی اقتصادی صورتحال کا پتہ دیتے تھے، دوسرا گروہ جو اقتصادی بدحالی کا شکار تھا اپنے شہر ومحلہ میں ائمہ کی اولادؑ، سادات اور علماء کے قبور کی زیارت سے فیض اٹھاتا اور متوسط طبقے کے لوگ حج فقرا (زیارت امام رضا(ع)) کرتے تھے۔

مجالس عزا، عزاداری، نذر و نیاز افطاری مساجد وامام بارگاہ کی تعمیر وغیرہ میں سب شریک ہوتے تھے۔ان امور میں افراد کی اقتصادی وسماجی توثیق وطبقات کی بناپر فقط حصہ اور شرکت کی نوعیت اور مقدار مختلف ہوتی تھی نہ کہ اصل عمل کی کیفیت یہاں تک کہ مکان، خوراک، گھریلو اخراجات بھی کچھ اس طرح تھے کہ شدید اقتصادی فرق کے باوجود آشکار تفاوت کا کمتر احساس ہوتا تھا، گھروں کا چہار دیواری سے محصور ہونا، اندرونی وبیرونی منزل میں فرق ہونا، عام فرد اور اغیار کا اندرونی منزل سے عدم ارتباط اور اسلامی وسماجی اقدار کا مقید ہونا، نیز طعام کی خوشبو کا نہ پھیلنا تاکہ ہمسایہ حسرت وہوس کے شکار نہ ہوں۔۔۔ یہ سب امتیاز وفرق کو مخفی رکھنے کے اطوار تھے اسی طرح امراء وتجار کی آمد ورفت کے ذرائع وہی تھے جن کو محرومین وفقرا وسیلہ معاش کے طور پر استفادہ کرتے تھے یا امرا کے خادم کے طور سے عمل میں لاتے تھے اور ان کے دلوں میں ان ذرائع سے استفادہ کی حسرت دلوں میں نہ رہتی لیکن پہلوی حکومت کے چند دہائیوں کے عرصہ میں خصوصاً ڈکٹیٹر شاہ کی عمر کی آخری دو دہائیوں میں ظاہری ماڈرن ازم سے ایسے اونچے طبقات وجود میں آئے جو عوام سے صرف اقتصادی وسماجی اعتبار سے فرق نہیں رکھتے تھے بلکہ یہ جدید طبقات تہذیب واقدار میں بھی امتیاز رکھتے تھے، ان کے اور معاشرہ کے اکثر عوام کے درمیان عمیق شگاف وجدائی اظہر من الشمس تھی یہ وہ طبقہ تھا جس کی تفریحیں، محافل ومجالس، روش زندگی حتی ظاہری صورت بطور کامل مذہبی عوام ونظام کے اقدار سے متفاوت ومعارض تھی، چونکہ یہ طبقہ سیاسی اعتبار سے کار گزار وعامل وشاہ سے وابستہ شمار ہوتا تھا اور تہذیبی اعتبار سے سماجی وثقافتی نظام کیلئے معیار ونمونہ اور شاہ کا پسندیدہ تصور کیا جاتا تھا لہذا یہ سماجی وثقافتی شگاف خود بخود سیاسی شگاف بھی سمجھا جاتا تھا، یہ صورتحال ڈکٹیٹر شاہ کی عمر کے آخری سالوں میں زیادہ ہونے لگی تھی، جب حکومت نے اپنے اقدامات پر پردہ ڈالنا کم کر دیا تھا، اقتصاد واقدار کا فرق ایک طریقہ سے واضح بلکہ تہذیبی برہنگی میں تبدیل ہو کر رہ گیا تھا پارک وتفریحی مقامات سڑکیں اس نو ظہور کلچر وتہذیب کی خود نمائی کا مرکز بن گئے تھے اور برہنگی وعریانیت زیادہ نمود پیدا کر چکی تھی۔اس صورتحال کا متوقع عکس العمل اور طبیعی نتیجہ اکثر عوام میں خطرہ کے احساس اور قومی اتحاد کا جذبہ پیدا ہونا تھا جن

کے تشخص اور اقدار پر حملہ کیا گیا تھا، لہذا یہی اسباب تھے جن کی بنا پر اکثر عوام ان افکار و نظریات کے حامی وپشت پناہ تھے جو ان کی اقدار و تشخص کو دوبارہ عظمت بخشنے کی خوش خبری دے رہے تھے۔

اس نکتہ پر توجہ کرتے ہوئے شاہ کی عاجزی ودرماندگی کے اسباب کو سمجھا جاسکتا ہے، کیونکہ شاہ کی پالیسیوں سے فائدہ اٹھانے والی نمایاں اقلیت نے انقلاب کے شعار ونعرے واقدار کی امواج کا سامنا کرتے ہوئے اپنی پوزیشن کو خطرے میں دیکھا اور اس نے شاہ کی مدد کرنے کی بجائے اپنا سرمایہ اپنے ثقافتی وطن یعنی یورپ منتقل کرنے اور خود وہاں فرار ہونے کی کوشش شروع کردی اور یہی سلسلہ شاہی حکومت کے زوال میں تیزی کا باعث بنا۔

۶۔ دنیا کی مادی زندگی سے بڑی وسعت میں عقلائی انتخاب

جیسا کہ ہم جانتے ہیں رویئے کی عقلائی حیثیت کو پرکھنے کی اہم شرط، اس وقت اور توقعات کے اس کے میدان کی وسعت پر توجہ دینا ہے، رفتار کو جس اساس پر رویئے پرکھا جاتا ہے، اسی نکتہ کے مد نظر ممکن ہے کہ عقلائی رفتار محدود عرصے میں، بلند مدت پر نگاہ کرتے ہوئے غیر معقول تصور ہو اور اس کے برعکس وہ رفتار جو محدود عرصے میں غیر معقول سمجھی جائے آئندہ منطقی دائرہ میں معقول شمار ہو۔

ذیل کی سادہ مثال ان دو حالتوں کو بیان کررہی ہے، ایک جوان اسٹوڈنٹ عوام کی طرح تفریح اور پسندیدہ اخبار ورسائل کے مطالعے میں مشغول ہے اور بقدر ضرورت آرام واستراحت انجام دیتا ہے لیکن مستقبل کے تناظر میں یہ رویہ معقول نہیں ہے بلکہ عاقلانہ قدم یہ ہے کہ امتحان سے قریب ایام میں بہتر مستقبل کیلئے جہاں تک ممکن ہو اپنی نیند وآرام کو کم کرکے مطالعات میں مصروف رہے، غیر درسی وامتحانی مطالعہ کو محدود کرلے یا اصلاً متوقف کردے اور تفریح ودوسرے غیر ضروری افعال کو ختم کردے یعنی موجودہ آسائش ومطلوبیت کو بہتر مستقبل پر فدا کرے۔ وہ کھلاڑی جوان جو بہت سخت وتکلیف دہ مشق کرتا ہے معین وزن ومورد نظر جسم کیلئے پسندیدہ غذا سے منہ موڑتا ہے اور بھوک وجسمانی تھکاوٹ کے احساس کو برداشت کرتا ہے اس کا یہ عمل آئندہ کے مقابلہ پر توجہ کئے بغیر معقول نہیں ہے لیکن یہی رفتار آئندہ کو دیکھتے ہوئے جب حریف کے مقابل قرار پاتا ہے تو مکمل طور پر معقول ہے۔ اس طرح کی مثالیں اقتصادی فعالیت میں بھی پیش کرنے کے قابل ہیں حالانکہ اقتصاد کی بی چون وچرا منطق صرف نفع کا حصول اور ضرر سے بچاؤ ہے ایک اقتصادی مرکز کیلئے ممکن ہے کہ آج ایک چیز کو اس کی اصل قیمت سے کم پر فروخت کرے اور ضرر برداشت بھی کرے صرف اس امید پر کہ اپنے حریف کو میدان سے نکال باہر کردے اور پھر حریف کی عدم موجودگی میں گزشتہ ضرر کا ازالہ بہت زیادہ فائدے کے ذریعہ کرے۔

اس منطق کی بنیاد پر ایسے انسانوں کے رویئے کے عقلی ہونے کو سمجھا جا سکتا ہے جنہوں نے سود وزیاں کی کسوٹی کو مادی اور دنیوی زندگی سے بالاتر قرار دیا ہے۔ یہ موضوع جو ماوراء الطبیعات کے اعتقاد یعنی مدت کے بعد دوسرے عالم میں زندگی، اس عدالت میں شر وخیر کے احتساب اسے کس حد تک استدلالی وعقلائی حمایت حاصل ہے اجتماعی (سماجی) علوم سے متعلق نہیں ہے، اس مسئلہ کو اس کی جگہ پر مورد بحث قرار دینا چاہیے، لیکن سماجی علوم کے علماء ودانشمند اس واقعیت سے منہ نہیں موڑ سکتے کہ انسان دو نظام معرفتی شناختی واعتقادی والے دو متفاوت نظام سے نفع وضرر کا اندازہ لگا سکتا ہے نتیجہ میں دو رویئے متفاوت رکھ سکتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نظام معرفتی کے دائرے میں عقلائی ہے اس نکتے کی طرف کافی توجہ نہ ہونے کی بناپر جو ظاہر اًبدیہی بھی ہے انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں بہت سی ناروا تفسیر وکج فہمی کا سبب ہے انقلاب اسلامی کے اکثر تجزیہ نگار ابھی تک درک نہیں کرسکے ہیں کہ انقلاب اسلامی کی جدوجہد کے سلسلہ میں مسلمانوں عمل وکارکردگی اور اس کے بعد کی استقامت کا منطقی معیار کیا ہے جو کہ منفعت طلبی وعقلائی رفتار جو دنیوی لذت وسعادت پر مبنی ہو سے ہم آہنگ نہیں، لہذا اسی بناپر انہوں نے مختلف طبقات کی رفتار کو رائج نفع وضرر کے معیار میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے لہذا اسی لیے ان کی رفتار کو احساسی وعاطفی وغیر معقول عمل سے تفسیر وتعبیر کیا گیا ہے اور بعض کو روشن خیال کے ذریعہ بہکائے گئے افراد کے عنوان سے جو امتیازات کی دستیابی کے توہم میں تھے تعارف کرا گیا ہے کہ یہ افراد دوسروں کی کامیابی کیلیئے پل کے طور پر امتیاز کی دستیابی کے توہم میں استعمال کئے گئے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ انقلاب کی فعالیت کے میدان میں بہت سے فعال مسلمان اور ان کی کارکردگی ایک قسم کے احساس ذمے داری اور شرعی فرض کی ادائیگی کی بنیاد پر ہے جسے انہوں نے خود دینی منابع کے متن سے استنباط واستخراج کیا یا عقلائی دائرہ میں غیر ماہر کی ماہر ومتخصص کی تقلید کے ذیل میں اپنے فرض کو ان قائدین کے زبانی جن کی صداقت ودیانت وقدرت تشخیص پر یقین رکھتے تھے حاصل کیا اس نظام کے دائرہ میں ایثار، فداکاری مشکلات کے مقابل مقاومت، متعارف امتیاز ومفادات سے چشم پوشی معنا رکھتے ہیں اور معقول ومنطقی عمل ہیں۔

وہ اعمال جن کو میکس ویبر کی منطق میں [Value Oriented Rationality] کہا جاتا ہے، ایسے اعمال ہیں جو انسان اپنے ذاتی نقصانات کو نظر انداز کرکے فرض، شرف، جمالیات پسندی یا مذہبی دعوت پر عمل وغیرہ کی بنیاد پر انجام دینے کا پابند ہوتا ہے۔ یہ تعبیر دیگر عمل کا اقدار کی طرف معطوف ہونے کی صورت میں ہمیشہ فرامین یا تقاضا مطرح ہوتے ہیں کہ شخص خود کو تکمیل عمل کا پابند سمجھتا ہے۔[۱۴] انقلابی جدوجہد میں مشغول مسلمانوں کیلیئے یہ فرامین یا فرائض جن کو انجام دینے کے پابند تھے، کتاب وسنت، سے منبعث تھے ان کے اعتقاد میں وحی کے سرچشمہ سے دریافت شدہ تھا اور آزاد منش عالم حضرت امام خمینیؒ اس کے مفسر اور بیان کرنے والے تھے اس معنی کی گہرائی حضرت امام خمینیؒ کے اس فرمان میں کہ ہم فرض کو انجام دینے پر مامور ہیں، نتیجہ وانجام خدا

کے ہاتھ میں ہے، پوشیدہ ہے۔ اس منطق کا یہیں سے عمیق فرق وروشن فاصلہ، واضح وآشکار ہوتا ہے کہ ہدف پر مبنی عقلائی عمل کے عمل گر کی بنیادی تاکید نتیجہ کے حصول کیلئے ہے۔ اس کی منطق یہ ہے کہ عمل کنندگان صرف فعلی ودنیاوی ضرر و نفع کو معیار قرار نہیں دیتے ہیں بلکہ تاریخی وبلند مدت کے نتائج بھی جیسا کہ ان کے محاسبات ظاہر کرتے ہیں قطعی معیار نہیں ہے۔ البتہ ان کے اعتقاد میں فرض پر عمل کا حتمی نتیجہ خیر اور مطلوب نتیجہ ہے لیکن نہ یہ کہ لازمی طور پر خیر ومطلوبیت عمل انجام دینے والے فرد کے اندازے میں احصا کے قابل ہو اس فعالیت کے میدان میں جو انقلاب اسلامی کے وقوع کا سبب بنی حاضر عمل کنندگان کی اکثر رفتار کو سمجھنے کیلئے اس منطق واعمال کا تجزیہ اس کے منطقی دائرہ پر موقوف ہے۔ اس زاویئے کی بنا پر شیعہ علما وبازار کا رابطہ اور ان میں سے ہر ایک صنف کی کارکردگی کا جائزہ سادہ سازی وتقلیل گرائی جو منافع کے تبادلہ کی تھیوری پر مبتنی ہے محدود نہیں ہوسکتی ہے۔

۷۔ مغرب سے سیاسی وثقافتی تعامل اور اسلامی مقاصد سے حقائق کی عدم تطبیق

مذکورہ موارد کے برخلاف کہ جن میں ایرانی واسلامی جداگانہ تشخص کے بارے میں بیان کیا گیا ہے اور مغربی ثقافت وتاریخ کے عناصر کی ایرانی معاشرے پر عدم تعمیم کی تاکید کی گئی ہے، یہاں ہماری گفتگو ان افراد سے ہے جنہوں نے ایرانی اسلامی ثقافت ومعاشرہ کا مغرب سے سو سال کے ارتباط وتعامل کے سلسلہ میں کم توجہی کرتے ہوئے واقعات کا تجزیہ کیا ہے، واقعیت یہ ہے کہ مغرب کے افکار ونظریات اور ثقافتی واقدار نظام مختلف طریقہ وروش کے ذریعہ ایرانی معاشرے سے مورد تعامل رہا ہے اور کسی بھی نوعیت سے مغرب نواز تحریک کی عدم کامیابی کو ان کے افکار ونظریات کے عدم نفوذ وتاثیر پر محمول نہیں کرنا چاہیے اور گمان نہیں کرنا چاہیے کہ صرف علاقائی فکری تحریک کی درونی سراغ رسانی کے ذریعہ موجودہ صورتحال کو صحیح طریقہ سے الگ کیا جاسکتا ہے، بعض افکار ومقاصد جیسے آزادی عدالت اور عوام کو اپنی سرنوشت تعیین کرنے کا حق، خواتین کی شان اور حقوق جیسا کہ مبارزت کے اوائل میں جو انقلاب اسلامی کا سبب بنا اور اس کے بعد پیش کئے گئے ہیں سب ہمارے ثقافتی منابع سے استخراج کئے ہوئے نہیں ہیں بلکہ یہ افکار مذکورہ ثقافتی واقدار تعامل کا ماحصل ہیں۔

مذکورہ تعامل کی خصوصیت کے علاوہ ثقافتی وسماجی منظر سے بھی سیاسی وثقافتی رجحان ونظریات کا متضمن ہے اس لیے کہ ایک طرف روایت پسند افراد جدید دنیا سے کمترین تعامل کے بغیر دین سے روایتی وغیر عصری استنباط کررہے ہیں۔ دوسری طرف مغرب زدہ روایت گریز ہیں جو مغرب سے متاثر ہیں اور کم وبیش اپنی سابقہ ثقافتی ومعاشرتی اقدار سے وداع کرلیا ہے اور دل اس دیار کے نظامات کے حوالے کردیا ہے۔

ظاہر سی بات ہے کہ انقلاب اسلامی کا وقوع ان دو تحریکوں کی طاقتوں کے درمیان سنجیدہ موجودگی کا معرف ہے لیکن تجزیہ میں اس قسم کی مختلف تحریکوں کی نسبی تاثیر کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کم اہم تصور نہیں کیا جاسکتا ہے تجزیئے کی واضح نمائی وقدرت وطاقت ان تحریکات کی دقیق شناخت سے وابستہ ہے صرف ایک پہلو کو مد نظر رکھنا اور اس صنف کے حصوں پر بے جا تاکید، ان تحلیلوں کی واقع نمائی کو پہنچاتی ہے۔

نتیجہ

نتیجتاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذکورہ نکات پر توجہ اور انقلاب کے سلسلہ میں ایرانی معاشرہ کے اسلامی وایرانی تشخص کا گہرا فہم، انقلاب کی تشریح واسباب وقوع کے حصول میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے، اسی طرح انقلاب کی شکل پذیری کی تشریح کیلئے جس میں عمل کنندگان کے دلچسپی ونیات کے فہم پر توجہ نہیں ہوتی ہے اس معاشرہ کے خاص تشخص وتاریخ پر توجہ کہ جس نے انقلاب میں اہم کردار ادا کیا ہے، ناگزیر ہے۔

مذکورہ گفتگو کو ان نظریات کیلئے دفاع تصور نہیں کرنا چاہیے جو انقلاب کی تشریح کے ممکن ہونے کی نفی کرتے ہیں اور معتقد ہیں کہ انقلاب منفرد واقعہ ہے جو عام قانون کے تحت نہیں ہوتا ہے۔اس لیے انقلاب کے رونما ہونے سے پہلے اس کی تشریح نہیں کی جاسکتی ہے بلکہ رونما ہونے کے بعد اس کی تشریح ہوسکتی ہے۔

ہماری گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی انقلاب تمام انقلابات کے قانونی دائرہ میں فرمول بندی کی قابلیت اور ذی ربط علمی روابط کے کشف کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن اس کی ترکیب میں موجود عناصر کی شناخت ضروری ہے۔ دوسرے معاشرے میں شناختہ شدہ عناصر کو عینا اس میں تعمیم نہیں دے سکتے ہیں، اس قیاس کی بنا پر اس انقلاب میں جانے پہچانے عناصر بلاقید وشرط دوسرے معاشرے واسلامی ممالک میں تعمیم کے قابل نہیں مگر یہ کہ ان عناصر کی مشابہت ان ممالک ومعاشرے میں مشاہدہ ہوجائے۔

مذکورہ امور کے پیش نظر اگر شاہ کی عمر کی آخری دہائی میں انقلاب اسلامی کے وقوع میں آشکار ترین تحولات وواقعات کے ماحصل کی علّی وتاریخی تحلیل وتمحیص کریں تو ذیل کے موارد کو بطور اختصار پیش کیا جاسکتا ہے:

الف۔ معاشرتی میدان میں سماجی و ثقافتی عام تحولات

آئینی تحریک کے تجربے اور اس عصر میں ایران کے تاریخی حالات نے معاشرے کے اندر دینی بنیادوں پر آزادی پسندی، دین کی طرف رجحان رکھنے والی سائنس اور قومی تشخص کے مطالبے کی سیاسی ثقافت کے مثلث کی بنیاد رکھی، ان تعلیمات کے پر تو میں سید جمال الدین اور ان کے بعد کے مصلحین دینی بنیادوں پر ترقی کے منتظر تھے۔ لیکن یہ سیاسی ثقافت مغرب زدہ روشن خیال افراد کی غیر مذہبی تحریکوں اور لبرل ازم، سوشل ازم اور نیشنل ازم کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکی، چند دہائیوں میں تاریخی حالات و درونی کارکردگی کچھ اس طرح ظاہر ہوئی کہ ان آئیڈیالوجیز کی عدم افادیت اور ناکامی آشکار ہو گئی اور ان سے، معاشرے کا اعتماد اٹھ گیا۔[15]

یہ اسی صورتحال میں ۱۳۴۰ھ ش(۱۹۶۱ء) کی دہائی اور اس کے بعد انقلاب اسلامی کی آئیڈیالوجی کے تین نمایاں ترین عناصر یعنی حریت پسندی، استبداد کی مخالفت، عدالت پسندی و اقتصادی عدم مساوات کا مقابلہ اور آزادانہ اور تشخص عطا کرنے والی ترقی کہ جو سامراجی طاقت اور درآمد کی گئی آئیڈیالوجی سے روگردانی اور اپنی ثقافت کی طرف بازگشت کے پر تو میں حاصل ہوئے تھے، کو نسبتاً شفاف انداز میں بیان کیا گیا لیکن ترقی کیلئے حالات سازگار نہ تھے یہاں تک کہ شیعہ مرجع کی حیثیت سے امام خمینیؒ کے موقف و تحریک نے انقلاب کی آئیڈیالوجی کو قابل لمس اور معتبر ہیئت و مجسم واطمینان بخش حالت میں عوام کیلئے پیش کیا۔ آپ اسے نہ صرف ان کے دینی اعتقاد سے سازگار طور پر پیش کیا بلکہ ان اعتقاد و نظریات کی ایک طرح کی تشریح کرتے ہوئے انہیں انجام دہی کا پابند بھی بنایا۔

یہ صورتحال ۵۷،۱۳۴۰ھ ش(۱۹۶۱،۷۸ء) کے عشروں کے دوران ارتقاء پذیر رہی اور رہبر انقلاب کیلئے وہ صورتحال و مقبولیت فراہم ہوئی کہ ۵۷،۱۳۵۶ھ ش میں تمام نظریات کے پیروکاروں کیلئے انقلاب کے اتحاد میں شرکت کیلئے مجبور ہونا پڑا اور حکومت عجب کشمکش و مشکل کا شکار ہو گئی اور انقلاب کی آئیڈیالوجی کا نمایاں عنصر یعنی شہادت کے عاشورائی کلچر نے اس مرحلے میں حکومت کو سرکوبی کے وسائل سے فائدہ اٹھانے میں ناکام بنادیا اور یوں حکومت کا زوال ناگزیر ہو گیا۔

ب۔ حکومت اور اس کے حامی گروہوں کی حالت

پہلوی حکومت اپنی بنیاد سپہ سالار سے ہی اور مختلف اوقات میں شہریور ۲۰۔ مرداد ۱۳۳۲ھ ش اور ۱۳۴۳ھ ش(۱۱ستمبر ۱۹۵۳، ۱۹۶۴ء) کے کیپچولیشن جیسے واقعات کی وجہ سے اغیار کی پٹھو اور اغیار کی ثقافت واقدار کی حامی حکومت کے طور پر پہچانی گئی اور جدت پسند روشن خیال اس کے حامی یا کارندے تھے۔ اس حکومت نے اپنے عہد میں دین کی مخالفت، سیاسی استبداد کے ساتھ

ظاہری اور رائے عامہ کے عقائد کے منافی ماڈر نائزیشن اور اپنے مخالفین اور ناقدین پر ہمہ گیر تشدد کا مظاہرہ کیا جس کی بنا پر ۱۳۵۰ھ ش (۱۹۷۱ء) کے عشرے کے بعد انقلاب کی آئیڈیالوجی کی ترویج کے بعد اس کا جواز ختم ہو کر رہ گیا اور حکومت چند عشروں کے اپنے اقدامات کے ذریعے نہ صرف اپنی اجتماعی پوزیشن کو مضبوط نہ کر سکی، بلکہ اس کے روایتی و سماجی طبقات جو شاہ کے حامی تھے آہستہ آہستہ بدل گئے اور شاہ ان پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا آخر کار حکومت سے فائدہ حاصل کرنے والے ہی حامی رہ گئے تھے جیسے سرمایہ دار و آسائش پسند طبقہ جن کو قومی اور ثقافتی امور میں کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ شاہ کو انقلاب کی گرداب میں پھنستے دیکھ کر بجائے اس کے کہ شاہ کو نجات دیں اپنے لئے راہ فرار و سرمایہ و ثروت کو منتقل کرنے کی فکر میں تھے جس نے بحران کو اور شدت بخش دی تھی ان حالات میں انقلابی فکر و نظریہ شاہ کے سفاک اداروں میں نفوذ و رسوخ کرنے لگا جس کی بنا پر وہ اپنی ذمہ داری اور شاہ کے اوامر کو اجراء کرنے کے سلسلے میں شک کا شکار ہو گئے تھے۔

ان حالات میں انقلابی اتحاد قائم ہوا جس کا مظاہرہ کروڑوں عوام نے ہڑتالوں اور جلوسوں میں شریک ہو کر دنیا والوں کے سامنے کیا جس کی وجہ سے حکومت عالمی حمایتوں سے محروم ہو گئی اور ایران کے اصل حامی کی حیثیت سے امریکہ کی سفارت کاری ناکام ہو گئی یہاں تک کہ شاہ کی شک و تردد کا باعث بن گئی تھی۔ یہ صورتحال شاہ کیلئے انتہائی مایوس کن تھی، ان حالات میں شاہ کا شکنجہ و سرکوب کا طریقہ کار ناکام ہو گیا اور اثر کھو بیٹھا، حضرت امام خمینیؒ نے اپنی بے مثال شجاعت و شہامت، بے نظیر تدبیر و درایت اور عظیم مقبولیت سے استفادہ کرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی واقعات کی لہر کو بہمن ۱۳۵۷ھ ش (فروری ۱۹۷۹ء) کی کامیابی کے ساحل تک پہنچا دیا۔

حوالہ جات

ا۔انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں بہت سے سیاستدانوں، فوجیوں، سفارت کاروں اور اخبار نویسوں کے تحریری آثار درج ذیل گروہ میں شامل ہیں:

[ماموریت در ایران، آنتونی پارسونز، ترجمہ: پاشا شریفی، تہران، راہ نو، ۱۳۶۲۔

[ویلیام سولیوان، ترجمہ: محمود مشرقی، تہران، ہفتہ، ۱۳۶۱۔

[رابرٹ ہائزر، ترجمہ: رشیدی، تہران، اطلاعات، ۱۳۶۵۔

[پاسخ بہ تاریخ، محمد رضا پہلوی، حسین ابوترابیان، تہران، ۱۳۷۱۔

[سقوط شاہ، فریدون ہویدا، ترجمہ: ح۔ا۔مہران، تہران، اطلاعات، ۱۳۶۵۔

[ظہور و سقوط سلطنت پہلوی، حسین فردوست، تہران، اطلاعات، ۱۳۶۷۔

[اعترافات ژنرال، عباس قرہ باغی، تہران، نشرنی، ۱۳۶۶۔

[خدمت گزار تخت طاووس، پرویز راجی، ترجمہ: ح۔ا۔مہران، تہران، انتشارات اطلاعات، ۱۳۶۴۔

[داستان انقلاب، محمود طلوعی، تہران، نشر علم، ۱۳۷۰۔

Dilp Hiro, Iran under the Ayatollahs (London and New York: Routledge .(1987& Kegan Paul,

۲۔ حمیرا مشیر زادہ، فصل نامہ راہبرد، ش۹۔

۳۔اختیار عاقلانہ تبیین وعلوم اجتماعی، دانیل لٹیل، عبدالکریم سروش، تہران، موسسہ فرہنگی صراط، ۱۳۷۳، ص ۶۳۔۱۰۳۔

۴۔ مراحل اساسی سیر اندیشہ در جامع شناسی، ریمون آرون، باقر پرہام ۱۳۶۴۔

5. Misagh Parsa, Social origions of the Iranian Revolution (New Burnswisck and London: Rutgers university press, 1984).

Nikki R.Keddie, Iran and the musim world: Resistance and Revolution. London: Macmillan Press ltd, 1995.

6. Michael fischre, from Religious Dispute to Revolution (cambridge, MA:Harvard university Press, 1980).

Hamid Algar, the Roots of the Iranian revolution (London: Open Press, 1983).

Hussain, Asaf Islamic Iran: Revolution and counter (London: Frances pinter, 1985).

Said Amir Arjomand, the turban of the croun: the Islamic Revotution in Iran (New York: oxford university Press, 1988).

برواند آبراہامیان، ایران بین دو انقلاب: از مشروطہ تا انقلاب اسلامی، ترجمہ: کاظم فیروزمند، حسن شمس آوری، محسن مدیر شانہ چی، تہران، نشر مرکز، ۱۳۷۷۔

نیکی کدی، ریشہ ہائے انقلاب ایران، ترجمہ: عبدالرحیم گواہی، تہران، قلم، ۱۳۶۹۔

7. Ali Farazmand, thestate. bureacracy, and Bevolution in modern Iran: Agrarian Reform and regime politicsnew york prager, 1989.

محمد سوداگر، روابط سرمایہ داری در ایران (مرحلہ گسترش)، تہران، فرزین، ۱۳۶۔

8. Robert E.Looney, Economic origions of the Iranian Revolution (New York: Pergamon perss, 1982).

Homa atouzian, the political Economy of Iran (New York: New York .(1981university press,

(London: 1982-1962Hussein Bashiriyeh, State and Revolution in Iran: .(1984Croom Helm,

Farhad Kazemi, "poverty and Revolutiion in Iran: the migrant Poor, .1980urban marginality, and politics", New York university, U.S.

نیکی کدی، انقلاب ایران در چشم انداز تطبیقی: بررسی تطبیقی انقلاب مشروطیت وانقلاب اسلامی، ترجمہ: حسین علی نوذری، ایران فردا، ش ۱۷۔

فرامرز رفیع پور، تضاد وتوسعہ، انتشارات دانشگاه شہید بہشتی، ۱۳۷۵۔

Farrokh moshiri, the state and social Revolution in Iran (New York: .9 .(1985peterlang,

(London: 1982-1962Hussein Bashiriyeh, state and Revolution in Iran: .(1984Croom Helm,

فرامرز رفیع پور، تضاد وتوسعہ۔

۱۰۔ برواند آبراہامیان، ایران بین دو انقلاب: از مشروطہ تا انقلاب اسلامی، ترجمہ: کاظم فیروزمند، حسن شمس آوری، محسن مدیر شانہ چی، تہران، نشر مرکز، ۱۳۷۷۔

حمید عنایت، مذہب بہ عنوان ایدئولوژی سیاسی، فرہنگ توسعہ، ش ۴، بہمن واسفند ۱۷۔

A. Najmabadi, "Iran,s turn to Islam: from modernism to moral .11 .217-202, pp. 1987, spring 41order". teh middle East journal, vol

j Green, "countermobilization in the Iranian Revolution", in the origions .138-126of Revolution, pp.

E. Burck and p.lubek, "Explaning Social movement in two oil-Exporting states: Divergent outcomes in nigeria and Iran, Society for .560-544), pp. 1987comparative staudy of society and History (

: Religion as Political Ideology", in 1979H. Enayat, "Revolution in Iran .194-191Revolution third world, pp.

A. Sheikholeslami, "from religious Accomodation to Religious Revolution: The transformation of shiism in Iran", in Ali Banouazizi and Miro weiner (eds), the State, Religion and Ethnic politics, Iran). 1986Afghanistan, and Pakistan (New York: syracus university press, .227-224pp.

۱۲۔ یحییٰ دولت آبادی، حیات یحییٰ، تہران، انتشارات فردوسی، ۱۳۶۲۔

فخر الدین رشدیہ، زندگی نامہ پیر معارف، تہران، انتشارات هیر مند، ۱۳۷۰۔

عبدالهادی حائری، نخستین رویارویی‌های اندیشہ گران ایران بادورویہ تمدن بورژوازی غرب، تہران، انتشارات امیر کبیر، ۱۳۶۰۔

علی محمدی حاضری، فرایند خودی شدن نہاد آموزش وپرورش، نامہ پژوهش، فصل نامہ تحقیقات فرهنگی، وزارت فرهنگ وارشاد اسلامی، سال اول، شمارہ ۲، ۳، زمستان ۱۳۷۵۔

۱۳۔ فرامرز رفیع پور، تضاد وتوسعہ، دانشگاہ شہید بہشتی، ۱۳۷۵۔

لیلی عشقی، زمانی مابین زمانہا، پژوهش نامہ متین، شمارہ ۲، بہار ۱۳۷۸۔

۱۴۔ ماکس وبر، اقتصاد وجامعہ، ترجمہ: عباس منوچہری وہمکاران، انتشارات مولی، ۱۳۷۴، ص ۲۹۔

۱۵۔ علی محمد حاضری، فرایند بالندگی ایدئولوژی انقلاب اسلامی، پژوهش نامہ، متین، شمارہ ۱، زمستان ۱۳۷۷۔

ایران کے اسلامی انقلاب سے متعلق تحقیقات اور نظریات کے نقائص (مبانی اور تھیوری انقلاب اسلامی) (سید فرہاد سجادی)

انقلاب [Revolution] کی بہت تعریفیں کی گئی ہیں [1] تعاریف میں بہت فرق ہونے کے باوجود سوشیالوجی اور سیاسیات کے ماہرین انقلاب کیلئے چار مشترکہ خصوصیات کے قائل ہیں۔ یہ خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ انقلاب عوامی ہے (خصوصاً محروم اور نچلے طبقہ کے افراد) اور ان کی وسیع اور بنیادی شرکت سے ممکن ہوتا ہے۔

۲۔ انقلاب پر تشدد ہوتا ہے اور وہ تبدیلی کیلئے بدامنی اور قہر وطاقت کا سہارا لیتا ہے۔

۳۔ انقلاب معاشرے کے تمام سیاسی وسماجی اور اقتصادی میدانوں میں ہمہ گیر تبدیلیوں کا سبب بنتا ہے۔

۴۔ انقلاب سریع وناگہانی ہوتا ہے اور اس کی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی ہے۔ [2]

مذکورہ خصوصیات کی بناپر بلا شبہ سیاسی انقلاب دوسرے سیاسی واقعات جیسے بغاوت، شورش اور اصلاح، آشوب سے امتیاز پیدا کرتا ہے۔ [3] اس بناپر انقلاب تمام سماجی واقعات کے مقابل ایک نادر سماجی واقعہ ہے اور بہت کم پیش گوئی کے قابل ہوتا ہے۔ لہذا وقوع انقلاب کے زمان ومکان کو واضح کرنا مشکل امر ہے۔ انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں وسیع نظریات قائم کرنے اور علمی کوشش ہونے کے باوجود، شاید ہی کوئی انقلاب کی تحریک شروع ہونے سے قبل حتی شاہی حکومت سقوط کے بعد، مشرق وسطیٰ کے جزیرۂ ثبات میں تزلزل، شاہی نظام کے اضمحلال اور اسلامی جمہوریہ کے عنوان سے جدید نظام کے قیام کے سلسلہ میں پیش گوئی کر سکتا تھا۔ [4] اسی بناپر انقلاب کی تشریح اس کے رونما ہونے کے بعد کی جاتی ہے۔ لہذا انقلاب کی تشریح ایک مرتبہ کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس عمل کو دہرایا جاتا ہے اور کئی مرتبہ اس کا تجزیہ کیا جاتا ہے کیونکہ:

۱۔ ہر انقلاب دوسرے انقلابات سے مشترکات رکھنے کے باوجود بعض مسائل میں امتیاز بھی رکھتا ہے۔ لہذا ہر انقلاب کی اس کے خاص حالات واسباب کے تحت تحقیق کی جانی چاہیے۔

۲۔ انقلابات کی تشریح کے سلسلہ میں جن نظریات اور علمی قوانین کا استعمال ہوتا ہے وہ مختلف علوم [تاریخ، سوشیالوجی، سیاسیات اور نفسیات وغیرہ] سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی خاص علم میں محدود نہیں ہوتے ہیں۔ یہ نظریات ایک دوسرے سے فرق

رکھتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی تنہا کامل ہونے کا دعوا نہیں کر سکتا ہے۔ لہذا انقلاب کی ایک نظریہ کے ذریعہ تشریح نہیں کی جاسکتی ہے، کیونکہ اس سے قابل اطمینان نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

۳۔ انقلاب رونما ہونے کی صورتحال [Accurance condition] یعنی جن تجربی شواہد سے نظریات کے مفروضوں کو ثابت کرنے کیلئے استفادہ کیا جاتا ہے۔ وہ ہر خاص مفروضے اور نظریئے کے متغیروں کی نسبت مختلف ہوتے ہیں اور یہ تجربی شواہد آسانی سے فراہم نہیں ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات ان کیلئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس حالت میں جبکہ ایک فرضیہ کو تحقیق کے وقت ثابت کرنے کیلئے کافی تجربی شواہد موجود نہ ہوں تو وہ نظریہ ایک کارآمد نظریہ نہیں ہو سکتا ہے۔ انقلاب، تجربی شواہد پر مبنی نظریات کے ذریعہ تشریح کے قابل ہے اور ایک عرصہ بعد بعض شواہد پائے جائیں کہ اب تک کوئی اس سے مطلع نہ تھا یا وہ شواہد دوسرے چند یا ایک فرضیہ کی تائید کریں تو اس صورت میں انقلاب کی جدید پہلوؤں کے ذریعہ دوبارہ تحقیق ہونا چاہیے، اسی بنا پر دنیا کے بڑے انقلابات کی کئی مرتبہ تحقیق کی گئی۔

محترمہ تدا اسکاچ کے قول کے مطابق انقلاب اسلامی ایران، دنیا کے عظیم انقلابات کی تمام خصوصیات کا حامل ہے۔ لہذا اس کی تشریح دنیا کے بڑے انقلاب (روس، فرانس، امریکہ، چین کے انقلابات۔۔۔) کی طرح ہونا چاہیے۔ یہ انقلاب، انسانی علوم کے ماہرین ودانشوروں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ انقلاب کی سوشیالوجی اور سیاسیات کے مختلف نظریات کو چیلنج کر دیا ہے، ان میں سے اکثر نظریات انقلاب ایران کے علل وقوع واسباب کو بیان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔

انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں پیش کردہ تشریحات عموماً روش شناسی کی دو اہم محدودیتوں کا شکار ہیں:

ا۔ ایک قوی نظریاتی دائرہ [خصوصاً انقلاب کی سوشیالوجی کے نظریات] کی عدم پابندی۔

۲۔ اثباتی و تجربی شواہد ودلائل سے کافی مستند نہ ہونا۔

مغربی دانشوروں کی جانب سے جو تشریحات پیش کی گئی ہیں، عام طور سے قوی نظریہ پر مبنی ہیں لیکن کافی تجربی مبنا سے خالی ہیں، کیونکہ:

الف۔ مغربی دانشوروں میں سے ایک فرد بھی عمیق طور سے خود انقلاب سے قبل وقوع کے ادوار میں ایران کے حالات کی اطلاع نہیں رکھتا ہے بلکہ اپنی اطلاعات غیر مستقیم طریقہ سے حاصل کی ہیں۔ لہذا انقلاب خصوصاً اسلامی انقلاب جیسے پیچیدہ واقعات کو مغربی ثقافت سے بالکل ممتاز ثقافت میں وہ بھی غیر مستقیم اطلاعات کے ذریعہ بطور کامل درک کرنا ممکن نہیں ہے۔

ب۔انقلاب اسلامی کے ایسے محققین کی تجربی اطلاعات ایسے افراد سے اخذ کی گئی ہیں جو انقلاب کے سلسلہ میں منفی میلان کی بناپر ایران کو ترک کر چکے ہیں۔ لہذا یہ اطلاعات حقیقت پر مبنی نہیں ہے اور ان کا دوبارہ پرکھا جانا ضروری ہے۔

یہ اسباب انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں غلط نظریات قائم کرنے کا باعث بنے ہیں، اسی بناپر انقلاب اسلامی کے مخالف، مختلف سیاستدانوں و محققین کے عملی اقدامات و علمی تجزیہ، ایک طولانی مدت تک غلط ثابت ہوتا رہا لیکن اس کے باوجود یہ کہنا چاہیے کہ ان دانشمندوں کو ایران سے متعلق خبروں، اطلاعات اور کتب و جرائد تک ایرانی محققین سے نہ صرف کم نہیں بلکہ زیادہ رسائی حاصل ہے۔

مقامی محققین کے ذریعہ جو تشریحات پیش ہوئی ہیں اگرچہ عملی تجربہ اور انقلاب کے سلسلہ میں دقیق اطلاعات پر مبنی ہیں لیکن اکثر اوقات قوی نظری استدلال سے عاری نہیں یعنی ان محققین کے آثار قلم انقلاب کے عمیق علّی روابط کو ایک منظم نظری دائرہ میں پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔۵

انقلاب اسلامی کے بارے میں (خصوصاً ایرانی محققین کے) مطالعات و تحقیقات بنیادی ابہامات واشکالات کی حامل ہیں، اس سلسلے میں بعض اہم نکات کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

ا۔توصیفی تشریح

انقلاب اسلامی متعلق تحقیقات میں ایک اساسی ابہام یہ ہے کہ ان سے بطور دقیق واضح نہیں ہوتا کہ یہ ظہور و آغاز انقلاب کے علل (علّی تشریح) کو بیان کرنا چاہتی ہیں یا انقلاب اسلامی کی کامیابی میں موثر عناصر کو بیان کرنا چاہتی ہیں۔

انقلاب اسلامی ایران سے متعلق ادبیات و قلمی آثار میں یہ خلط مبحث آشکار ہے اور اس میں ایرانی و مغربی محققین دونوں شریک ہیں۔

۲۔یک طرفہ نگاہ اور معیار زدگی

انقلاب اسلامی کے واقعات کی تشریح کسی خاص فکری مکتب کی بنیاد پر کرنا اور دوسرے زاویہ ہائے نگاہ پر توجہ نہ دینا اور عالم خارج کے تمام تر اختلافات اور تضادات کے باوجود اس کو ایک ہی زاویہ نگاہ سے دیکھنا Dogmatism پر منتج ہوتا ہے، بعض ایرانی اور غیر ملکی ارباب قلم نے اس عظیم واقعے کی خاص نگاہ واعتقاد کے معیار پر تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے، انہوں نے موجودہ حقیقت و نظر کی بنیاد پر تحقیق کرنے کے بجائے حقائق توڑ مروڑ کر پیش کر کے ایک خاص نظر کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، انقلاب اسلامی

ایران سے متعلق مارکسزم اور اس سے وابستہ مکاتب [بائیں بازو کے سیاسی گروہ، مارکسزم لینن ازم] کا ادراک اسی زمرے میں شمار ہوتا ہے جس میں فرضیات، مفاہیم اور استدلالات مارکس ازم نظریہ کے تناظر میں پیش کئے گئے ہیں۔[6] ایک خاص نمونہ و معیار کو جو ایک خاص معاشرہ و زمانہ کیلئے پیش کیا گیا ہے اسے تمام اعصار وادوار کیلئے عام قرار دینا ایک غیر علمی و غیر صحیح امر ہے کیونکہ ہر معاشرہ اپنے درونی سماجی تحولات میں اپنے مخصوص تغیر و تحول ضابطہ و قواعد کا حامل ہوتا ہے۔[7]

۳۔ سیاست زدگی اور روزمرہ کی طرف رجحان

انقلاب اسلامی کے مطالعات کی اہم مشکل جس کی بنا پر غلط اقدار شخصی مصلحت، عاطفی و سیاسی رجحان وجود میں آتے ہیں، مولفین کی سیاست زدگی ہے، کیونکہ سیاست زدہ مولفین و محققین تحلیل و توصیف میں زمانہ کی متلاطم سیاست کے شکار ہو کر حقیقت کو بیان کرنے کے بجائے مصنوعی و جعلی تاریخ کو تحریر کرتے ہیں جن کا کم از کم نتیجہ ایرانی عوام کی جدید نسل کو اپنی ثقافت و تاریخ سے دور و اجنبی قرار دینا ہے۔

۴۔ سازشی تجزیہ

انقلاب اسلامی کے اکثر ارباب تحقیق نے (کہ جن کی تشریح بعد میں کی جائے گی) انقلاب اسلامی کے مسائل کو سازشی فکر کی روشنی میں مورد تحقیق قرار دیا ہے، یعنی انقلاب میں خفیہ ہاتھ ملوث تھے اور شاہ، سازش کا شکار ہو گیا تھا، انقلاب میں اغیار دست دخیل تھا یہ جملات کم و بیش اکثر تشریحات میں نظر آتے ہیں۔[8]

انقلاب اسلامی پر بیرون سے نگاہ ڈالنا، تاریخی حقیقت پر توجہ نہ کرنا اور تاریخ میں ایرانی معاشرے کے درونی بحران و مشکلات سے چشم پوشی کرنا تاریخی خود فریبی اور سماجی سیاسی و ثقافتی بیگانگی کا باعث بنا ہے۔

زیر نظر مقالے کا مقصد انقلاب اسلامی کا مختلف زاویہ ہائے نگاہ کی بنیاد پر ذیل عناوین کے تحت ناقدانہ جائزہ لینا ہے۔

ا۔ غیر علمی نظریات

ا،ا، خبر نگاروں کا تجزیہ

۲،ا، سازشی تجزیہ

۲۔ علمی نظریات

۱۔۲۔ انقلاب کے سلسلہ میں علّی زاویہ ہائے نگاہ ایک مسلم و مربوط نظریہ کے دائرہ میں قرار نہیں پاتے ان میں سے ہر ایک انقلاب کی کامیابی میں کسی ایک سبب کے کردار کا قائل ہے اور اسی کو اصل سبب جانتا ہے اور دوسرے اسباب کو فرض نہیں کرتا ہے۔ ان میں اہم ترین زاویہ ہائے نگاہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اقتصادی زاویہ نگاہ

۲۔ مذہبی زاویہ نگاہ

۲۔۲۔ علمی زاویہ ہائے نگاہ جو انقلاب کی نظریاتی سوشیالوجی دائرے میں قرار پاتے ہیں، تین اقسام میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں:

۱۔ سیاسی سوشیالوجی زاویہ نگاہ

۲۔ سیاسی زاویہ نگاہ

۳۔ تیسری دنیا کے انقلابات کا زاویہ نگاہ

اسلامی انقلاب سے متعلق غیر علمی زاویہ ہائے نگاہ

۱۔ انقلاب اسلامی کی اس نوع کی گفتگو و مطالعات چند قسم پر تقسیم ہوتے ہیں:

الف۔ ان میں بعض مولف و مصنف کے تحریر کردہ ناقابل فراموش واقعات ہیں یعنی ایک فرد نے انقلاب کے ایام یا اس سے قبل کے اپنے ذاتی یادگاری لمحوں کو مرقوم کیا ہے۔

ب۔ ان میں بعض تحریری آثار ایسے ہیں جس میں انقلاب کی شکل پذیری کی نوعیت کو توصیفی روش کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے، تحلیلی و علمی اور نظری دلائل سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

ج۔اس قسم میں بعض آثار وہ ہیں جو مغربی سیاستدان اور ایران میں مقیم سیاسی افراد خصوصاً مغربی ممالک کے سفارت کاروں تحریر کئے ہیں، نیز پہلوی حکومت میں اہم عہدوں پر تعینات کی تحریر سر گزشت، اسی زمرہ میں قرار پاتی ہیں، یہ آثار سیاسی منافع اور فکری وسیاسی وابستگی کی بنیاد پر مرتب شدہ ہیں۔

انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں غیر مہارتی و نظری دلائل سے عاری زاویہ ہائے نگاہ دو اقسام میں منقسم ہوتے ہیں۔

۱۔اخبار نویسوں کے تجزیئے

۲۔سازشی تجزیئے

۱۔ اخبار نویسوں کے تجزیئے

۱۔۱۔ ولیم سولیون، ۵۶ سے ۱۳۵۸ ھ ش (۷۷۔۱۹۷۹ء) تک ایران میں امریکہ کا سفیر رہ چکا ہے اور اس نے قریب سے ایران کے حالات، عدم استحکام، انقلابی تحریک اور اس کی کامیابی کا مشاہدہ کیا ہے اور ایران میں میری ماموریت۔۹ نامی کتاب میں اپنی روزانہ کی یادداشت کی بنیاد پر انقلاب اسلامی میں موثر تکوینی اسباب کا جائزہ لیا ہے، یہ کتاب انقلاب اسلامی ایران کے سلسلہ میں حکایت نما شرح کے طور پر تحریر کی گئی ہے اور اس انقلاب میں موثر شخصیات کے کردار کی نشان دہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کتاب کے مصنف نے اقتصادی صورتحال، انتظامی وسیکورٹی اداروں کی صورتحال سماجی ساخت اور ایرانی معاشرے میں شیعہ اسلام کے کردار کو بیان کیا ہے اور ہر موضوع و میدان میں پڑھنے والے کیلیئے اطلاعات فراہم کرتا ہے لیکن اس کے باوجود ولیم سولیون اعتراف کرتا ہے کہ وہ اس ملک میں اپنی ماموریت سے قبل ایران کے حالات کی شناخت نہیں رکھتا ہے اور اس نے وقایع و مسائل کی تشریح کی کوشش بھی نہیں کی ہے۔

پہلوی عصر کے بعض سیاسی وسماجی دانشور جنہوں نے انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں اپنی یادداشت کو تحریر کیا ہے ان میں فریدون ہویدا۱۰ حسین فردوست ۱۱ عباس قرہ باغی ۱۲ اور پرویز راجی ۱۳ شامل ہیں، ان افراد میں سے دو کے زاویہ ہائے نظر کو پیش کیا جارہا ہے۔

۲۔ا۔فریدون ہویدا

وہ ایران کے سابق وزیر اعظم، امیر عباس ہویدا کا بھائی ہے اور اس حکومت سے قریبی فرد ہے وہ اپنی کتاب ''سقوط شاہ'' میں شاہ کی سرنگونی کے اسباب بیان کرتے ہوئے شاہ کی ڈکٹیٹر شپ اور ذاتی غلطیوں کو انقلاب کی اہم ترین تشریح کے سبب کے طور پر پیش کرتا ہے اور مالی واخلاقی بدعنوانی، گھٹن، اسلحہ جات کی خرید میں افراط، اقتصادی زوال، دوسروں کیلئے کھلے دروازوں کی خارجہ پالیسی، واحد حزبی سسٹم اور مذہب کی اہمیت و کردار وقدرت کو نظر انداز یا کم تصور کئے جانے، انقلاب کی زمین ہموار کرنے والے اسباب کے طور پر پیش کرتا ہے۔

۳۔ا۔محمود طلوعی

وہ ''داستان انقلاب''[۱۴] نامی کتاب میں انقلاب کے تاریخی پس منظر میں انقلاب کے رونما ہونے کے اسباب کا جائزہ لیتا ہے۔اس کتاب میں ایران کے حالیہ صدی کے اہم واقعات کی مختصر تاریخ کو عموماً بہتر ماخذ سے استناد کرتے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔

طلوعی انقلاب اسلامی کے عنصر کو قاجاریہ دور کی عوامی تحریکوں میں مشاہدہ کرتا ہے کہ اس میں تمام علماء فعال اور سرگرم عمل تھے۔ مصنف کی نظر میں پہلوی حکومت کی روش نظام کے خلاف انقلاب اور اس حکومت کی سرنگونی کا سبب بنی ہے، طلوعی کی نظر میں انقلاب کے مقدمات کو استبدادی پہلوی حکومت کی پالیسی علماء کے نظریات کی مخالفت اور اغیار کی مداخلت میں جستجو کرنا چاہئے کتاب کے تجزیاتی حصے میں انقلاب کے سلسلہ میں سیاستدانوں اور محققین کے نظریات کو پیش کیا گیا ہے۔کتاب کے مصنف نے عوامانہ نظریات جیسے نظریہ سازش کو رد کرتے ہوئے انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں اپنا تجزیہ کو موثر شخصیتی، ثقافتی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی اسباب کے ذیل میں پیش کیا ہے۔

تجزیہ

اخبار نویسوں کے جائزے اور تحقیقات چونکہ خاص نظریاتی اصولوں پر استوار نہیں ہوتے ہیں۔انقلاب کے وقائع و حوادث کو بیان کرتے ہیں نہ کہ ان کی تشریح، انقلاب اسلامی جیسے واقعے کی تشریح کی صورت میں تاریخی اطلاعات اکٹھا کرتے ہیں لیکن اپنے ایک مربوط نظری قالب وڈھانچہ میں تشریح کرنے سے قاصر ہیں، لہذا تاریخی و غیر تاریخی اسباب، ساختاری سطوح (وسیع) و شخصیتی (فرد) کو ایک دوسرے کے ہمراہ پیش کرتے ہیں بغیر اس کے کہ اسباب کے درمیان منطقی ارتباط و اولویت قرار دیں، ان آثار کی اقداری ہمنوائی، سابقہ حکومت سے فکری و سیاسی وابستگی کو ظاہر کرتی ہیں جس کی بنا پر روش شناسی حیثیت سے قابل اعتبار نہیں ہے۔

۲۔ سازشی تجزیہ

بعض معتقد ہیں کہ ۱۳۵۷ ھ ش (۱۹۷۹ ء) کے انقلاب کا پہلے سے منصوبہ بنایا گیا تھا اور یہ انقلاب ایک سازش کا نتیجہ تھا یہ منصوبہ غیر ملکی طاقتوں نے شاہ کی حکومت کو گرانے کرنے کیلئے بنایا تھا اور کتاب ''سقوط شاہ'' میں اس نظریہ کے حامی، شاہی خاندان، دربار کے ارکان، سابق حکومت کے عہدیدار حکومت سے وابستہ سرمایہ دار، پہلوی حکومت کے فوج و پولیس کے حکام، عام افراد اور بعض جگہ پر محققین (نراقی، ارانی، بنو عزیزی اردمن) کو قرار دیا گیا ہے۔

اس نظریہ کے طرفدار، مغرب خصوصاً امریکہ و برطانیہ پر شاہ کی حمایت نہ کرنے کا الزام لگاتے ہیں، بعض مشرقی طاقتوں یعنی روس پر بھی اس سلسلہ میں الزام لگاتے ہیں۔۱۵ شاہ کی سرنگونی کے سلسلے میں مغرب محرکات کے سلسلے میں مختلف گروہوں نے اظہار خیال کیا ہے۔

الف۔ بعض گروہ معتقد ہیں کہ مغرب شاہ کو ۱۳۵۰ ھ ش (۱۹۷۱ ء) کی دہائی میں اوپیک کے ذریعہ پٹرول کی قیمت زیادہ کرنے کی جس میں شاہ نے کلیدی رول ادا کیا تھا سزا دینا چاہتا تھا۔

ب۔ بعض دوسرے گروہوں کا گمان ہے کہ ایران پہلوی حکومت کے آخری ایام (۵۷ ۔ ۱۳۵۰ھ ش ۔۷۹ ۔ ۱۹۷۱ ء) میں بطور سریع صنعت و پیشرفت کی طرف قدم بڑھا رہا تھا لہذا مغربی ممالک نے ایران کی ترقی سے حسد کرنا شروع کر دیا تھا اور ایران کی پیداواری، صنعتی، معدنی و زراعی اشیا کی بین الاقوامی منڈی میں مانگ کے خوف کی بنا پر نیز اپنے اقتصادی مفادات کی خاطر انہوں نے ایران کی ترقی کو روکنے کیلئے شاہ کے خلاف سازش کرنی شروع کر دی، شاہ نے کتاب ''پاسخ بہ تاریخ''۱۶ میں مذکورہ دونوں اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ج۔ ایرانی مارکسسٹوں نے نظریہ سازش کو قبول کرتے ہوئے دوسرا رنگ دینے کی کوشش کی ہے ان کی نظر میں امپیریل ازم، شاہ کی حکومت کے آخری ایام میں درونی تضاد کی بنا پر انقلاب کیلئے ذہنی و عینی حالات پیدا ہو رہے تھے اور ملک بقول ان کے ایک کمیونسٹ ایک انقلاب کیلئے آمادہ ہو رہا تھا لیکن امریکہ کے امپیریل ازم نے بر وقت مداخلت اور سازش کر کے اس کا رخ کو اسلامی انقلاب کی طرف موڑ دیا تاکہ ایک مارکس ازم و سوشل ازم نظریہ پر انقلابی تحریک وجود میں نہ آسکے۔

د۔ مذکورہ تینوں محرکات کے علاوہ ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ مغربی ممالک ایران اور عربی ممالک کے مالی ذخائر (جو ان کے بینکوں میں جمع تھے) کو حاصل کرنا چاہتے تھے، اس گروہ کا استدلال یہ ہے کہ ایران و خلیج فارس کے ممالک ۱۹۷۰ ء میں پٹرول کی

قیمت میں اچانک اضافہ ہو جانے کی بناپر کافی مالدار ہو گئے تھے اور یہ مسئلہ مغربی ممالک کیلئے خطرناک ہو گیا تھا بطور مثال اگر یہ ممالک اپنے پیسوں کو مغربی ممالک کے بینکوں سے نکال لیتے توان کے بینکوں کا نظام ٹھپ ہو جاتا، لہذا یہ گروہ امریکہ پر الزام لگاتا ہے کہ اس نے ایک سازش کے تحت انقلاب اسلامی بر پا کیا اور پھر ایران عراق جنگ بھڑکا کر دونوں ممالک نیز عرب ممالک کے پیسوں کے بدلے اسلحہ فروخت کر کے اس ممکنہ خطر کو بر طرف کر دیا۔

ھ۔ بعض دوسرے افراد شاہ کی روز افزوں عسکری طاقت کو اس کی سر نگونی کی وجہ قرار دیتے ہیں، ان کا استدلال یہ ہے کہ شاہ کی روز افزون عسکری طاقت سے مغرب خطرہ محسوس کرنے لگا تھا لہذا انہوں نے شاہ کو سر نگوں کرنے کی سازش رچی تھی۔

مجلہ نیوز ویک [Nesw WeeK] نے تاریخ ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۴ ء کو لکھا: "امریکہ کے بعض صاحب نظر، ایران کو بے حد و مقدار اسلحہ فروخت کئے جانے پر تشویش میں مبتلا ہیں اور ان کے خیال میں امریکہ کیلئے شاید الٹا نتیجہ رکھتا ہو شاہ کی عسکری و فوجی طاقت دن بہ دن بڑھتی جارہی ہے"۔

ان کے خیال میں انقلاب سے قبل ایران دنیا کی پانچویں عسکری طاقت میں تبدیل ہونے جارہا تھا اور ایسی طاقت اسرائیل کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی ممکن تھا کہ فوج میں بغاوت کی بنا پر لیبیا و مصر جیسی صورتحال پیدا ہو جائے جیسا کہ قذافی لیبیا میں اور جمال ناصر مصر میں بر اقتدار آئے تھے ویسے ہی ایران میں کوئی فوجی کرنل اقتدار کو ہاتھوں میں لے لے اور ایسی عظیم طاقت کو اسرائیل کے خلاف استعمال کرے لہذا صیہونی لابی نے انقلاب نیز عراق و ایران میں جنگ شروع کر کے اپنے خلاف اس علاقہ کی دو عظیم طاقتوں کے خطرے کو ٹال دیا۔[۱۷]

و۔ بعض دوسرے صاحب نظر گروہ، سازش کو ۱۹۷۶ ء میں امریکی صدارتی الیکشن میں شاہ کی مداخلت سے مرتبط کرتے ہیں ،ان کے خیال میں شاہ نے امریکی صدارتی الیکشن میں جمی کارٹر کے حریف فورڈ کی حمایت میں کافی پیسے خرچ کئے تھے اور شاہ کا یہ عمل امریکہ کی سیاست میں دخل اندازی تصور کیا گیا، الیکشن میں کارٹر کی کامیابی کے بعد اس نے رد عمل کے طور پر شاہ سے انسانی حقوق اور سیاسی آزادی کا مطالبہ کیا۔ کارٹر کا یہ مطالبہ امریکہ و یورپ میں سیاسی جواز کے مطابق تھا، کیونکہ روس کا کمیونزم نظام برژنیف کی قیادت میں ترویج پارہا تھا خصوصاً افغانستان کمیونزم کے تسلط سے دوچار تھا۔

ایران کی حکومت میں استبداد اور ایرانی عوام کی شدید ناراضگی سے امریکہ و یورپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ایران پر کمیونزم نظام حاوی نہ ہو جائے لہذا وہ شاہ سے انسانی حقوق اور سیاسی آزادی کا مطالبہ کرنے لگے اور شاہ نے بھی کارٹر کو راضی کرنے کیلئے دو اہم عمل انجام دیئے:

۱۔کابینہ میں تبدیلی کرتے ہوئے وزیراعظم امیر عباس ہویدا کو معزول کیااور جمشید آموزگار کو یہ منصب سپرد کیا۔

۲۔ حکومت سے ناراض گروہ کے مقابل طاقت کے استعمال سے پرہیز۔

الف۔ سیاسی کنڑول کم کردینے کے بعد یعنی زیادہ سیاسی آزادی کی بناپر مخالفت وناراضگی کے آشکار اظہار میں اضافہ ہونے لگا تھااب تک وہ متوسط ومحتاط طبقہ جو ناراضگی کے اظہار کیلئے جرأت نہ رکھتا تھاوہ بھی میدان میں نکل آیا تھا۔

ب۔ بغاوت وشورش کے آغاز کے ابتدائی مراحل میں فوج کے استعمال سے پرہیز کئے جانے کی بناپر انقلابی تحریک روز بروز قوی ہوتی گئی۔

یہ دو اقدام عقلانی انتخاب اور تبدیلی کی تھیوری کے قالب میں انجام پائے تھے جس کی وجہ سے انقلاب کے نقصانات وموانع کم ہوگئے تھے۔انقلاب کی سوشیالوجی کے نظریات کے مطابق انقلاب کو آگے بڑھنے میں مدد ملی۔[۱۸] لہذا اچھی طرح درک کیا جاسکتاہے کہ امریکہ کے صدر اور اس کے مشیر شاہ سے کیاچاہتے تھے وہ بخوبی واقف تھے کہ اگر شاہ عنان حکومت کو تھوڑا ڈھیل دے اور شورش کے ابتدائی مراحل میں فوج سے کام نہ لے تو شورش طول پکڑتی جائے گی اور انقلاب میں تبدیل ہوجائے گی لہذا انسانی حقوق اور آزادی بہانہ تھاتاکہ شاہ عنان حکومت کو ڈھیل دے۔[۱۹]

نتیجہ

ایران کی موجودہ و گزشتہ سماجی وسیاسی تاریخ کو مدنظر رکھتے ہوئے ایرانی عوام کے حافظہ میں اس فکر کی تشکیل کی نوعیت کو درک کیا جاسکتاہے۔ایرانی عوام کی ذہنیت ماضی میں تاتاریوں، ترکوں،افغانوں اور منگولوں کے متعدد قبائلی حملوں اور ایران کی معاصر تاریخ میں آئینی تحریک اور شاہ کی آمد ورفت میں برطانیہ اور روس کے ہاتھ، تیل کے قومیائے جانے کی تحریک اور ۱۳۴۰،۳۹ھ ش (۱۹۶۱،۶۰ء) کے بحران میں امریکی مداخلت کی وجہ سے تشویش، شک اور بے اعتمادی کا شکار ہوگئی تھی اور اس ذہنیت نے ایرانی ملت کو تاریخی خود فریبی، سیاسی وسماجی خود بیگانگی کی طرف ڈھکیل دیا تھا،استبدادی حکومتیں بھی اپنی کمی، کمزوری وخیانت کو مخفی کرنے کیلئے تمام مشکلات کو اغیار واجانب کی طرف نسبت دیتی تھیں یعنی حکومت کی طرف سے سیاسی وقائع کے نشر ودرج کیلئے مانع ہونااور سینسر کرنا،ایران میں بیرونی طاقتوں کا سیاسی نفوذ کا سابقہ ریکارڈ نیز بین الاقوامی تاریخ وسماج میں تحقیق وجستجو کی فکر وخیال کے فقدان سے اس کلچر (سماجی باور) کی تشکیل میں کافی مدد ملی تھی۔[۲۰] لہذا معاشرہ کا سیاسی کلچر وثقافت تمام پہلوؤں میں

سازشی ذہنیت سے متاثر تھا لہذا سب سے پہلے اس باور سے مبارزہ ہونا چاہیے پھر اس نظریہ (سازش) کے طرفداروں کے آراء واستدلال کا جائزہ لینا چاہیے۔

اس اجتماعی و سماجی مشکوک ذہنیت کو اجتماعی حافظہ سے ختم کرنا بہت ہی دشوار و مشکل امر ہے اس کیلئے طویل مدت نیز حقیقت پسند محققین کی ضرورت ہے جو ایران کی ماضی و معاصر سیاسی تاریخ کا معتبر اسناد و مدارک کے ذریعہ ناقدانہ جائزہ لیں، تاریخ کی عدم تحقیق نیز سیاست و نظریات واقدار کی غلط سمت دہی۔۔۔ ایرانی عوام کیلئے تاریخی و ثقافتی بیگانگی کا سبب بنے ہیں اور حقیقت کو پس پردہ قرار دے رکھا ہے۔

انقلاب اسلامی سے متعلق نظریہ سازش

الف۔ اس نظریئے کے دستاویزی ثبوت نہیں ہیں

ایران میں امریکی سفارت سے ملنے والی دستاویزات میں تحریر ہے:

امریکی خفیہ ایجنسی C.I.A نے اگست ۱۹۸۸ ء میں ایران کی صورتحال یوں بیان کی کہ ایران انقلابی حالت سے دوچار نہیں ہے۔ اسی طرح ۲۸ ستمبر ۱۹۷۵ ء میں سی آئی اے نے اپنی خفیہ اطلاعات میں کہا کہ امید ہے کہ شاہ آئندہ دس سال تک محکم واستوار طریقہ سے عنان حکومت کو ہاتھوں میں لئے رہے گا۔ [۲۱]

ب۔ ان کے مفروضے بے بنیاد

مغرب میں کوئی بھی ایران کی صنعتی ترقی نیز جاپان کے مثل ترقی یافتہ ہونے کا توہم نہیں رکھتا تھا بلکہ اس کے برعکس مغربی حقیقت پسند تجزیہ نگار شاہ کے اقتصادی پروگرام کو غیر معقول و غیر حقیقت پسندانہ تصور کرتے تھے اور اگر مغرب کی سیاست دوسرے ممالک کو اقتصادی ترقی سے مانع ہوتی تو جاپان، جنوبی کوریا، تایوان، سنگاپور، ہانگ کانگ، ملائشیا، ترکی، اسپین اور دوسرے ممالک بھی ان کی سازش کا شکار ہوتے؟

۲۔ علمی زاویہ نگاہ (نظریاتی پشت پناہی کے ہمراہ)

۱۔۲۔۲ انقلاب کے سلسلہ میں علمی زاویہ نگاہ

اس قسم کے تجزیئے، انقلاب کی سوشیالوجی، سیاسی سوشیالوجی، سیاسی اقتصاد اور سیاسیات کے ماڈل و نظریات کے قالب میں اسلامی انقلاب کی تشریح کرنے پر قادر نہیں ہیں، بلکہ مدعی ہیں کہ انقلاب کے کلاسیک اور بڑے ماڈل، انقلاب ایران کے تعارف وشناخت کیلئے کافی نہیں ہیں۔ انقلاب کے مطالعہ و تحقیق کیلئے علمی روش کا انتخاب کیا جانا چاہیے انہوں نے سماجی وتاریخی واقعات کیلئے جدید روش شناسی سے استفادہ کرتے ہوئے و نظری تشریح کے ذریعہ انقلاب اسلامی کی علت کو اقتصادی ثقافتی، مذہبی مناظر میں کشف کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے اپنے تجزیئے میں ایک خاص سبب سے استناد کیا ہے اور دو واقعات کے مابین علّی رابطہ قائم کرکے دوسرے تمام عناصر کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ۲۲ ہر وہ نظریہ جو اپنے خاص سبب و مورد نظر کو اصل سبب کے طور پر پیش کرتا ہے وہ ضمنی طور سے دوسرے جنبی وتبعی اسباب کو نظرانداز کردیتا ہے۔

لیکن علت و معلول اور خاص اتفاقات کی علل کے روابط کے سلسلہ میں گفتگو کرنا اہم فعل ہے اگر ہم بہت گہرائی میں جائیں تو کہنا چاہیے جس طرح علوم طبیعی میں علت و معلول کے روابط قائم کرنا ممکن نہیں ہے اسی طرح سماجی علوم میں بھی ناممکن ہے، کیونکہ علیت کے رابطہ کے قیام کیلئے شرائط لازم کا تحقق انتہائی دشوار ہے۔ اس حالات کی بناپر محقق پابند ہوتا ہے کہ A علت B ہے کی عبارت کو ثابت کرنے کیلئے ثابت کرے کہ جہاں بھی A وقوع پذیر ہوگا B بھی لازماً وقوع ہوگا اور یہ وہ شرط ہے جو کبھی بھی پوری نہیں ہوسکتی ہے ایک علّی رابطہ کو برقرار کرنے میں علمی ضابطہ اس قدر دقیق ہے کہ لزوماً علّی شرائط کے متضمن مسئلہ میں نہایت احتیاط سے نزدیک ہونا چاہیے، درحقیقت مکالمات (تعلیلی) وعلمی تحلیلی کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ ہے۔

انقلاب کی سوشیالوجی کا محقق ''ناگل'' معتقد ہے کہ دو واقعات یا دو اشیاء کے مابین علّی رابطہ کیلئے چار شرائط کا حصول ہونا چاہیے۔

۱۔ رابطہ ثابت ولا تغیر ہو یعنی رابطہ کی جہت وسمت ہمیشہ ثابت ہو۔

۲۔ واقعہ و شئے کا فاصلہ بہت نزدیک ہو یعنی A کے فوراً بعد B واقع ہو۔

۳۔ علّی روابط زمانہ کے اعتبار سے ترتیب رکھتے ہوں یعنی A زمانہ کے اعتبار سے B سے قبل واقع ہو۔ اگر B پہلے واقع ہو تو B,A کیلئے علت ہے تو B ہمزمان A کیلئے علت واقع نہیں ہوسکتا۔ ناگل کے فارمولے کے مطابق واقعہ یا وقائع گزشتہ، بعد کے

وقائع کیلئے لازم وکافی شرط رکھتے ہوں یعنی عوامل میں سے معین مجموعے رویداد (معلول) سے قبل واقع ہوں اور دوسرا کوئی عامل بھی وقوع معلول کیلئے لازم نہ ہو، درحقیقت رویداد کے وقوع سے قبل دوسرا کوئی عامل بھی واقع نہ ہو، اس طریقہ سے کہ اگرBواقع ہوا ہوتوAاس سے قبل واقع ہو چکا ہو۔

لیکن اس لزوم وکفایت کا اثبات بہت ہی دشوار ہے۔ ناگل معتقد ہے کہ سماجی محققین بطور ندرت ایسی صورتحال میں قرار پاتے ہیں کہ اپنے زیر تحقیق واقعات کے وقوع کیلئے کافی شرائط کو بیان کر سکیں، اگر تمام تاریخی تشریحات کو نہیں توان میں اکثر کو ضرور بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ درحقیقت عینی وقائع کے سلسلے میں علوم طبیعی کی اکثر توضیحات، فقط بعض وقائع کی تشریح کیلئے ضروری ولازم شرط رکھتی ہیں۔ ۲۳

ڈنیل لیٹل، سماجی علوم کی تشریح میں، علت کی وضاحت میں رقمطراز ہے:

تحولات میں علیت کی بحث اس وقت کامل ہے جب علّی حصول کی بھی وضاحت کی جائے اسی بناپر سماجی علوم میں علّی استدلالات کا اہم رکن، علّی سازوکار کے وجود پر اعتقاد ہے یعنیCکوEعلت متصل کرتا ہے یہاں پر علیت، استقرائی نظم، کے معادل کے طور پر پہچانا جاتا ہے یہاں پر شرط لازم وکافی مساوی ہے دو متغیر کے مابین استقرائی نظم کا کشف، ان دو کے درمیان علّی رابطہ کے وجود پر قرینہ ہے لیکن اس کا رابط معاشرہ میں ہمیشہ علّی سازوکار میں ظاہر ہوتا ہے جیساکہ یہ علّی سازوکارCکوEسے متصل کرتا ہے اس صورت میں کہا جاسکتا ہے کہC,Eکیلئے امتداد وقوع یا احتمال وقوع کو خلق کرنے والا ہے۔ یہ علت کیلئے کافی ولازم کی شرط کے نظریہ کو بیان کرنے کیلئے عام ترین بیان ہے۔

۱۔۱۔۲۔۱ اقتصادی زاویہ نگاہ

سماجی تحولات پر اقتصاد کے اثرات کی نظریاتی بحث، کارل مارکس کی تنقیدی سوشیالوجی سے شروع ہوئی، مارکس کے نظریہ کے مطابق انقلابات طبقاتی تعارض کا نتیجہ ہیں، کیونکہ محروم زیر تسلط طبقے کے حاکم طبقہ کے مفادات سے تعارض رکھتے ہیں۔ لہذا ماڈرن سماج ومعاشرہ میں انقلاب ناگزیر ہے، مارکس کا نظریہ یہ تھا کہ مزدور طبقہ نہ صرف یہ کہ زیر تسلط طبقہ ہے بلکہ معاشرہ کو اجتماعی مفادات کے محور پر یکجا وآمادہ کرنے کیلئے لازم طاقت رکھتا ہے۔ لہذا وہ سماجی تغیر جو مزدور طبقہ کے انقلاب کے ذریعہ پیدا ہو وہ سوشلزم نظام کی طرف ایک بڑھتا قدم ہے جس کا نتیجہ کمیونزم نظام ہے، وہ تغیر وتحول خود مزدور طبقہ کے مفادات کے حصول کیلئے نہیں ہے، مارکس کی نظر کے مطابق وہ اشتراکی نظام (کمیونزم) جو بشری سماج ومعاشرے کی عظیم ترین منزل ظہور ہے ایک مساوات طلب نظام ہے جو کہ ہر فرد سے اس کی صلاحیت کے مطابق کام لیا جانا چاہیے اور ہر فرد کو اس کی ضروریات کے مطابق دیا جانا چاہیے، کے

اصول پر قائم ہے۔ فقط اس روش وطریق کے ذریعہ مزدور طبقہ اپنے انقلابی فرض کو ادا کر سکتا ہے اور آئیڈیالوجی کی بنیاد پر استفادے کی تمام صورتوں کو کالعدم قرار دے کر مزدوروں کو گائیڈ لائن فراہم کر سکتا ہے اور ان کو منظم کر سکتا ہے۔٢٥

اس نظریئے کے، کہ جو اقتصادی مشکلات کو انقلاب اسلامی کے ظہور و آغاز کا اصل سبب قرار دیتا ہے، دو گروہ قائل ہیں:

ا۔ایرانی اور مغربی ارباب قلم

٢۔ایران میں بائیں بازو کی سیاسی جماعتیں (مارکسسٹ وماؤئسٹ)

گروہ اول کے نظریہ کی اساس ١٣٥٢ھ ش (١٩٧٣ء) میں پٹرول کی قیمت چار برابر ہونے پر ہے ان مصنفین کی نظر کے مطابق پٹرول کی آمدنی میں اچانک اضافے کی وجہ سے شاہ نے بعض ناقابل عمل اقتصادی پروگرام دوسرے پہلوؤں پر توجہ کئے بغیر شروع کر دیئے تھے کہ یہ اقتصادی پروگرام ١٣٥٠ھ ش (١٩٧١ء) کے عشرے کے وسط میں آثار ظاہر کرنے لگے تھے جیسے افراط زر، اقتصادی مشکلات، حکومتی اداروں کے بے حد وحساب اخراجات، مارکیٹ میں سامان کا مہیا نہ ہونا، بنیادی واساسی خدمات کا ناپید ہو جانا۔۔۔ شاہ نے ان مشکلات سے مقابلہ کیلئے ایک افراط زر کے خلاف پروگرام شروع کیا کہ خود یہ پروگرام عمومی ناراضگی کا سبب بنا لہذا اقتصادی پروگرام کی شکست ایک سیاسی بحران میں تبدیل ہوگئی اور سماج ومعاشرے میں عمیق اضطراب وناراضگی ظہور پذیر ہوئی، نجاش، نیکی کدی، اور ماڈرنائزیشن علت کے علاوہ اقتصاد پر تاکید کرتے ہیں، بعض تجزیہ نگار دیہاتوں سے شہروں کی طرف مہاجرت کو جو ناقابل عمل اقتصادی پروگرام کا نتیجہ تھا، سماجی ومعاشرتی ناراضگی وشورش کی علت تصور کرتے ہیں ان ارباب قلم کا استدلال یہ ہے کہ دیہاتوں کے مہاجرین شہری افراد کے مقابل دو جہت سے خود کو کمتر تصور کرتے تھے ایک آمدنی دوسرے شہروں، دیہاتوں کی معیار زندگی میں شدید اختلاف، لہذا دیہاتوں سے شہروں کی طرف نقل مکانی کرنے والے سماجی وثقافتی خود وبیگانگی کا شکار تھے یعنی اقتصادی مشکلات نے انہیں ٧٥ء ١٣٥٦ھ ش (٧٨-١٩٧٧ء) میں آتش فشان میں تبدیل کر دیا تھا۔٢٦ اس نظریہ کے اہم ترین قائلین ذیل کے افراد ہیں:

ا۔ا۔رابرٹ لونی

ایران کے انقلاب کو اقتصادی اسباب کا نتیجہ قرار دینے والی کتابوں میں سے ایک رابرٹ لونی کی کتاب ''ریشہ اقتصادی انقلاب اسلامی'' ہے۔٢٧ وہ اس کتاب میں ایران کی اقتصادی ترقی کی حکمت عملی کا جائزہ لیتے ہوئے اس نتیجہ کا اظہار کرتا ہے کہ ان اسٹریٹیجک منصوبوں کا اجراء سیاسی وسماجی اصلاحات کے بغیر کامیاب نہ ہو سکا اور حکومت ناانصافی کی بنا پر عوامی ناراضگی کو جو اجتماعی تحرک کا سبب بنی تشخیص دینے میں ناکام رہی، اقتصادی ترقی کے پروگرام میں، ترقی کے اہداف وپروگراموں کے ارتباط اور پالیسی

سازی کی بنا پر مشکلات جو صرف پروگرام وترقی کی پالیسی وثبات کو ادغام کر کے حاصل کی جا سکتا تھا توجہ نہیں کی جارہی تھی بلکہ افراط زر کو تھوڑی مدت کی مشکل تصور کرتے ہوئے قابل حل سمجھا جارہا تھا، لیکن اقتصادی مشکلات میں شدت پیدا ہو جانے کے وقت معالجاتی کرنٹ سے استفادہ کیا جاتا جو طبیعی طور سے استحکام کے منافی تھا، ان ایام میں اقتصادی تحولات کے مابین روابط اور حکومت سے عوامی حمایت کی کمی آشکار ہو گئی تھی اور آمدنی کی غیر عادلانہ تقسیم وسیع عمومی ناراضگی میں تبدیل ہو چکی تھی۔

۲۔۱۔ہمایوں کاتوزیان

ہمایون کاتوزیان کتاب ''اقتصاد سیاسی ایران''۲۸ میں انیسویں صدی سے جمہوری اسلامی کی تشکیل تک کی، ایران کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اسلامی انقلاب کے سلسلہ میں ایک تشریح پیش کرتا ہے۔ وہ ۵۷۔۱۳۴۰ ھ ش(۷۸۔۱۹۶۱ ء) کے عرصہ کو استبداد پٹرول کے عنوان سے یاد کرتا ہے، اس دوران میں تجدد وماڈرنائزیشن کے بعض عناصر جو پٹرول کی آمدنی سے تغذیہ ہو رہے تھے، وہ مغرب کی تقلید کرتے ہوئے ایران کی روایتی تہذیب واقدار کی نفی وتحقیر، کلچرل خود بیگانگی کے شکار تھے بیگانہ تہذیب کیلئے شوق واشتیاق ظاہر کرنے والے اکثر شہری ومتوسط طبقہ میں تھے پٹرولیم کے استبداد نے انقلاب ایران کیلئے گہری بنیادیں بنادیں، لہذا ان کے نظریہ کے مطابق انقلابی تحریک استبداد، تجدداور ماڈرنائزیشن کی مخالف تحریک ہے۔

کاتوزیان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایران کی حکومت ومعاشرے کی صورتحال وساخت مغرب سے بالکل متفاوت ہے ایران میں حکومت کو مطلق کا عنوان نہیں دیا جا سکتا جبکہ ایران کی حکومت ڈکٹیٹر واستبدادی تھی کسی بھی قانون معاشرہ وتہذیب کی پابند نہ تھی پٹرول کی آمدنی پر حکومت کا مطلق تسلط اور ایرانی معاشرہ کا ایسی تہذیب سے عدم سابقہ انقلاب کی تشدید کا سبب بنا، معاشرہ سماجی طبقات سے خالی تھا اور حکومت بھی پٹرول کی آمدنی پر انحصار کرنے کی بنا پر عوام سے الگ تھلگ تھی۔۲۹

نتیجہ

اس زاویہ نگاہ میں اقتصادی صورتحال کی اہمیت وکردار کی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ ثقافتی ونفسیاتی اسباب اجاگر نہیں اور معیار کی تشریح میں کوئی مقام نہیں رکھے ہیں۔

۱۔ انقلاب ایران کے واقعہ میں صرف اقتصادی پہلو پر توجہ کی گئی ہے اور سماجی صورتحال، اعتقادی (مذہب) وقیادت کے کردار پر کوئی توجہ نہیں کی گئی ہے حالانکہ بہت سے ممالک جیسے نیجریا سعودی عرب میں حکومت کی نوعیت کاملاً استبدادی اور پٹرول کی آمدنی پر منحصر (پٹرولیم استبداد) ہے لیکن انقلاب سے دوچار نہیں ہیں اور اس طرح زیادہ حکومتیں ہیں جن کی ایران جیسے اقتصادی

حالات ہیں اور سرکوبی میں مشغول ہیں اور ایک خاص جماعت و تھیوری سے اتحاد کر کے اپنی جواز حاصل کرتے ہوئے ناراضگی کو انقلاب میں تبدیل ہونے نہیں دیتی ہیں۔

۲۔ اقتصادی محققین کی تحقیقات اور حکومت شاہ کے آخری سالوں کے اعداد وشمار واطلاعات کے مطابق، ایرانی عوام کی اقتصادی صورتحال خراب نہ تھی بلکہ بیشتر و بہتر ہوگئی تھی۔

گروہ دوم: ایران میں بائیں بازو کی سیاسی جماعتیں

یہ جماعتیں انقلاب اسلامی کے تجزیہ میں مارکسی نظریات سے متاثر ہیں اور اس کے تناظر میں انقلاب اسلامی کی تشریح کرتی ہیں، انقلاب کی کامیابی میں اقتصاد کو ناگزیر سبب کے طور پر پیش کرتی ہیں۔

بائیں بازو کی سیاسی جماعتیں، انقلاب اسلامی کے ظہور وآغاز کی نوعیت کے تجزیہ میں دو اسباب خارجی وداخلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقتصاد سے مرتبط سمجھتی ہیں۔

۱۔۲۔۲ فدائیان خلق

اس جماعت کی نظر میں انقلاب کا آغاز اس وقت ہوا جب حکومت ۱۳۵۶ ھ ش (۱۹۷۷ ء) میں میونسپلٹی تہران شہر کے اطراف میں غیر قانونی بنے ہوئے مکانات کو خراب کرنا چاہتی تھی۔ اس گروہ کی نظر میں خارجی سبب کا اصلی محور امپیریل ازم کے کیمپ میں عمومی خلفشار ہے جس کے نتیجہ میں ایران کے سرمایہ دارانہ نظام میں بھی بحران لازمی تھا، اس جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ ایران میں انقلاب کا آغاز سرمایہ دارانہ نظام کے بحران کا ہم عصر تھا چونکہ ایران کا اقتصاد مغرب سے وابستہ تھا، لہذا اس بحران کا منفی اثر ایران کی اقتصادی صورتحال پر بھی پڑا جس کے نتیجے میں اقتصادی مشکلات میں مزید اضافہ ہوا اور عوامی بدحالی کی بناپر حکومت سے عوام کی ناراضگی کا باعث بنا۔

تجزیہ

۱۔ بنیادی طور سے شاہ سے عوامی ناراضگی ۱۳۵۶ھ ش (۱۹۷۷ء) میں محدود نہیں ہے بلکہ گزشتہ چند عشروں سے مرتبط ہے جیسے ۳۲ و ۱۳۳۳ھ ش (۵۳ ۔ ۱۹۵۴ء) میں پٹرول کے قومیائے جانے کی تحریک اور ۱۵ خرداد ۱۳۴۲ھ ش (۵ جون ۱۹۶۳ء) کے واقعات۔۔۔

۲۔ مغربی سرمایہ دارانہ نظام یا بقول ان کے امپیریل ازم کا کیمپ اقتصادی بحران سے دوچار نہیں تھا بلکہ زیادہ پیداوار کی بنا پر فراز ونشیب کا شکار تھا اور یہ صورتحال ۱۳۵۶ھ ش سے مخصوص نہیں بلکہ اس سے قبل وبعد کے عرصہ میں بھی نظر آتی ہے حالانکہ سرمایہ دارانہ اقتصاد کی بنیاد مقابلہ پر استوار ہے۔

۲،۲،۲ مجاہدین خلق (منافقین)

یہ گروہ انقلاب کے ظہور وآغاز کو ۱۳۵۶ھ ش میں فقر، غربت اور محرومیت کو داخلی اسباب اور امریکی صدر کارٹر کی انسانی حقوق کی پالیسی کو خارجی اسباب کے طور پر پیش کرتا ہے۔

اس گروہ کی نظر میں انسانی حقوق کی پالیسی ایک سازشی منصوبے کے تحت عمل میں لائی گئی تھی انسانی حقوق کی سیاسی چال، ویتنام میں امریکی شکست کے بعد چلی گئی تھی تاکہ امریکی امپیریل ازم کی مفادات کی حفاظت کی جاسکے حالانکہ اس سے قبل امریکہ دنیا میں ڈکٹیٹر حکومتوں کی حمایت کر کے اپنے مفادات کو حفظ کیا کرتا تھا لیکن ویتنام کے تجربہ نے امریکہ کی سیاسی چال میں تبدیلی پیدا کردی تھی کیونکہ ڈکٹیٹر حکومتوں کی حمایت سے مختلف انقلابی تحریکیں وجود میں آرہی تھیں اور بہت سے ممالک میں انقلاب ظہور پذیر ہورہا تھا لہذا امریکہ نے اپنے زیر تسلط ممالک میں انقلابات کا مقابلہ کرنے کیلئے انسانی حقوق کے قالب میں نئی پالیسی کا آغاز کیا لیکن یہی پالیسی انقلاب کا پیش خیمہ بنی۔

تجزیہ

مذکورہ نظریہ کی بنیادی مشکل یہ ہے کہ انسانی حقوق کی پالیسی ایک سازش کی معلول نہ تھی بلکہ امریکہ کے معاشرہ کی سیاسی وسماجی حقیقت کے قالب میں تجزیہ وتحقیق کے قابل ہے اگر امریکہ ویتنام کے تجربہ کی بنیاد پر ڈکٹیٹر حکومتوں کی حمایت نہیں کرنا چاہتا تھا اور انسانی حقوق کی پالیسی کا خواہاں تھا تو امریکہ کے دوسرے صدر رونالڈ ریگن یہ پالیسی کالعدم کیوں قرار دے دی اور وسیع سطح پر ڈکٹیٹر حکومت کی حمایت کی جانے لگی تھی۔

۳،۲،۲ تودہ پارٹی

ایران میں ظہور انقلاب کے علل کے سلسلہ میں اس پارٹی کے تجزیئے کا بنیادی محور اقتصادی صورتحال خراب ہونے کی بنا پر مزدور طبقہ کا ردعمل ہے اس پارٹی کی نظر میں ۱۳۵۶ھ ش (۱۹۷۷ء) میں مزدور طبقے کا یہ ردعمل پورے ایرانی معاشرے میں پھیل چکا تھا اور معاشرے کے دوسرے طبقات بھی اس تحریک میں شریک ہوگئے تھے جس کے نتیجے میں شاہی نظام صفحہ ہستی سے نابود ہوگیا تھا، یہ پارٹی دوسرے بائیں بازو کی جماعتوں کی طرح، عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے بحران کو انقلاب اسلامی ایران کا خارجی سبب

جانتی ہے، یہ پارٹی مذکورہ موارد کے علاوہ، انقلاب افغانستان اور ایران کے مسائل میں عدم مداخلت کیلئے امریکہ کو روس کے الٹی میٹم کو موثر سمجھتی ہے۔

تجزیہ

اس سے قبل جو اعتراض اقتصادی نظریہ پر وارد ہوا ہے اس زاویہ نگاہ پر بھی وارد ہے اور خارجی سبب کے کردار کے سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ:

۱۔ انقلاب کے دوران میں روس کا سیاسی موقف محتاطانہ رہا ہے البتہ جب شاہی نظام کی عمر ختم ہو چکی تھی انقلاب اسلامی کی حمایت میں بیان جاری کئے گئے، اس کے علاوہ ایک دہائی تک ایران میں امریکی مداخلت آشکار ہے اسے روس نے کیونکر برداشت کیا تھا۔

۲۔ ایران کا انقلاب جو دینی و مذہبی تھیوری پر کامیاب ہوا اس کا کمیونزم انقلاب اور مارکسزم و لینن ازم تھیوری سے الہام لینا قابل فہم نہیں ہے۔

۴۔۲۔ سوشلٹ مزدور پارٹی

ماؤازم کی طرف مائل یہ جماعت مزدوروں کا نہیں بلکہ کسانوں کا کمیونزم انقلاب برپا کرنے، انقلاب کا آغاز دیہات سے کرنے اور اس کا دائرہ شہروں تک پھیلانے کی قائل تھی، یہ پارٹی دوسری جماعتوں کی مانند ایران میں انقلاب کی اصل علت اقتصادی مسائل اور سرمایہ داری کے بحران کو بتائی ہے، اس جماعت کی نظر میں عالمی سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے بحران کے نتیجے میں ایران کے اقتصادی بحران میں شدت پیدا ہوئی اور افراط زر میں ۳۰ فیصد کا اضافہ ہوا، امپیریل ازم مراکز (مغرب) سے درآمد شدہ سامان کی قیمت پٹرول کی قیمت سے کہیں زیادہ ہو گئی، خواتین کی آزادی کے سلسلہ میں شاہی نظام کا پروپیگنڈہ شرمناک جھوٹ تھا، اگرچہ بعض عورتوں قانونی امتیازات کا دیئے گئے اور اس صنف پر ظلم و ستم کے قوانین کو تبدیل کیا گیا لیکن سسٹم کا متحول نہ ہوا، مستضعف و محروم طبقہ کو وحشیانہ ظلم و ستم کا شکار بنایا گیا ان کے لسانی و تہذیبی حقوق پامال کئے گئے اور انہیں فارسی زبان ایرانیوں کو دوسرے درجے کا شہری جانا گیا۔۔۔

چونکہ اکثر زراعت پیشہ مظلوم افراد تھے اور قومی ظلم و ستم و استثمار کے شکار ہوئے تھے اور یہ نچلے طبقے کے افراد خالی ہاتھ اپنی زمین سے راندے گئے اور شہروں کی طرف نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔۔۔ یہ تمام حقائق اس نظریہ کی نفی کرتے ہیں کہ ایران

پٹرول کی آمدنی کے ذریعہ ایک اقتصادی قطب میں تبدیل ہو رہا تھا بلکہ اس کے برعکس پٹرول کی آمدنی نے اقتصادی تضاد جو امپیریل ازم کے تسلط کی وجہ سے باقی رہ گئے تھے اور زیادہ ہو گئے تھے۔

یہ جماعت امپیریل ازم (امریکہ) کے اقتصادی بحران اور انقلاب اسلامی پر اس کے اثرات کے بارے میں تحریر کرتی ہے:

عالمی اقتصاد کے بحران کی وجہ سے حکومت نے تجارت ٹیکس اور بینک کے مفادات کے نرخ میں اضافہ کر دیا اور امپورٹ کے قوانین میں نئی پالیسی اختیاری کی کہ جس کا فائدہ صرف امپیریلسٹوں اور شاہ کے پچاس خاندان والوں کو پہنچا جو اقتصادی مراکز پر قبضہ کئے ہوئے تھے۔

تجزیہ

اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ عالمی امپیریل ازم اقتصادی بحران کا شکار تھا اور شاہ کی حکومت نے امپیریل ازم کو اقتصادی بحران سے نجات کیلئے اقدام کئے اور ایران کی اقتصادی حالت (اگرچہ خود بحران سے دوچار تھی) عالمی اقتصاد کو نجات دینے کے قابل بھی تھی مگر تجارت میں ٹیکس کا اضافہ، منافع کے نرخ میں اضافہ، امپورٹ میں مزید ٹیکسوں کا اجراء کیسے عالمی سرمایہ داری نظام کے بحران کو نجات دینے میں مددگار ہوا حالانکہ یہ پروگرام امپورٹ میں کمی واقع کرنے والے ہیں اور سرمایہ داروں کے منافع کو زیادہ کرنے کے بجائے کم کرتے ہیں۔ ۳۰

انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں اقتصادی نظریات کا تحقیقی جائزہ

اقتصادی تجزیئے پر ہونے والے بعض اعتراضات حسب ذیل ہیں:

ا۔ اس زاویہ نگاہ کے مفروضات واستدلالات اکثر بائیں بازو کے ارباب قلم نے پیش کئے ہیں اور زیادہ حد تک مارکس کے سماجی وتاریخی واقعات کے تجزیاتی معیار سے متاثر ہیں، مارکس کے معیار، نظری، مبانی، اصول ومفروضات کے اعتبار سے اشکال رکھتے ہیں، اس کے عظیم حصوں پر ۵۰ و ۶۰ کی دہائیوں میں نیومارکسسٹ وجدید بائیں بازو اور فرانکفورٹ کے دانشوروں نے تنقید اور ان پر نظر ثانی کی ہے، تاریخ کے سلسلہ میں مارکسزم زیادہ تر یورپ کے سیاسی واقتصادی حالات کی تاریخ کے تجزیئے پر مشتمل ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کے اضمحلال اور محروم ومزدور تحریک کی رشد کے سلسلہ میں سیر تکوینی انیسویں صدی کے خاص حالات سے متعلق ہے لہذا ایک نظری معیار کو جو ایک خاص معاشرہ وعصر کیلئے پیش کیا گیا ہے اس کو تمام اعصار ومعاشرے کیلئے تعمیم دینا ایک غیر علمی غیر

صحیح و غیر تاریخی عمل ہے، کیونکہ تمام سماج اور معاشرے اپنے حالات کے اعتبار سے خاص قاعدے و قانون کے حامل ہیں محقق کو چاہیے کہ سماج کی ثقافت و تاریخ کو درک کرتے ہوئے ناقدانہ جائزہ لے، اسی طرح ایک جدید تحقیقی معیار کی ضرورت ہے جو ایرانی عوام کی ثقافتی روح کے مطابق ہو اور انقلاب اسلامی کی علمی تشریح و تفسیر میں معاون ثابت ہو۔

۲۔ انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں اقتصادی زاویہ نگاہ کے طرفدار افراد، مادی اسباب پر اغراق آمیز تاکید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ایک سبب پر معمول سے کہیں زیادہ اصرار، سماجی علوم کی تحقیقاتی روش شناسی کے اعتبار سے ایک غیر علمی امر ہے (جیسا کہ عرض کیا گیا) کیونکہ تاریخی و سماجی واقعات کی تکوین و ظہور میں متعدد اسباب رکھتے ہیں، ایک خاص سبب پر تاکید ایک قسم کی یکطرفہ و نگاہ کے مترادف اور تاریخ کے عمیق فہم سے انحراف ہے۔

۳۔ اقتصادی ارباب نظر انقلاب کی اصل علت کو حکومتی اداروں میں اسراف، رشوت، مالی بد عنوانی، افراط زر، اشیاء کی کمی اور اقتصادی بد حالی کی وجہ سے، عوامی ناراضگی کو پیش کرتے ہیں، حالانکہ دوران انقلاب (خصوصاً ۵۰ کی دہائی) کے زیادہ تر شواہد و قرائن شاہ سے عوامی مطالبہ کو سیاسی و مذہبی بیان کرتے ہیں۔

فرد ہالیدی اور رابرٹ گراہام کے تحقیقی و غیر حکومتی اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے ایرانی عوام کی اقتصادی صورتحال بد حالی سے دوچار نہیں تھی بلکہ پٹرول کی آمدنی میں اضافہ کے باعث ایک قسم کی عیش کوشی خصوصاً بڑے شہروں میں مشہود تھی، جریدہ تہران اکنانومسٹ لکھتا ہے:

تنخواہ اور مزدوری میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے، یہ اضافہ اس قدر غیر معمولی ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹے کے سامنے اپنی کمائی کو بیان کرنے میں شرم محسوس کرتا ہے۔ عوام کی توقعات میں اضافہ ہو رہا ہے، وہ فرد جو اس سے قبل پنیر روٹی پر اکتفا کرتا تھا اب وہ کباب و چاول سے کم پر راضی نہیں ہوتا ہے! آج کل ایک عام مزدور کی خواہش ہے کہ اپنی ذاتی کار سے کام پر جائے۔

۴۔ انقلاب اسلامی کیلئے اقتصادی تجزیئے کی جانب داری کرنے والے افراد (خصوصاً بائیں بازو کے سیاسی گروہ) اپنے زاویہ نگاہ و نظریات کو ثابت کرنے کیلئے اعداد و شمار سے کمتر استفادہ کرتے ہیں ان کی تشریح و تفسیر اکثر اجمالی اور مبہم ہے جیسا کہ لوگ انقلاب کی کامیابی کی ابتدا میں انقلاب کے احساسات سے متاثر ہو کر نعرے لگایا کرتے تھے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے عوام کی اقتصادی صورتحال خراب ہو گئی تھی، اقتصادی بحران سے بے روزگاری میں اضافہ ہو گیا تھا، طبقاتی فاصلے زیادہ ہو گئے تھے۔ [۱۳]

۲،۱،۲، دینی و مذہبی نظریہ

نظریہ کی قدمت و تاریخ

انقلاب کے بارے میں ویبر کا نظریہ مارکسزم کے نظریئے کے بر خلاف عقائد کے کردار اور افراد کے اعمال پر ان عقائد کے اثر ڈالنے کی تاکید کرتا ہے، مارکس کی نظر کے بر خلاف، ماکس وبر کی نظر میں حاکم طبقہ کا محروم و کمزور طبقہ سے فائدہ اٹھانا فی نفسہ، علّی نہیں ہے بلکہ معاشرے کے افکار و نظریات میں معنی رکھتے ہیں، ویبر کی فکر و نظر میں دین و عقیدتی نظام ادراک کی نوعیت پر بھی اثرات ڈالتا ہے اسی بنا پر مغربی سماج میں جہاں بھی پروٹسٹنٹ حاکم ہیں اور مزدور طبقہ پروٹسٹنٹ مذہبی تعلیم کی بنیاد واقدار (زیادہ کام و کوشش، قناعت، فردیت، سرمایہ جمع کرنا) پر شکل پذیر ہے، سماجی انقلاب کے ظہور کا احتمال کم ہے، ویبر کی نظر کی مطابق سماج و معاشرے میں عمل یابی عملی میں افکار و نظریات کا کردار متفاوت ہے۔ ۳۲

چونکہ ہر انقلاب ہمیشہ دوسرے انقلاب جیسا نہیں ہوتا ہے اور انقلابات مشترکات رکھتے ہوئے آپس میں کافی فرق بھی رکھتے ہیں، ہر انقلاب میں ایک طرف کچھ متغیر (عامل) اور دوسری طرف کچھ متغیروں کی خاص ترکیب (عوامل) ہوتی ہے اور ہر متغیر (عامل) ہر انقلاب میں عام طور سے مختلف کردار و مقام رکھتا ہے۔

مذہب بھی کچھ حالات کے تحت ایک انقلاب کے ظہور و آغاز میں کردار ادا کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا ہے، یہ تو اس خاص انقلاب سے متعلق اور وابستگی رکھتا ہے۔ اگر ہم (زنجیر کی کڑیوں کی طرح) مختلف مراحل کا حامل ہونے والے پروسس کی حیثیت سے انقلاب پر نظر ڈالیں تو ممکن ہے ہر انقلاب میں مذہب کا کردار مختلف مراحل کے طور پر موجود ہو، ایک انقلاب کے ابتدا میں، دوسرے انقلاب کے وسط میں، تیسرے انقلاب کے آخری مرحلہ میں ایک انقلاب میں اکثر مراحل میں اس کا کردار ہو اور دوسرے انقلاب میں کسی مرحلے میں بھی اس کا کردار نہ ہو۔

ایک انقلاب میں مذہب کا کردار عام طور سے آئیڈیالوجی (عقیدہ)، قیادت اور انقلاب کی تشکیل ہے اگرچہ ایران کے انقلاب میں یہ کردار موثر طریقہ سے ادا کیا گیا ہے لیکن یہ کارکردگی دوسرے حالات میں دوسرے کے تحت کمتر تاثیر رکھتی ہے جیسے روس و چین کے انقلابات۔

گلداسٹون، انقلاب کے مختلف مراحل میں آئیڈیالوجی کے متفاوت عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انقلابی تحریک کے درج ذیل تین مراحل بیان کرتا ہے:

۱۔انقلاب سے قبل کامرحلہ،

۲۔انقلاب کامرحلہ،

۳۔اقتدار کے استحکام یاانقلاب کے بعد کامرحلہ۔

پہلے مرحلہ میں ممکن ہے کہ آئیڈیالوجی کا نیاپن، عوام پر مادی دباؤ کے جواب میں ایک سماجی بحران پیدا کرے اور دوسرے وقت یعنی طاقت کے خاتمے کے وقت آئیڈیالوجی کی خلاقیت بہت زیادہ اہمیت پیدا کرلے اور اپنی سعی و تلاش کو پایہ تکمیل تک پہنچائے اور استحکام اقتدار قدرت (انقلاب کے بعد) کے مرحلہ میں ثقافتی وآئیڈیالوجی نمونہ ومعیار ممکن ہے مادی نیز ثقافتی امکانات (رشد) پر غلبہ حاصل کرلے اور مادی وثقافتی رشد سے مانع ہو۔

انقلاب اسلامی میں مذہبی نظریہ

ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد بعض دانشوروں نے انقلاب کے رونماہونے میں مذہب کے کردار کو پیش کیاہے۔ گری ولکلن کاگمان ہے کہ ۱۹۸۰ ء کی دہائی میں مختلف انقلابی تحریکوں میں جیسے ایران، شمالی امریکہ، ایرلینڈ، لبنان میں مذہب اپنے نمایاں کردار ایک جامع اجتماعی واقعے کے عنوان سے اجاگرہواہے جو صرف اقتصادی وسیاسی، عسکری پہلوؤں کا حامل نہیں بلکہ تمام ہنری، ثقافتی اور مذہبی پہلورکھتاہے۔ ۳۳

مذہب اوراس کے انقلاب اسلامی سے تعلق کے سلسلہ میں اہم نظریات درج ذیل دو محوروں پر متمرکز ہیں:

۱۔ وہ ارباب نظر جو سماجی ومعاشرتی حالات میں مذہب کے کردار کاانکار کرتے ہیں ان کی فکر یہ ہے کہ مذہب معاشرے کو حرکت میں لانے اور انقلاب برپاکرنے کی طاقت وتوانائی نہیں رکھتاہے، بائیں بازو کی سیاسی جماعتیں مارکسزم کے نظریہ سے متاثر ہو کر بنیادی وفرعی اسباب کی بحث کرتے ہوئے مذہب، ثقافت، عقیدہ، اقدار، سماجی وسیاسی رفتار کو فرعی اسباب اور پیداواری طاقت، اقتصاد مالکیت اوراس معاشرے پر حاکم پیداواری تعلقات وغیرہ کوبنیادی اسباب جانتے ہیں، نتیجتاً انقلاب اسلامی کیلئے بنیادی سبب کے طور پر اقتصاد کو پیش کرتے ہیں جو کلیدی کردار رکھتاہے اور دوسرے ثقافتی وسماجی اسباب اور مذہب کو اقتصاد سے متاثر تصور کرتے ہیں۔

مغربی ارباب قلم بھی قرون وسطیٰ کے تجربات اور صنعتی انقلاب سے متاثر ہو کر جو ماڈرن سماج اور سیکولرزم کے پروان چڑھنے کا سبب بنا جس کے نتیجہ میں سیاسی وسماجی زندگی میں مذہب اپنی عظمت وکارکردگی کھوبیٹا تھا، ایران کے سلسلہ میں بھی جدید

سماجی واقتصادی حالات کو جو بیسویں صدی کے اوائل (پہلے اور دوسرے پہلوی بادشاہ) کے زمانے سے شروع ہوئے مذہب کے بارے میں وہی تصور رکھتے ہیں اور سیاسی وسماجی تبدیلی میں مذہب ودین کی موثر نہ ہونے کے قائل ہیں۔۳۴

۲۔ دوسرا گروہ جو انقلاب میں مذہب کے کردار کا قائل ہے، اس کی مزید دو اقسام ہیں:

۱،۲، وہ شخصیات وافراد جو مذہب انقلاب کا واحد سبب جانتے ہیں وہ انقلاب میں مذہب واسلام کے علاوہ کچھ اور تصور نہیں کرتے، انقلاب مذہب کیلئے ہی تھا، ان کے تجزیئے کے مطابق عوام کی ناراضگی و مخالفت اور شاہ کے خلاف انقلاب اسی لیے تھا کہ اس نے اسلام کو پامال کر دیا تھا، یہ شاہ کی اسلام مخالف پالیسی کو اس کے زوال کا اصل وبنیادی سبب بتاتے ہیں۔۳۵

اس زاویہ نگاہ کی روشنی میں انقلاب کی جڑیں اقتصادی ومادی اسباب میں جستجو نہیں کرنا چاہیے، بلکہ انقلاب اسلامی کے علل کو مذہبی وثقافتی اسباب میں دیکھنا چاہیے اس نظریئے کے حامل ارباب قلم، انقلاب ایران کی روح وفکر کو صرف مذہبی ودینی قرار دیتے ہیں اور صحیح فہم کیلئے مذہب وقیادت کی تھیوری آئیڈیالوجی کے کردار کی تحقیق وتجزیئے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اس نظریئے کے اہم ترین قائلین حسب ذیل ہیں:

۱،۱،۲، علی دوانی

آپ اپنی کتاب " نہضت روحانیون ایران"۳۶ میں ایران کے شیعہ علماء کی مجاہدت ومبارزت کی تاریخ کی تحقیق کرتے ہوئے قائل ہیں کہ انقلاب اسلامی تمام گزشتہ تحریکوں کا نتیجہ ہے اور ڈکٹیٹر شاہ کے سقوط کی علت، اسلامی نعرہ پر تمام ایرانی عوام آمادہ ہو کر شاہ کی مخالفت کرنا تھی۔

۲،۱،۲، عباس علی عمید زنجانی

یہ اپنی کتاب "انقلاب اسلامی وریشہ ہائے آن" میں شاہ کی اسلام مخالف پالیسی کو اس کے سقوط کا اصل سبب جانتے ہیں اور لکھتے ہیں:

اگر ہم انقلاب اسلامی کی ماہیت وتشخص، مقصد اور تاریخی بنیادوں سے ہٹ کر علل واسباب کی جستجو کریں تو فقط وہ سبب جو انقلاب کے آغاز وکامیابی کی اصل علت کے طور پر پیش کیا جاسکے وہ شاہ کی اسلام مخالف پالیسی تھی جسے وہ غیر ملکی حمایت سے اور اپنی حکومت کو محکم وقوی کرنے کیلئے انجام دیتا تھا۔

۳۔۱۔۲۔منوچہر محمدی

محمدی اپنے قلمی آثار ۳۸ میں اسلام کی مخالفت کی علت کو وقوع انقلاب کے بنیادی سبب کے طور پر پیش کرتے ہیں عوام کے قیام کی اصل واساسی علت یہ تھی کہ شاہ معاشرہ وسماج پر مسلط اقدار کو نابود کرنا چاہتا تھا جن کا سرچشمہ ان کا مذہب وآئین تھا، لہذا ایرانی مسلمان عوام کے مذہبی احساسات مجروح ہونے کی بناپر تمام سماجی واقتصادی مشکلات کے مقابل صبر، تحمل وشکیبائی کیلئے توان وطاقت نہ رہ گئی تھی۔

آپ انقلاب اسلامی کے چار اصلی اسباب کے مفروضوں:

۱۔ انسانی حقوق کے مطالبے؛ ۲۔ شاہ کا کینسر میں مبتلا ہونے؛ ۳۔ ماڈرنائزیشن؛ ۴۔ عوام کے مذہبی احساسات کے مجروح ہونے کو زیر تحقیق قرار دیتے ہوئے نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:

بلاشبہ انقلاب اسلامی کی کامیابی صرف مجاہد علماء کی قیادت پر استوار ہے جو ۱۳۴۲ ھ ش (۱۹۶۳ ء) سے شروع ہوئی تھی کہ اس انقلاب کے رہبر، عالم اسلام وتشیع کے مرجع عظیم الشان حضرت امام خمینیؒ تھے جنہیں مکتب اسلام کے محور پر ایران کے ایثار گر وشہادت پسند مسلمانوں کی بے دریغ حمایت وپشت پناہی حاصل تھی،اسے دوسرے مسائل جیسے کارٹر کے انسانی حقوق کے مطالبے، قومی تحریک کے ارکان کے اتحاد۔۔۔ سے مرتبط کرنے کی سعی وکوشش کرنا لغو امر ہے اس کی تاریخی استناد اور واقعیت سے تطبیق نہیں ہوتی ہے۔

۴۔۱۔۲۔حامد الگار

الگار "ریشہ ہائے انقلاب اسلامی" ۴۰ نامی کتاب میں امام خمینیؒ کی قیادت اور تشیع کو ایک تجسم سنت اور اسلام کو ایک آئیڈیالوجی کے عنوان سے پیش کیا جانے کو انقلاب کے اصل عناصر جانتے ہیں۔

۵۔۱۔۲۔آصف حسین

آصف حسین کا اپنی کتاب "ایران اسلامی، انقلاب وضد انقلاب" ۴۱ میں موقف یہ ہے کہ انقلاب اسلامی کا درک وفہم مغرب کے سیکولرزم کے معیار پر ممکن نہیں ہے لہذا انقلاب کا مطالعہ آئیڈیالوجی کے عنصر، اسلام اپوزیشن کے کردار اور قیادت کی جواز۔۔۔ وغیرہ پر توجہ کرتے ہوئے ہونا چاہیے اگرچہ آصف حسین نے اپنی قلمی اثر میں انقلاب ایران کے آغاز کے اہم واساسی اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن ان کا تجزیہ تو علمی نہیں لیکن درک وفہم انقلاب میں موثر ہے۔ ۴۲

تجزیہ

اگرچہ اس زاویہ نگاہ نے انقلاب اسلامی کا بنیادی سبب مذہب کو قرار دیتے ہوئے اہم وبنیادی اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن یہ امر انقلاب کے تمام پہلوؤں اور علل کو تنہا بیان کرنے پر قادر نہیں ہے کیونکہ بہت اہم مسائل کی وضاحت نہیں کی گئی ہے جیسے ۱۵ خرداد ۱۳۴۲ ھ ش (۵ جون ۱۹۶۳ ء) کی تحریک جو آئیڈیالوجی کے اعتبار سے ۱۳۵۷ ھ ش (۱۹۷۸ ء) کے قیام سے مشابہ ہے، کامیاب نہ ہوسکی تھی اور ۱۳۵۷ میں انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا؟ کیوں دوسرے ممالک میں اسلامی تحریکیں شکست سے دوچار ہوئیں؟ مذکورہ زاویہ نگاہ و نظریات کی بنیادی مشکل ان کی یکطرفہ نگاہ اور اس سبب (مذہب) کا ایرانی معاشرے کے سماجی وسیاسی حالات کو نظرانداز کر کے جائزہ لینا ہے۔[۴۳]

برنارڈ لوئیس نے ۱۹۸۶ ء میں بستون یونیورسٹی میں منعقدہ کانفرنس جو "مذہب وسیاست اور مسلمانان معاصر کا احیا" کے عنوان سے منعقد ہوئی تھی ۱۹۶۰ء و ۱۹۷۰ ء کی دہائی میں اقتصادی وسماجی حالات کو اسلامی سبب کی واقعیت میں تبدیل ہونے کو تصور کرتا ہے اور لکھتا ہے:

اس عرصہ میں زراعی پالیسی شہروں کی طرف وسیع نقل مکانی کا سبب بنی جس سے شہروں کی مشکلات میں اضافہ ہوا، تعمیراتی کام رونق پر تھا، لیکن صنعتی مزدوروں کی ترقی نہ ہونے کے برابر تھی، جس کے نتیجہ میں شہروں کے اطراف میں غریب آبادی میں اضافہ ہوگیا تھا، وہ مہاجرین جو تنظیم نہ رکھتے تھے، آسانی سے علماء کے بیان کردہ موضوعات جیسے، سماجی عدالت، قومی ثروت وسرمایہ میں مساوات۔۔۔ کو قبول کرلیتے تھے۔

لوئیس برنارڈ کا گمان ہے کہ:

ایرانی معاشرہ میں تین خصوصیات:

۱۔ آزادانہ پالیسی کے حامل مجاہد علما؛ ۲۔ دولت وثروتمند حکومت؛ ۳۔ اقتصادی وسماجی حالات کا مناسب نہ ہونے اور روز افزون آمدنی میں اختلاف کے جمع ہوجانے کے باعث ایک انقلاب کے ذریعہ اسلامی حیات کی تجدید ہوئی۔[۴۴]

صادق زیبا کلام بھی اپنے قلمی آثار "مقدمہ ای بر انقلاب اسلامی" میں انقلاب ایران میں دین کی پیشرفت واحیا کی تکوینی علت تین اہم اسباب سے مرتبط سمجھتے ہیں:

۱۔ ایران میں تشیع وعلماء کا مقام،

۲۔ سیاسی اسباب (ایران کے سیاسی و سماجی معاشرے کی صورتحال کی اصلاح میں مارکسسٹ، نیشنلسٹ اور اصلاح پسند تحریکوں کی شکست)؛

۳۔ معاصر مذہبی حالات۔[۴۵]

۲،۲، دوسرا وہ گروہ جو انقلاب کیلیئے مذہب کے کردار کا نظریہ رکھتا ہے مذہب کو لازم و ضروری شرط کے عنوان سے نہیں بلکہ انقلاب کی کامیابی میں شریک دیگر اسباب کی طرح ایک سبب کے طور پر یا تمام اسباب میں سے اہم ترین سبب کے عنوان سے پیش کرتا ہے۔اس نظریہ کے اہم ترین افراد حسب ذیل ہیں :

ا،۲،۲، ندا اسکاچپول

نظر اسکاچپول نے اپنی کتاب ''دولت ہا و انقلاب ہای اجتماعی''[۴۶] میں غیر ارادی اور Determinism کے بارے نظریہ پیش کیا ہے،اس نے ندا اسکاچپول کا نظریہ معتدل بنا دیا ہے۔اس کا نظریہ ہے کہ انقلاب رونما نہیں ہوتا بلکہ یہ اتفاق ہوتا ہے انقلاب اسلامی کے ظہور کے بعد اس نے سماجی انقلابات میں قیادت اور آئیڈیالوجی کے کردار کے سلسلہ میں اپنے نظریہ کو معتدل کر کے پیش کیا ہے وہ اپنے مقالے ''دولت تحصیلدار و اسلام شیعہ در انقلاب ایران'' میں لکھتا ہے :

سیاسی اعمال کی تشکیل میں ثقافتی مفاہیم و عقیدتی نظام کے کردار کے سلسلہ میں اس کا درک و فہم عمیق ہو گیا ہے یہ ایران کے انقلاب میں آئیڈیالوجی اور قائد کے کردار کو مشاہدہ کرنے کی بنا پر ہے بنیادی مراکز جیسے مساجد، علما کے وسیع نیٹ ورک،تاریخ اور شیعہ عقائد کو آمادہ کرنے میں علماء کے کردار نیز ایران کے انقلاب میں مختلف رجحانات رکھنے والے متعدد جماعتوں کو ایک طاقت کے عنوان سے متحد کرنے میں امام خمینیؒ کا اہم کردار اس قدر نمایاں ہے کہ کوئی بھی اس سے انکار اور اسے غیر اہم ظاہر نہیں کر سکتا ہے۔ایرانی عوام مختلف مذہبی و اعتقادی مراتب رکھنے کے باوجود ایک دوسرے سے متحد ہو گئے کیونکہ امام خمینیؒ کی معنوی و ساز باز نہ کرنے والی دینی و شیعی قیادت نے ان کے سامنے ایک ملکی و مقامی راہ و روش کو پیش کیا تھا کہ اس کے ذریعہ اپنی عمومی ناراضگی کو ایسی حکومت کے خلاف استعمال کریں جو اغیار سے شدید وابستہ تھی[۴۷] مذکورہ نظریات کو قبول کرنے کے باوجود اسکاچپول کے تصور میں ایران بلکہ تیسری دنیا کے تمام ممالک میں معاشرے کی شکل کے تغیر کا اہم عنصر حکومت ہے،انقلاب کے قبل و بعد میں حکومت کے کردار کو درک کئے بغیر تیسری دنیا اور اس کے انقلابات کا ادراک ممکن نہیں ہے۔

۲۔۲۔۲۔نیکی کدی

نیکی کدی اپنے آثار میں انقلاب ایران کے فکری ثقافتی [مذہبی] اسباب کا مرقع کھینچتا ہے وہ حالیہ دو صدیوں میں مذہبی (تشیع) و فکری حالات نیز انقلاب اسلامی رونما ہونے پر ان کے اثرات کا جائزہ لیتا ہے لیکن اس کے باوجود روایتی معاشرے کے کردار اہم قرار دیتا ہے خصوصاً علماء تشیع، مرجعیت، بازار، جدید بلدیاتی اداروں (اسٹوڈنٹ اور مزدور تحریکوں) کے کردار کی انقلاب کی تشکیل میں تاکید کرتا ہے، وہ مذہبی علماء کے اقتدار، ان کی نسبی آزادی و سیاسی و اقتصادی خود مختاری پر توجہ دیتا ہے، نیز علماء تشیع کے اقتدار، سیاسی و سماجی عظیم مقام اور شیعہ مرجعیت کے خود مختار ہونے کا جائزہ لیتے ہوئے سنی علماء سے موازنہ کرتا ہے۔۴۸

۳۔۲۔۲۔علی رضا شیخ الاسلامی

یہ بھی کدی کی طرح انقلاب کی علل کا جائزہ لیتے ہوئے، مذہبی و ثقافتی اسباب پر توجہ دیتے ہیں، وہ مذہب تشیع، اس کے سیاسی اور ریڈیکل ہونے کی از سر نو تشریح کیے جانے کی تاکید کرتے ہیں اس کے بعد سماجی حالات خصوصاً پہلوی حکومت کے آخری ۱۵ سالوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں اس عرصہ میں پہلی مرتبہ ایران کی سیاسی تاریخ میں، ایران کی سیاسی و سماجی صورتحال تعارض کا شکار ہوئی، وہ سماج و معاشرہ جو اس سے قبل دیہی تھا اور مقامی اکائیوں میں منقسم تھا، بہت جلد ایک منظم و متحد معاشرہ میں تبدیل ہو گیا۔

ان کی نظر میں Patrimonialism اور [ماڈرنائزیشن کے نتیجے میں] ترقی کرنے والے اجتماعی نظام کے درمیان تضاد نیز شیعہ سیاسی آئیڈیالوجی کے کلیدی کردار کی بنیاد پر جدید طبقات کا وجود میں آنا، ظہور انقلاب ایران کا سبب بنا۔

۲۔۲۔انقلاب کی نظریاتی سوشیالوجی کے دائرہ میں انقلاب اسلامی سے متعلق علمی مواقف، ان مواقف کو نظریات کی درج ذیل تین اقسام میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۔سیاسی سوشیالوجی کے نظریات،

۲۔سیاسی نظریات،

۳۔تیسری دنیا کے سماجی انقلابات کے نظریات۔

۱۔۲۔۲۔سیاسی سوشیالوجی کے نظریات

انقلاب رونماہونے کے سماجی اسباب کو دوسرے [اقتصادی اور مذہبی وغیرہ] اسباب سے جدا کرنے کی ضرورت کا سرچشمہ چند مفروضے ہیں۔

اول: انقلاب کے متعدد اسباب ہوتے ہیں اور ان کے ایک مجموعی اثر کی بناپر انقلاب رونما ہوتا ہے۔

دوم: انقلاب ایک اجتماعی عمل ہے اور ہر اجتماعی عمل ہر اس علت سے صرف نظر کرتے ہوئے جو اس کے رونما ہونے کا راستہ ہموار کرتا ہے؛ اتحاد، تنظیموں، سماجی گروہوں، ارتباط کے نیٹ ورکس اور اجتماعی عمل کے نمونوں کے ذریعے ممکن ہوتا ہے، انقلاب ایک اجتماعی عمل کے عنوان سے آئیڈیل، مبارزت طلب اور دوسرے اجتماعی عمل کی بہ نسبت طولانی ووسیع ہوتا ہے اور سماجی صورتحال سے متعلق مقدمہ پر منحصر ہوتا ہے۔ انقلاب کے رونما ہونے میں سماجی صورتحال کا اثر اس حد تک ہے کہ بعض مفکرین معاشرے میں انقلاب برپا ہونے یانہ ہونے کے سلسلہ میں اس معاشرے کی سماجی صورتحال کی خصوصیت کی طرف نسبت دیتے ہیں اور سماجی صورتحال کی خاص نوع کو انقلاب کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں۔ ۵۰

اس سلسلہ میں تین نظریات ہیں:

۱۔ غیر منظم معاشرے کا زاویہ نگاہ؛ ۲۔ منظم معاشرے کا زاویہ نگاہ؛

۳۔ درمیانہ زاویہ نگاہ؛

اب ہم ان زاویہ ہائے نگاہ کو پیش کرتے ہوئے ان محققین کے نظریات کا جائزہ لیں گے جنہوں نے انقلاب اسلامی کو ان زاویہ ہائے نگاہ پر پرکھا ہے۔

۱۔ غیر منظم معاشرے کا زاویہ نگاہ

بعض مفکرین انقلاب کو غیر منظم معاشرہ کا نتیجہ تصور کرتے ہیں۔ وہ انقلابی آمادگی، انقلابی آئیڈیالوجی اور انقلابی قائدین کے ظہور کو صرف ایسے معاشرہ میں ممکن تصور کرتے ہیں جو غیر منظم ہو۔ ہانا آرنٹ، ویلیم کورن ہاوزد، اس نظریئے کے معروف ترین افراد ہیں۔ غیر منظم معاشرے کے خصوصیات حسب ذیل ہیں:

- قومی، مکانی طبقاتی اور سماجی اتحاد کا فقدان یا ان کا کمزور ہونا؛

- سماجی صورتحال، طبقاتی امتیاز و سماجی طبقہ بندی کا فقدان یا ان کا کمزور ہونا؛
- مختلف آزاد سیاسی اور دوسری یونینوں کا نہ ہونا یا کمزور ہونا؛
- معاشرہ آپس میں غیر مربوط افراد پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ ان افراد کے افکار، اقدار، آرزو، احساسات اور توقعات ایک جیسے ہوتے ہیں؛
- معاشرے کے افراد کا تنہائی، غیر اہم اور سرگردانی کے احساس کا شکار ہونا؛
- عقائد و افکار میں تزلزل، عدم استحکام اور افراد کی سیاسی و سماجی رفتار پر احساسات کا غلبہ؛
- سیاسی قائدین و ماہرین کا بغیر واسطہ کے عوام تک دسترس ہونا؛

اس نظریہ کے حامیوں کی نظر میں مذکورہ معاشرہ تحریکی اہداف کے حصول، عوام کو آمادہ کرنے کی صلاحیت اور انقلابی سربراہ کے افکار و عقائد کو قبول کی ظرفیت رکھتا ہے۔[۵۱]

۲۔ منظم معاشرے کا زاویہ نگاہ

یہ نظریہ انقلاب کو اس تنازع نتیجہ جانتا ہے جو شہری معاشرے کے اندرونی اور شہری معاشرے و حکومت کے مابین جاری ہے، اس زاویہ نگاہ کے مطابق جماعتوں، گروہوں، انجمنوں اور سماجی اتحادوں کا وجود اور ان گروہوں کا اجتماعی ارتباط کے نیٹ ورک اور اجتماعی نمونہ عمل کا حامل ہونا انقلابی تنظیم کیلئے لازمی شرط ہے، یہ نظریہ کہ جس سے مارکس اور اس کے پیروؤں نے زیادہ استفادہ ہوا ہے۔ انقلاب کو طبقاتی تنازعہ کی ایک شکل اور اس کے رونما ہونے کیلئے متخاصم طبقات کی آگاہانہ محاذ آرائی و صف آرائی اور صف بندی کا ہونا لازمی ہے سماجی انقلابات رونما نہیں ہوتے مگر یہ کہ زیر تسلط طبقات، طبقاتی خود آگاہی حاصل کریں اور اپنے طبقاتی اتحاد کو مستحکم کریں اور تسلط پسند طبقات کے خلاف ایک جامع مبارزت شروع کریں۔[۵۲]

۳۔ درمیانہ زاویہ نگاہ

تیسرا نظریہ انقلاب کے رونما ہونے کے حالات کی اور خصوصیات کے ساتھ تشریح کرتا ہے، یہ درمیانہ نظریہ گاسفیلڈ کی مباحث میں پیش کیا گیا ہے گاسفیلڈ شہری معاشرہ کی دو نوع کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔

ا۔ کثرتی و مربوط معاشرہ [Linked Pluralism Society]

۲۔ متفرق و جدا معاشرہ [Super-Imposed Segmentation Society]

گاسفیلڈ معتقد ہے کہ مربوط شہری معاشرہ میں ایک فرد مختلف مفادات سے تعلق رکھنے کی بنا پر متعدد گروہوں کی رکنیت حاصل کرتا ہے افراد کی چند نوعیت کی وفاداری وارتباط سماجی گروہ بندی کے مابین چند جانبہ اتحاد، سماجی تنازعات اور خلیج کی شدت کو کم کرتا ہے، ایسے معاشرے میں انقلابی تحریک چلائے جانے کا امکان کم ہوتا ہے، کیونکہ اس قسم کی تحریکیں تمام افراد کی وفاداری کو طلب کرتی ہیں، حالانکہ کثرت گرا سماجی صورتحال ایک فرد کی تمام وفاداری کو عوامی تحریک کو سونپ دیئے جانے سے مانع ہے۔

لیکن متفرق شہری معاشرے میں اگرچہ اداروں اور سماجی انجمنیں اور مختلف طبقات کی تنظیمیں ہوتی ہیں لیکن ان کے اندر افقی رابطہ اور تعلق قائم نہیں ہوتا ہے، کیونکہ ان تنظیموں اور جماعتوں کا تعلق کس خاص طبقے اور گروہ سے ہوتا ہے، ایسے معاشرے میں سماجی شگاف ایک دوسرے پر منطبق ہوتے ہیں یعنی یہ سماجی دھڑے ایک ہی وقت میں متعدد مسائل میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوتے ہیں مثلاً ممکن ہے دو گروہوں کے درمیان ایک ہی وقت میں طبقاتی، مذہبی، قومی و۔۔۔ ناسازگاری جمع ہو جائے، گاسفیلڈ کی نظر کے مطابق ایسی سماجی صورتحال سماجی منازعات کی تشدید اور انقلابی و عوامی تحریک کیلئے مساعد و ہموار زمین ہے۔۵۳

سیاسی سوشیالوجی کے زاویہ نگاہ سے انقلاب اسلامی کا مطالعہ

ا۔ اسلامی انقلاب اور معاشرہ

انقلاب اسلامی سے متعلق مطالعات، پیش کردہ نظریات (عوامی معاشرہ، شہری معاشرہ، متفرق شہری معاشرہ) سے منطبق نہیں ہیں ان مطالعات میں سے ایک نے بھی ایران کے انقلاب کو مکمل طور پر غیر منظم عوامی معاشرے پر منطبق نہیں جانا ہے لیکن بعض آثار میں خصوصاً انقلابی آمادگی یا انقلابی آئیڈیالوجی کی خصوصیات کو اس زاویہ نگاہ کے بعض حصوں میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ ان ہی آثار میں بعض مباحث موجود ہیں جو غیر منظم عوامی معاشرے سے تعارض رکھتے ہیں۔

اس قسم کے مطالعات زیادہ تر، جیرولڈ گرین، افسانہ نجم آبادی، ایڈ مونڈ بروک، پاول لوبیک اور حمید عنایت کے آثار میں موجود ہیں، ذیل میں ان میں سے بعض کے زاویہ نگاہ کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

۱۔ جیرولڈ گرین

وہ انقلاب کو (ضد بسیج۔ آمادگی) کے مفہوم کی اساس پر مورد تحقیق قرار دیتا ہے۔ گرین کی تعریف کے مطابق، ضد بسیج (آمادگی) سے مراد، حاکم سیاسی نظم کے خلاف عمومی آمادگی وقیام اور حاکم کے منتخبین کے مقابل بعض گروہوں کی صف آرائی کرنا، وہ ضد بسیج کی شرائط کو حسب ذیل بیان کرتا ہے۔

۱۔ حکومت کے ارادہ وتوانائی کا کمزور ہونا،

۲۔ پالیسی کی سادہ سازی،

۳۔ عوامی گروہوں کی قطب بندی،

۴۔ معاشرے غیر سیاسی وروایتی طبقات کا سیاسی ہونا،

۵۔ بحران کو وجود میں لانے والے حوادث،

۶۔ حکومت کی طرف سے پر تشدد رد عمل،

گرین اس کے بعد کوشش کرتا ہے کہ ذکر شدہ ہر ایک شرط کی ایران کے انقلاب میں نشان دہی کریں وہ شرکت کے بحران میں حکومت کی کمزوری اور اس بحران کو مہار کرنے میں شاہ کی عدم توانائی، اسی طرح اپنی عمر کے آخری ایام میں مخالف طاقتوں کی سرکوبی میں شاہ کی عدم کامیابی کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ پالیسیوں کی سادہ سازی کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ شاہ اور اس کے مخالفین دونوں سیاسی حقانیت کی ایک سادہ تصویر پیش کرتے تھے۔

شاہ اپنی پالیسیوں کی حمایت کے سلسلہ میں رستاخیز حزب سے تمام عوام کے ملحق ہونے کو سیاسی موقف کا صحیح معیار تصور کرتا تھا اور شاہ کے مخالفین بھی نظام حاکم وشاہ سے دشمن ومبارزت کو سیاسی موقف کا واحد تنہا صحیح معیار سمجھتے تھے، گرین کی نگاہ میں پالیسیوں کی سادہ سازی اپنے آپ معاشرے کی سیاسی قطب بندی کا سبب بنی وہ معتقد ہے کہ شاہ کے سقوط سے چند ماہ قبل تک شہری طبقات میں فقط متوسط طبقہ کسی حد تک سیاسی تھا اور آمادگی رکھتا تھا حالانکہ شہر کے نچلے طبقات خصوصاً دیہاتوں سے نقل مکانی افراد

بنیادی طور سے غیر سیاسی تھے، یہ افراد شاہ کے آخری ایام میں سیاسی ہوئے اور وہ انقلاب کی پیادہ فوج میں تبدیل ہو گئے تھے۔ گرین اس طبقے کے سیاسی ہونے کی علت کو پالیسیوں کی سادہ سازی اور معاشرہ کا دو قطبی ہونا نیز مذہب و علما کے متقاعد کرنے والے کردار کو قرار دیتا ہے۔ وہ معاشرے کے مختلف گروہ و طبقات کے انقلابی اتحاد کی علت کو ان کی مشترک نفرت کے جذبہ کو بتاتا ہے۔۵۴؎

۲۔۱۔۲ حمید عنایت

عنایت، کتاب ''انقلاب در ایران'' میں Anomy صورتحال کی پیدائش، اخلاقی و ثقافتی اقدار سے عوام کی جدائی، اجتماعی اتحاد اور وفاداری کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وہ Dislocation کو اخلاقی و ثقافتی اقدار سے جدا ہونے کو (جو تیزی سے بدلتے ہوئے سماجی حالات کے زیر اثر واقع ہوا تھا) اسلامی انقلاب کی سرعت و کامیابی کا ایک اہم سبب جانتے ہیں۔

سوشیالوجی پر مبنی وہ مفہوم جو [انقلاب ایران کے رونما ہونے کی] غیر مادی پیچیدہ علل کی وضاحت کرتا ہے، Anomy کا مفہوم ہے انقلاب، سماجی مقام و منزلت کو معیار قرار دیئے جانے والے معیار کی تباہی و روایتی اطوار کے انحطاط کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا۔ یہ تمام صورتحال شاہ کے ماڈرنائزیشن پروگرام کی وجہ سے نہ تھی لہذا اجتناب ناپذیر بھی نہیں تھی وسیع خاندان کا انحطاط، دیہی آبادی کی شہروں کی طرف نقل مکانی، ایسی عادات واطوار کی پیدائش جو صنعتی ہونے کا لازمہ ہے، روایتی نظریات و معیار اقدار اور ناقص ماڈرنائزیشن کے مابین عدم تعادل، یہ سب شاہ کے ساقط کئے جانے میں اہم کردار رکھتے ہیں، عوام اخلاقی و ثقافتی اقدار اور اصولوں سے دور ہو گئے تھے، اجتماعی تشخص کے مفہوم و گروہی وفاداری و اتحاد جو باہمی تعاون کے بنا پر ہو اس سلسلہ میں سخت تحت دباؤ واقع تھے۔۵۵؎

۲۔ اسلامی انقلاب اور شہری معاشرہ

اہم ترین مفکرین جنہوں نے براہ راست و زیادہ تر بالواسطہ طور پر انقلاب کے ظہور و آغاز میں شہری معاشرے کے کردار کو بیان کیا ہے، میثاق پارسا، نیکی کدی و علی رضا شیخ الاسلامی ہیں کہ ان میں اہم ترین کو پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔۲۔ میثاق پارسا

اہم ترین نظریہ جو انقلاب اسلامی کو مدنی معاشرہ کے تناظر میں مورد تحقیق و تجزیہ قرار دیتا ہے۔ میثاق پارسا کا تنازعہ و آمادگی کا نظریہ ہے، وہ تنازعہ کو دو حیثیت، قومی اور بین الاقوامی سطح پر مورد توجہ قرار دیتے ہیں، وہ بین الاقوامی سطح پر تنازعہ اور انقلابات پر اس کے اثرات کا بعض وابستگی کے نظریات (مرکز، اطراف کے مباحث) سے استفادہ کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ بیسویں صدی میں تیسری دنیا کے ممالک مرکز سے وابستگی کی ظاہری چپقلشوں اور تعارضات کی بنا پر متعدد انقلابات سے دوچار ہوئے ہیں۔۵۶؎

پارسا، گامسن (Gamson) زالڈ (Zald) اور ٹیلی (Tili) کے نظریات سے استفادہ کرتے ہوئے انقلاب رونما ہونے کی سماجی شرائط ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

وہ چیز جو اجتماعی عمل کیلئے محرکات فراہم کرتا ہے، ناانصافی اور اتحاد ہے، دباؤ میں گھرے ہوئے گروہ وطبقات جو ناانصافی کا شکار ہوئے ہیں دباؤ سے رہائی کی خاطر، اپنے اتحاد کو مضبوط کرتے ہیں تاکہ اپنے منابع وصلاحیت کو آمادہ کر سکیں اور احوال کو متغیر کرنے کیلئے امیدوار ہوں، لہذا انقلابی و مخالفت آمیز اجتماعی عمل انجام دینے کیلئے چند شرطیں لازم ہیں۔

ا۔ مضبوط اتحاد،

۲۔ آمادہ منابع وارتباطات کیلئے موثر وفعال نیٹ ورک،

۳۔ حاکم طاقتوں کے مقابل مخالف طاقت کی تقویت کیلئے دوسرے فعال سیاسی گروہوں سے مختلف شکلوں میں اتحاد۔

پارسا، ان نظریات کو انقلاب ایران کے سلسلہ میں بھی استعمال کرتا ہے وہ ۱۹۴۰ ء کے بعد ایران کے سماجی واقتصادی حالات کو مورد تحقیق قرار دیتا ہے اور ایران کے اقتصاد وسیاست پر پٹرول کے اثرات اور اس سے متعلق بحران کو مورد اشارہ قرار دیتے ہوئے ان امور کے تناظر میں عالمی نظام اور ایران کے اقتصاد وسیاست کے رابطہ نیز انقلابی تنازعات وسماجی اصالت کا تجزیہ کرتا ہے۔

وہ معتقد ہے کہ مذکورہ حالات سماجی طبقات کی پوزیشن میں عمیق تغیرات کا سبب بنے ہیں یہ تغیرات معاشرتی طبقات کی قدرت وثروت کی تقسیم میں شدید عدم توازن اور متوسط، جدید، روایتی روشن فکر ومزدور طبقات کی شدید ناراضگی کا باعث ہوئے۔ قومی اقلیتیں وجود میں آئیں اور اس طرح انقلاب کی دو شرطوں میں ایک اصل شرط (ناانصافی) فراہم ہوئی۔

پارسا انقلاب کی دوسری شرط (اتحاد کے) فراہم ہونے کیلئے روایتی متوسط طبقے [دوکانداروں] کے کردار کی تاکید کرتا ہے اور کہتا ہے۔

باوجودیکہ عرصہ دراز تک روایتی متوسط طبقہ شدید دباؤ میں تھا لیکن اب بھی ایک قدرتمند اور بڑا طبقہ شمار کیا جاتا تھا اور تقریباً ایک چوتھائی طاقت کا حامل تھا، اس کے علاوہ یہ طبقہ دوسرے طبقات سے کہیں زیادہ انقلابی آمادگی کیلئے وسائل وامکانات (اتحاد، ارتباطی وسایل) رکھتا تھا، یہ طبقہ مسجد اور مذہبی مقام سے قوی ومحکم ربط رکھتا تھا اور یہ دونوں (علماء ودوکانداروں) ایک دوسرے کی حمایت کرتے تھے، صنعتی مزدوروں کا طبقہ جو اقتصادی وسیاسی دباؤ میں تھا وہ بھی تحریک سے جاملا، گرچہ ان کا ابتدائی مطالبہ اقتصادی

صورتحال کی بہبودی یا آزاد مزدور یونین ودفتر کی تشکیل تھا لیکن بحران کے عمیق ہونے کی بناپر ان کے مطالبات سیاسی تر وانقلابی تر ہوتے چلے گئے اور انہوں نے انقلاب میں اہم کردار ادا کیا۔ ۷۵

۲۔۲۔۴ نیکی کدی

انقلاب ایران میں قیادت اور مذہب تشیع کی آئیڈیالوجی کے کردار کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنی تحقیق کے محور کو اسلامی انقلاب کے مسائل میں جدید شہری معاشرے (طلباء تنظیموں اور مزدور یونینوں) خصوصاً روایتی شہری معاشرے (شیعہ، مقام مرجعیت، بازار) کے کردار کو قرار دیا ہے۔

وہ ایران کی سیاسی وسماجی تاریخ میں مقام مرجعیت وشیعہ علما کے کردار وتاریخی قدرت کا جائزہ لیتے ہوئے نیز سنی علماء سے موازنہ کرتے ہوئے معتقد ہے کہ ایران میں صفوی عصر کے بعد شیعہ علماء کی طاقت اور آزادی میں اضافہ ہوا۔

کدی کی نظر کے مطابق اٹھارہویں وانیسویں صدی کے عرصہ میں ترکی ومصر کے بجائے ایران میں طاقت کا مرکز اور انیسویں وبیسویں صدی میں حکومت کے دائرۂ اقتدار سے بزرگ علماء (مراجع) کا خارج ہونا، نیز موقوفات، اسلامی ٹیکس (خمس وزکات) جیسے امور سے استفادہ کرتے ہوئے اقتصادی خود مختاری کا ہونا، تعدد مرجعیت اور شیعہ علماء کا دنیوی حکومت کی نفی اس طاقت کے اصل اسباب تھے۔

کدی اس کے بعد حالیہ صدی میں تجار وبازار کے کردار کو بیان کرتے ہوئے بازار وعلماء کے دیرینہ تعلقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان دو صدیوں کی سیاسی تحریکوں میں ان تعلقات کے کردار کی تاکید کرتا ہے۔

وہ معتقد ہے کہ بیسویں صدی میں ایران میں اقتصادی وسماجی ماڈرنائزیشن کے باوجود ایران کے بازار نے بہت سے موارد میں اپنی روایتی خصوصیات کا تحفظ کیا اور اسے حکومت مخالف اقدامات کے مرکز کی حیثیت حاصل رہی۔

۳۔ اسلامی انقلاب اور متفرق مدنی معاشرہ

اس سلسلہ میں کہا جاسکتا ہے کہ مذکورہ دونوں اقسام کے اکثر نظریات، انقلاب میں گاسفیلڈ کے نظریہ سے ملتے جلتے ہیں، کسی دانشور نے بھی اسلامی انقلاب کا اس زاویہ نگاہ سے جائزہ نہیں لیا ہے۔ سیاسی سوشیالوجی کے تناظر سے اسلامی انقلاب کے تجزیئے کی اہم مشکلات درج ذیل ہیں:

ا۔ بیان شدہ نظریات کا اسلامی انقلاب کے تجزیات پر کامل منطبق نہ ہونا،

۲۔ عوامل انقلاب کے مابین علّی روابط میں الہام،

۳۔ انقلاب کے فروعی واصل اسباب کے درمیان عدم تفریق۔

۲۔ سیاسی نظریات

جس طرح انقلاب کی سوشیالوجی کے نظریات کا سرچشمہ دو زاویہ ہائے نگاہ Politic Violence اور Functionalism ہیں اسی طرح انقلاب کے نظریات بھی جو انقلاب کو سیاسی واقعہ جانتے ہیں اور معاشرہ کے اصل سیاسی پروسس پر توجہ رکھتے ہیں انہی دو زاویہ ہائے نگاہ سے متاثر ہیں۔

Politic Violence Functionalism میں معاشرہ کا ثبات، سیاسی نظام واقدار کے موارد میں معاشرے کے اراکین وافراد کے متفق ہونے پر منحصر ہے، سیاسی تعارض کے زاویہ نگاہ میں معاشرہ احزاب کے درمیان مقابلے ومبارزت کے میدان کی حیثیت رکھتا ہے جس میں یہ اقتدار کی خواہاں ہوتی ہیں، اس مقابلے کا نتیجہ، ہر گروہ کا منابع توازن جوان کے ہاتھوں میں ہوتا ہے معین کرتا ہے، پہلے حصے میں شہرت یافتہ نظریہ انقلاب، ساموئیل ہانٹنگٹن کا اور دوسرا چارلز ٹیلی کا ہے۔

الف۔ ناموزون ترقی کا نظریہ

ساموئیل ہانٹنگٹن، سیاسی ثبات کو ایک سیاسی اجتماع کے وجود کا نتیجہ تصور کرتا ہے یعنی معاشرے میں موجود نظام کی حفاظت کیلئے مشترک مفادات واخلاق کا اجتماع کہ اس میں سماجی گروہوں کے درمیان کشمکش پائی جاتی ہے لیکن تھوڑا پیچیدے معاشرے میں سیاسی اوروں کی کارکردگی (روایتی راہ وروش نہیں) سیاسی اجتماع کی حفاظت کرتی ہے جس قدر ان اداروں اور تنظیموں کی شمولیت اور اثر وثبات بیشتر ہوگا، سیاسی تنظیم کی توانائی، سیاسی اجتماع کی حفاظت کیلئے زیادہ ہوگی، سیاسی معاشرے کی اصل نوعیت دواقسام پر ہے روایتی، سیاسی معاشرے میں، سیاسی اجتماع کے قیام میں سیاسی اداروں اور تنظیموں کا کردار تھوڑا ہے اور ماڈرن معاشرے میں زیادہ ہے اور روایتی معاشرے میں قبولیت کا مرتبہ نیچا اور ماڈرن معاشرے میں اونچا ہے سیاسی معاشرے کی دونوں انواع اور سماجی واقتصادی ترقی کے درجہ کے مابین ارتباط ہوتا ہے جس قدر سماجی اقتصادی ترقی کا درجہ ومرتبہ زیادہ ہوتا ہے سیاسی معاشرہ ماڈرن ازم کی سمت حرکت کرتا ہے، لیکن اگر سماجی اقتصادی ماڈرنائزیشن انجام دی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ میں سیاسی ترقی اور ماڈرن سیاسی معاشرے کی طرف حرکت انجام نہ پائے تو عدم استحکام پیدا ہوتا ہے۔

اقتصادی ماڈرنائزیشن کا لازمہ شہر نشینی، صنعتی ہونا اور تعلیم کا عام ہونا ہے۔ سماجی ماڈرنائزیشن، سماجی تحرک، روایتی و قدیمی معیار کے ختم ہونے اور جدید معیار و موقف کی ایجاد کو شامل ہوتے ہیں جو معاشرے میں گروہوں اور افراد کی پیداواری ترقی و تبدیلی کا سبب بنتے ہیں، سیاسی ماڈرنائزیشن سے مراد موجود اداروں کی توانائی یعنی سیاسی ترقی کی خدمت کیلئے اپنی طاقت کی ماڈرنائزیشن ہے، سیاسی نوسازی کیلئے سیاسی اداروں کی عدم توانائی، سیاسی زوال کا سبب ہوتی ہے اور موجود صورتحال اور سیاسی ترقی کے ضروری مرتبہ کے درمیان سیاسی شکاف ایجاد ہو جاتا ہے۔

اگر سیاسی شکاف وسیع ہوتا ہے سیاسی معاشرہ بکھر جاتا ہے اگر ایک معاشرے میں سریع سماجی و اقتصادی ماڈرنائزیشن انجام ہو، وہ گروہ اور انجمنیں جو قدرت و منزلت کے سلسلہ مراتب سے حذف ہو گئے ہیں سرگشتگی سے دوچار ہو جائیں گے اور نظام حاکم ان کے مطالبات کا جواب دینے پر قادر نہیں ہو سکتا ہے لہذا سیاسی ترقی موجود اداروں سے ہٹ کر انجام پائے گی تو یہ عدم استحکام کا سبب ہو گی اور اس کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہے سازش، شورش، بغاوت، خود مختاری و انقلاب کیلئے جنگ، عدم استحکام کی تمام صورتوں کے برخلاف انقلاب سماجی صورتحال و اقتدار، نیز سیاست و اداروں کے قائدین میں تحول کا لازمہ ہے۔ ۵۹؎

ب۔ سیاسی ماڈل یا منابع کا آمادہ کیا جانا

چارلز ٹیلی کا نظریہ ہے کہ تاریخ انقلابات کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ انقلاب سے قبل سیاسی تنظیمیں محروم علاقے و افراد میں نشو و نما پاتی ہیں اور ان تنظیموں کا اعتراض نظام حاکم کے توسط سرکوب کر دیا جاتا ہے اس کے بعد جدید سیاسی تنظیمیں جو سیاسی اقتدار چاہتی ہیں اپنے ہدف و مقصد کیلئے تشدد سے استفادہ کرتی ہیں، لہذا انقلاب منظم، بامقصد سیاسی تشدد، رضاکارانہ، تسہیل آمیز انقلابی تحریک کیلئے تمام منابع کا موجود ہونا بالقوہ قہر (جدید سیاسی تنظیموں کو کچلنے کیلئے حکومت کی کوشش) اور سیاسی طاقت کے فقدان کی بنا پر محرومیت کو شامل ہوتا ہے کہ ٹیلی اسے گرین کے برخلاف بغیر کسی واسطہ کے سیاسی تشدد سے متعلق جانتا ہے۔ ٦٠؎

انقلاب اسلامی اور ناموزون ترقی

کہا جا سکتا ہے کہ کسی دانشور نے بھی ایران کے اسلامی انقلاب کا ٹیلی کے منابع کے آمادہ کئے جانے کے زاویہ نگاہ سے جائزہ نہیں لیا ہے لیکن انقلاب اسلامی کے بعض اہل قلم نے اپنے آثار میں ناموزون ترقی کو تمام علل کے ہمراہ ایک علت کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ (شیخ اسلامی و ابراہامیان) اور بعض ارباب قلم کی طرف سے علت العلل اور اسلامی انقلاب کی اصل علت کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔

وہ ارباب قلم جو ناموزون ترقی کو انقلاب کے عنوان سے مورد اشارہ قرار دیتے ہیں حسب ذیل ہیں:

ا۔ صادق زیبا کلام

زیبا کلام اپنے آثار " مقدمہ ای بر انقلاب اسلامی" میں چار مفروضوں: سازش، ماڈرنائزیشن، اقتصاد اور مذہب کو مورد تحقیق قرار دیتے ہوئے انقلاب اسلامی کیلئے ناموزون ترقی کو اصل علت کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ اپنے مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے محمد رضا پہلوی کے سیاسی نظام و قاجار کے سیاسی نظام کا موازنہ کرتے ہیں اور گزشتہ سو سالوں میں سیاسی ماڈرنائزیشن میں عدم تغیر میں دونوں نظاموں کی مشابہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

ایک جہت سے شاید [شاہ کی] حکومت کی دہری ماہیت کا قائل ہوا جا سکتا ہے ایک طرف اقتصادی ترقی و پیشرفت کی بعض علامتیں دیکھنے کو ملتی ہیں، ماڈرن صنعتیں، ارتقائی پروجیکٹ، تمام وسائل سے لیس و ماڈرن عمارتیں، جدید وسائل سے لیس فوجیں، دنیا کے جدید ترین وسائل جنگ، سماجی امور میں خواتین کی شرکت۔

اگر ہم ماڈرنائزیشن سے ہمگام ہم آہنگ ہوتے ہوئے فرض کر لیں کہ یہ علامتیں اقتصادی پیشرفت کیلئے حجت ہیں تو یہ سکے کا ایک رخ ہے سکے کا دوسرا رخ ظاہری نگاہ پر آشکار نہیں ہے یہ معاشرے کی سیاسی صورتحال تھی جو کسی بھی عنوان سے خاص تغیر کی حامل نہ تھی اس زاویہ سے محمد رضا شاہ کا پسماندہ ایران سو سال قبل ناصر الدین شاہ کے ایران سے زیادہ فرق نہیں رکھتا تھا اگر پہلے عصر (قاجار) میں ظل خدا سلطان صاحب قران، مملکت کے تمام امور پر فرمان چلاتے تھے تو دوسرے عصر (پہلوی) میں بھی شہنشاہ آریامہر خدائے واحد کے اوامر مملکت کے ہر چھوٹے بڑے امر کو شرف صدور بخشتے تھے، اگر ذات اقدس ہمایونی اول مقرر فرماتے کہ کون سی پالیسی اپنائی جائے اور کون سی تدبیر کا اجراء کیا جائے۔۔۔ شاہ بھی سلطنت کو الٰہی ہدیہ تصور کرتا تھا کہ جسے اسے عطا کیا گیا ہو۔۔۔ اگر محمد رضا شاہ عصر کے پر زرق برق ماڈرن ایران کی ملمع کاری کی پرت کو تھوڑا کرید کر دیکھا جائے تو اس کا اصلی سیاسی پیکر ایران قاجار کے عصر سے زیادہ فرق نہیں رکھتا تھا اس سو سال کے فاصلہ میں سیاسی اصلاح کیلئے ایک قدم بھی نہیں اٹھایا گیا تھا پہلوی عصر میں عوام میں سیاسی شرکت، مملکت کے امور میں ان کی مداخلت اور پالیسیوں کا تعین، اسی قدر نایاب و نادر تھا جس قدر قاجار کے عصر و زمانہ میں تھا، دونوں عصر ہی میں عملی طور سے ملک کے امور میں عوام کی عدم شرکت ایک جیسی تھی۔۔۔[۶۱]

وہ پھر پہلوی اور قاجار کے سیاسی نظام کی مشابہت اور ان دونوں نظاموں کے مقابل عوام کے رد عمل (آئینی تحریک اور انقلاب اسلامی) کا موازنہ کرتے ہوئے معتقد ہے کہ انقلاب اسلامی کے ظہور و آغاز کی اہم ترین علت، اقتصادی ترقی کے ہمراہ سیاسی ترقی میں شاہ کی ناتوانی رہتی تھی۔

دونوں سیاسی نظاموں کی مشابہت پر بہترین دلیل ان دونوں سیاسی نظاموں کے مقابل عوام کا رد عمل ہے، سیاسی استبداد اور گھٹن احکام دربار و شاہ کی مطلق عنانیت، ان کے اختیارات کی عدم محدودیت، فردی سلامتی و قانون کا فقدان، مملکت امور میں اغیار کا نفوذ و مداخلت، ہر اس فکر کہ جو حکومت کیلئے مورد مصلحت و پسند نہ ہو کی ممانعت و قلع و قمع کرنے کی پالیسی یہ سب قاجار حکومت کے خلاف اس احتجاج کو وجود میں لانے کیلئے اصل اسباب تھے جو آئینی تحریک کے قالب میں ظہور پذیر ہوا تھا۔

اس (آئینی) تحریک کا ہدف (اس سے صرف نظر کہ عمل میں کس قدر کامیاب ہوئی) ایک جملہ میں یہ ہے کہ معاشرے میں قانون کی حکومت برقرار کی جائے تاکہ حکومت کا عملہ بے باک و بے خوف عوام کی جان و مال اور ناموس پر حملہ ور نہ ہو وہ محرکات و یہ اہداف انقلاب اسلامی کی پیدائش و آغاز کیلئے اسباب ہونے سے فاصلہ نہیں رکھتے ہیں دونوں تحریکوں میں قیادت ور ہبری کا کردار بھی اہمیت کا حامل ہے دونوں میں بیدار و مجاہد علمانے روشن خیال جماعت کے ہمراہ اہم کردار ادا کیا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ اگرچہ ایران میں انیسویں صدی کے آخر میں تحریک شروع کرنے والے افکار و نظریات کا آغاز ہوتا ہے لیکن بنیادی طور سے سیاسی تغیر واصلاح کیلئے کسی قسم کا اقدام نہیں ہوتا ہے، ایرانی معاشرے کی سیاسی صورتحال بیسویں صدی کے آخر میں اسی طرح غیر فعال و بی فکر و اصلاح تھی جیسے ایک قرن قبل یعنی انیسویں صدی میں تھی، عوام خصوصاً معاشرے کے تعلیم یافتہ و روشن خیال افراد کی اہم ترین سیاسی آرزوئیں، خواہشات درد و الم دونوں عصر میں ایک قرن گزرنے کے باوجود ایک ہی تھے ان میں زیادہ فرق نہ تھا، لہذا ہمارا یہ دعویٰ حقیقت سے دور نہیں کہ اسلامی انقلاب تمام قدیمی و دیرینہ صورتحال کو زیر وزبر اور صفحہ روزگار سے محو کرنے کیلئے وجود میں آیا تھا تاکہ ایک نئے اسلوب کو پیش کرے۔

۲۔ نصراللہ نوروزی

وہ اپنے مقالے ''ساخت قدرت شخصی و فروپاشی حکومت پہلوی'' میں، سیاسی سماجی واقعات و حوادث کی تشریح میں سیاسی طاقت کے مقام و اہمیت نیز سیاسی قدرت و اقتدار کے سقوط و ثبات و حفظ میں اس کے کردار کو بیان کرتے ہوئے سلطانی سیاسی نظام کی تھیوری اور اس کی اہم خصوصیات کو حسب ذیل بیان کرتا ہے:

۱۔ قدرت کا فردی ہونا،

۲۔ سیاسی تنظیم کا سطحی ہونا،

۳۔ سیاسی اجارہ داری،

۴۔ لاقانونیت،

۵۔ خواص کی حمایت کا نیٹ ورک

نصر اللہ کا اعتقاد ہے کہ مذکورہ تمام خصوصیات محمد رضا پہلوی کے سیاسی نظام میں نظر آتی ہے، وہ اس کے بعد شاہی حکومت کے متزلزل ہونے کی تشریح کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ سقوط شاہ کا اصل سبب ملک میں ۱۳۴۰ھ ش (۱۹۶۱ء) کی دہائی کے بعد سماجی و اقتصادی ترقی کے ہمراہ سیاسی ترقی میں سلطانی سیاسی نظام کی کوتاہی و عدم توانائی ہے۔ مصنف اس طرح وضاحت کرتا ہے:

در حقیقت پہلوی نظام کے تزلزل کو ایک سیاسی قدرت کی وضعی ماہیت اور دوسرے ۱۳۴۰ھ ش دہائی کے بعد اقتصادی و سماجی پالیسیوں اور منصوبوں کے اجرا کرنے کی بنا پر معاشرتی حالات میں جستجو کرنا چاہیے۔۔۔ محمد رضا شاہ نے حصول اقتدار کے بعد ملک کے سیاسی ڈھانچہ میں سلطنت و قدرت کے اثر و پوزیشن نیز ملک میں طاقت کے استعمال کے طرز و تاریخی تجربات سے آگاہی واستفادہ کرتے ہوئے معاشرے میں شخصی قدرت کی تقویت کیلئے تدریجی و حساب شدہ پروگرام شروع کر رہا تھا، آہستہ آہستہ سیاسی نظام کے اداروں (پارلیمنٹ، مجریہ اور عدلیہ) پر اپنے تسلط کو مستحکم کرتے ہوئے ان اداروں کو اپنی ذاتی پالیسیوں اور منصوبوں کے اجرا کیلئے صرف ایک وسیلے میں تبدیل کر دیا تھا اور اس طرح سیاسی اداروں کی سطح کو کم کرتے ہوئے سیاسی گھٹن کا ماحول پیدا کر رکھا تھا اور نازک و حساس عہدے کو اپنے نزدیکی و وابستہ افراد کے ذریعہ اپنے اندرونی حلقہ قدرت میں محدود کر رکھے تھے اس کے باوجود اس نے ایک اقتصادی ترقی و ثقافتی و سماجی کی متضاد پالیسی پر عمل کیا جو جدید گروہوں کی تشکیل نیز بعض سماجی اداروں کی ترقی و قوی سیاسی شرکت کے مطالبہ و منافع کا سبب بنا، دوسری طرف شاہ کے مغرب نواز اقتصادی ترقی کا پروگرام باعث ہوا کہ معاشرے میں پہلے سے موجود تحریکیں جدید مفادات و آگاہی کے ساتھ سیاست میں وارد ہوں، مجموعی طور سے یہ حالات سیاسی نظام میں موثر شرکت کے تقاضے و مطالبہ کو ہر روز افزون کر رہے تھے حالانکہ سیاسی نظام جدید گروہوں کی تشکیل نیز مطالبات کے پورا کئے جانے کیلئے ایک اونچی سطح ضروری تھی لیکن شاہ نے سیاسی اداروں کی کمزوری اور ذاتی اقتدار کی توسیع کے ذریعہ شرکت کیلئے روز افزون مطالبے کے مقابل نظام کو متزلزل کر دیا تھا۔

اسی طرح جماعتوں کے تنوع و تکثر، سماجی مفادات اور مدنی معاشرے کی تشکیل نے مدنی اداروں جیسے احزاب، یونین، سنڈیکیٹ اور دوسری سماجی تنظیموں کے قیام کو ضروری و لازم کر رکھا تھا لیکن اس کے باوجود شاہ نے ان اداروں کو دبانے نیز عوام پر تشدد اور اجبار کا استعمال کر کے حکومت کو غیر محفوظ کر دیا تھا دوسری طرف عوامی اعتراضات کے مقابل جو مدنی معاشرے کے فقدان کی بنا پر تھا، سیاسی طاقت کو متزلزل کر دیا تھا۔[۶۴]

۳۔ تیسری دنیامیں انقلابات کی تشریح یاوابستہ ترقی کی تھیوری

۱۹۷۰ء کی دہائی کے اواخر میں دو انقلاب ایران اور نیکاراگوئے میں رونما ہوئے اور تیسری دنیا میں شورشیں اور بدامنی کے واقعات ہوئے جن کی وجہ سے انقلاب کے بارے میں نئے نظریات قائم ہوئے۔

مفکرین قبل کے نظریات کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان میں اکثر نظریات، انتزاعی، غیر تاریخی اور یکطرفہ پیش کئے گئے ہیں، انقلابات دوسرے سماجی واقعات کے مانند پیچیدہ تر ہیں ان کی ایک واحد قالب میں تشریح کرنا دشوار ہے کیونکہ تمام انقلابات کے تعین کرنے والے اسباب پیچیدہ و متعدد ہیں اور تمام وہ پیچیدہ اسباب جو ان میں سے ہر ایک کو معین کرنے والے ہیں ممکن ہے کہ ایک دوسرے سے متفاوت و مختلف ہوں، اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ نظریات کے اس حصہ میں کوشش کی جائے گی کہ تاریخی و قیاسی زاویہ نگاہ کے ذریعہ نیز کمتر تعمیم کے ہمراہ مناسب ترین نظریہ کو پیش کیا جائے۔

جان فورن (Johon Foran) اپنے اثر ۶۵ میں، تیسری دنیا کے انقلابات کیلئے مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے استفادہ کرتے ہوئے ایک عام شمول دائرے کے ذریعے ایک ماڈل پیش کرتا ہے وہ تیسری دنیا کی سماجی صورتحال کو داخلی وخارجی (عالمی نظام اور اس ملک کے وجود سے قبل کی صورتحال) جستجو کی پیچیدہ محصول تصور کرتا ہے جو پیداوار جدید و قدیم شیوہ وروش کے مجموعہ پر مبنی ہے جس سے وابستہ ترقی کے پروسس کا آغاز ہوتا ہے جس میں خاص محدودیت کی چاردیواری میں صورت پذیر ہے، پھر بھی اس پیداواری نظام کالازمہ ایک ظالم حکومت کا وجود ہے تاکہ سماجی مسائل میں ایک نظم کی ضمانت مل سکے جو بطور سریع دگرگونی سے دچار ہے اس قسم کی ظالم حکومت بند فکر فردی و فوجی، انقلاب کے مقابل متزلزل ہوتی ہے اور یہ صورتحال تیسری دنیا کے اکثر ممالک میں پائی جاتی ہے لیکن انقلاب کیلئے بقدر کافی شرط نہیں بلکہ انقلاب کیلئے تین دوسری شرطیں بھی لازم وضروری ہیں۔

۱۔ مخالف سیاسی ثقافتوں کا وجود جو ہر معاشرے میں موجود ثقافتی واقداری پہلوؤں پر مبنی ہو نا کہ مختلف طبقات و گروہ اس کی تشریح کر سکیں، نیز ایسی ثقافت وجود میں لانا جو حکومت اور اس کے غیر ملکی حامیوں کی فعالیت اور ان کے مقابل مقاومت کی توجیہہ کرے، یہ ثقافتی سمت کے تعین اور سماجی تحریکوں کی تشکیل میں زیادہ کردار رکھتی ہیں۔

۲۔ داخلی اقتصادی بحران کا سبب عالمی سطح پر اقتصادی بحران یاوابستہ ترقی یا ڈکٹیٹر شپ کی نااہلی ہو سکتا ہے۔

۳۔ داخلی بحران ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ عالمی نظام میں ایک قسم کی گنجائش و وسعت بھی فراہم ہو کیونکہ تیسری دنیا کے ممالک غیر ملکی دباؤ سے شدید متاثر اور وہ گنجائش ممکن ہے بڑی طاقتوں کی داخلی مشکلات یا بڑی طاقتوں کے مابین طاقت کا توازن متضاد مفادات، انقلابیوں کی مدد یا حکومت کے تشدد کی عدم حمایت کی بنا پر ہو۔

ان حالات میں ناراض سماجی طاقتوں کی طرف سے چند طبقاتی اتحاد قائم ہوتا ہے جس کی کامیابی کا احتمال بہت زیادہ ہے۔۶۶

تیسری دنیا کے انقلابات کا نظریہ اور اسلامی انقلاب

فورن معتقد ہے کہ ایران اور نیکارا گوئے تمام علّی اسباب کے اعتبار سے اس ماڈل کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ ایران میں منفور ڈکٹیٹر ظالم حکومت کی منفعل و مطیع طریقہ سے حمایت جاری تھی، نیکارارگوئے کی حکومت اقتدار سے بیرون اقتصادی ماہرین کی آشکار مخالفت کا شکار تھی، حکومت کی مخالف متعدد سیاسی ثقافتیں اور غیر ملکی طاقتیں ایک دوسرے سے متحد ہو گئی تھیں دونوں ملکوں میں داخلی و خارجی بحرانوں کا ایک ساتھ پیدا ہونا اس تاریخی ملاپ کا نتیجہ تھا جس کی بنیاد وسیع اتحاد پر استوار تھی اور جس نے ۷۹۔ ۱۹۷۸ء میں یہ حکومت کا کنٹرول نسبتاً سریع اپنے ہاتھوں میں لے لیا۶۷ فورن کا استدلال یہ ہے کہ وابستہ ترقی دوسرے چند اسباب کے ہمراہ شاہ کی سرنگونی کا باعث بنی۔

۱۔ حکومت شاہ کے آخری دو سالوں میں پٹرول کی قیمت کا اچانک کم ہو جانا،

۲۔ کارٹر کے زمانہ میں بین الاقوامی نظام کی تھوڑی توسیع،

۳۔ امریکہ کا شاہ کو اس کے حال پر چھوڑ دینا اور اس کی حمایت نہ کرنا

بہتر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ فورن انقلاب کی تشریح عام معنی میں کرتے ہوئے انقلاب اسلامی کو دو واضح مراحل میں دیکھتا ہے۔

۱۔ پہلا مرحلہ، انقلابی بحران کا آشکار ہونا،

۲۔ دوسرا مرحلہ، انقلاب کی کامیابی

مرحلہ اول کی تشریح یا بحران کے آشکار ہونے کے سلسلے میں کہا جائے کہ

ا۔ وابستہ اقتصاد سبب ہوتا ہے کہ حالات اس حد تک خراب ہو جائیں کہ ایک اہم مخالف گروہ پائیدار طریقہ سے ظہور کرے،

۲۔ حکومت کا خود غرض ہونا اور عوام کو کچلنے کیلئے اس کا پولیس و فوج پر اعتماد، انقلابی بحران کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۳۔ تیسرا سبب، ترقی کے میدان میں اقتصادی پسپائی، اس طرح کہ شاہ کی حکومت کے آخری دو سالوں میں پٹرول کی قیمت اچانک کم ہو جانے کی بنا پر شاہ کی اقتصادی توانائی بہت کمزور ہو گئی اور اعتراض کا ایک سبب پیدا ہو گیا۔

۴۔ چوتھا سبب جو بہت ہی اہم ہے بین الاقوامی نظام ہے اس نظام کے تجزیہ میں اقتصادی و عسکری صورتحال دونوں دخیل ہیں بین الاقوامی سطح پر اقتصادی بحران کا مد نظر ملک میں اہم اثر ہوتا ہے بین الاقوامی نظام کے اصل ممالک کے مابین جنگ یا ان کے درمیان مقابلے کا بہت اثر ہوتا ہے، بین الاقوامی نظام کے یہ حالات ایک قسم کے انعطاف کا سبب ہیں اور اس کے نتیجے میں گھٹن کے ماحول والے ملک کے اصل حامی اس ملک کو اس کے حال پر چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے انقلابیوں کی پیش رفت اور اتحاد کا راستہ ہموار ہوتا ہے اور یہ وہ مرحلہ ہے کہ جب حکومت اپنے کنڑول کو کھو بیٹھتی ہے اور انقلاب کو اوج حاصل ہوتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق ایران میں ایسے حالات میں آئینی تحریک چلی کہ جب روس نے جاپان سے شکست کھائی، لہذا ایران کے اقتصاد اور اس وقت کے سیاسی نظام کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا جس کی وجہ سے آئینی تحریک کا راستہ ہموار ہوا اور اسلامی انقلاب کی کامیابی کے وقت بھی شاہ کے حامیوں نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔[۶۶]

حوالہ جات

۱۔ تحول انقلابی، چالمرز جانسوں، ترجمہ: حمید الیاسی، تہران، امیر کبیر ۱۳۶۳۔

''مروری بر نظریہ ہائے انقلاب در علوم اجتماعی'' حمیرا مشیر زادہ، فصل نامہ شمارہ ۹، تہران۔

۲۔ انقلاب اسلامی و ریشہ ہائے آن، سبزہ ای محمد تقی، جزوۂ درسی ۷۶، ۷۵۔

۳۔ ایضاً، ص ۴۔

۴۔ نگاہی بہ رہیافت ہای مختلف در مطالعہ انقلاب اسلامی، حمیرا مشیر زادہ، فصل نامہ ۱۳۷۵۔

۵۔ توسعہ و تضاد، رفیع پور فرامرز، تہران دانش گاہ شہید بہشتی، ص ۲۹۔۲۷۔

۶۔ آسیب شناسی انقلاب اسلامی، سید فرہاد سجادی، ماہنامہ بصائر سال ۴، شمارہ ۲۶، ص ۴۲۔

۷۔ ایضاً، ص ۴۳۔

۸۔ ایضاً، ص ۴۴۔

۹۔ ماموریت در ایران، سولیوان ویلیام، ترجمہ: محمود مشرقی، تہران ۱۳۶۱۔

۱۰۔ سقوط شاہ، ہویدا فریدون، ترجمہ: ج ا، تہران ۱۳۶۵۔

۱۱۔ ظہور و سقوط سلطنت پہلوی، حسین فردوست، تہران ۱۳۶۷۔

۱۲۔ اعترافات جنرال، عباس قرہ باغی، تہران، ۱۳۶۶۔

۱۳۔ خدمت گزاران تخت طاووس، پرویز راجی، تہران، ۱۳۶۴۔

۱۴۔ داستان انقلاب، محمود طلوعی، تہران، ۱۳۷۰۔

۱۵۔ مقدمہ ای بر انقلاب اسلامی، صادق زیبا کلام، تہران، ۱۳۷۲۔

۱۶۔ پاسخ بہ تاریخ، محمد رضا پہلوی، تہران، ۱۳۷۱۔

۱۷۔ سبزہ ای، ص ۳۲، تہران۔

۱۸۔ رفیع پور، ص ۹۴، تہران۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۹۵، تہران۔

۲۰۔ مقالات انقلاب اسلامی و ریشہ ہای آن، صادق زیبا کلام، تہران، ۱۳۷۳۔

۲۱۔ سجادی، ص ۴۶۔

۲۲۔ آسیب شناسی انقلاب اسلامی، سید فرہاد سجادی، ماہنامہ شمارہ ۲۳۰، ص ۴۷۔

۲۳۔ تئوری ہای انقلاب، کوہن آلوین استانفورد، تہران ۱۳۷۴۔

۲۴۔ تبیین در علوم اجتماعی، لیتل دانیل، عبدالکریم شروش، تہران ۱۳۷۴۔

۲۵۔ انقلاب اسلامی یک تحلیل اجتماعی، فرہنگی، پوپک طاعتی، فصل نامہ ۱۳۷۵۔

Theda skocpol states and social revolation (cambridge: cambridge .285) p.1979university press (

۲۶۔ سبزہ ای، ص ۳۳۔

Roberte looney. Economic of the Iranian revolution (New york: .27 .(1982pergamon press

Homa katouzian, The polilical. Economy of Iran (New york: New .28 .(1981york university press

۲۹۔ مشیر زادہ، ص۳۵و۳۶۔

۳۰۔ سبزہ ای، ص۳۷و۳۸ بہ نقل از صادق زیباکلام، مقدمہ ای بر انقلاب اسلامی، ۱۳۷۲۔

۳۱۔ بصائر، سجادی، سال ۳، ش ۲۴، ص۸۷و۸۸۔

۳۲۔ طاعتی پوپک، ص۲۵۵، اخلاق پروتستان وروح سرمایہ داری، وبر ماکس۔

۳۳۔ رفیع پور، ص ۵۲و۵۳۔

۳۴۔ سبزہ ای، ص۳۸۔

۳۵۔ ایضاً، ص ۴۰۔

۳۶۔ نہضت روحانیون، علی دوانی، بنیاد فرہنگی امام رضاؑ۔

۳۷۔ انقلاب اسلامی وریشہ ہای آن، عمید زنجانی، ص ۵۷۲، ۱۳۶۸۔

۳۸۔ تحلیلی بر انقلاب اسلامی، منوچہر محمدی، تہران۔

۳۹۔ ایضاً۔

.40 Hamid Alger. the roots Iranian revolution (London: frances pinter 1985).

.41 Asaf Hussain. Islamic Iran: and counter (London: frances pinter 1985).

۴۲۔ مشیر زادہ، حمیرا، ص ۳۳، ۳۴۔

۴۳۔ مقدمہ ای بر انقلاب اسلامی، صادق زیباکلام، ص ۳۷۔

۴۴۔ بازگشت بہ اسلام از مدرنیسم بہ نظم اخلاق، ایران سال سوم شمارہ ۵۹۱، ص۶۔

۴۵۔ زیباکلام، ص۷۵۔

The skocpol, states and social revolution (cambridge: cambridg .46
.(1979university press

۴۷۔ نظریہ تدا اسکاچپول وانقلاب اسلامی، ہادیان ناصر، فصل نامہ، ش۹، ص۱۸۔

۴۸۔ طرحی برائے مطالعہ زمینہ ہا وعلل اجتماعی وقوع انقلاب اسلامی، فصل نامہ، ش۹، ص۶۷۔

۴۹۔ ایضاً، ص۶۷۔

۵۰۔ ایضاً، ص۴۸۔ ۵۱۔ ایضاً، ص۵۱۔

۵۲۔ ایضاً، ص۵۳۔ ۵۳۔ ایضاً، ص۶۰۔

۵۴۔ ایضاً، ص۶۲۔ ۵۵۔ ایضاً، ص۷۰۔

۵۶۔ ایضاً، ص۷۳۔ ۵۷۔ ایضاً، ص۷۵۔

۵۸۔ ایضاً، ص۶۷۔

۵۹۔ مروری بر نظریہ ہای انقلاب در علوم اجتماعی، فصل نامہ راہبرد، ش۹، ص۱۴۲ و۱۴۳۔

۶۰۔ ایضاً، ص۱۴۵۔

۶۱۔ مقدمہ ای بر انقلاب اسلامی، ص۱۱۳۔

۶۲۔ ایضاً، ص۱۱۴۔

۶۳۔ ساخت قدرت شخصی وفروپاشی حکومت پہلوی، فصل نامہ راہبرد، ش۹، ص۱۱۷ و۱۸۶۔

۶۴۔ مروری بر نظریہ ہای انقلاب در علوم اجتماعی، ص۱۴۸، حمیرا مشیر زادہ۔

John foran "A theory of world social Revoloution" Iran, Nicaragua .65
.(1993and ELSalvador compared critical sociology (

٦٦ـ مروری بر نظریه های انقلاب در علوم اجتماعی، ص ۱۵۰ و ۱۵۱ـ

٦٧ـ نظریه های در خصوص انقلاب اسلامی، مقایسه ای بین ایران نیکاراگوئه، فصل نامه راهبرد، ش ۹، ص ۲۴۴ـ

٦٨ـ نظام بین الملل و انقلاب اسلامی، فصل نامه راهبرد، ش ۹، ص ۲۰٦ـ

٦٩ـ ایضاً، ص ۲۰۱ به نقل از

Richard cottom. Iran and U.S.A, A cold war case study. (princeton: .(1988princeton university press,

حضرت امام خمینیؒ کے زاویہ نگاہ سے اسلامی معاشروں کے سماجی انقلابات کی نوعیت (ڈاکٹر اصغر افتخاری)

مقدمہ

''انقلاب'' کے بارے میں تحقیق کے ذریعے محقق پر حقائق سلسلے میں فلاسفہ کا دعویٰ اور بعض حقائق تک پہنچنے کیلئے واقعات کے مختلف پہلوؤں میں غور وفکر کی ضرورت اچھی طرح آشکار ہو جاتی ہے اور اس اہم واقعہ نے کہ جو انسان کی سماجی حیات میں کئی مرتبہ رونما ہوا ہے اور یہ انسان کی اجتماعی حیات جیسی طولانی تاریخ رکھتا ہے، متعدد مفکرین کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا ہے اس اہتمام کا نتیجہ سحر آمیز سنت کا ظہور ہے کہ الوین اسینفورڈ کوین کے مطابق فلاسفہ، تاریخ دان اور سوشیالوجی کے دانشور طویل صدیوں تک تمام لذت کے ساتھ اس سے علمی استفادہ کرتے رہیں گے۔۱اب جبکہ ہم بیسویں صدی کے آخری سالوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس موضوع کی جذابیت وکشش پہلے کی طرح باقی ہے اور ہم شاہد ہیں کہ محققین جیسے ارک جی ہابز باوم نے ایک جدید نظریاتی کی بات کی ہے تاکہ انقلاب کی ذاتی پیچیدگیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ حالات سے متناسب جدید تشریح کیلئے زمین ہموار کی جاسکے۔۲ہر سال قابل توجہ تعداد میں تحقیقات جو کتابوں اور علمی مقالوں کے عنوان سے اس موضوع سے مختص کی جاتی ہیں مذکورہ مدعا پر بہترین گواہ ہے اور جدید نظریات پیش کرنے کیلئے ہماری حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ شاید ہم اس طریقے سے انقلاب اسلامی کیلئے بہترین تشریح کا امکان فراہم کر سکیں۔۳یہ موضوع دوسرے پہلو سے بھی ہمارے لیے ضروری ہے اور وہ یہ کہ ہم انقلاب اسلامی جیسے عظیم انقلاب کا تجربہ رکھتے ہیں جس نے صرف ملکی حالات کو ہی نہیں بلکہ علاقائی وعالمی سطح پر طاقت وقدرت کے توازن کو متاثر کیا ہے۔انقلاب اسلامی کے تعجب اثرات نے سب کی نگاہوں کو ایران کے حالات کی طرف موڑ دیا ہے۔۴اس طرح کہ اس کیلئے ایک مناسب نظریاتی اصول پیش کرنے کی فراوان سعی کی جارہی ہے۔۵اس کا ذکر ضروری ہے کہ انقلاب نفی کے مرحلہ میں زیادہ علمی ونظری مباحث کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے لیکن اثبات کے مرحلہ میں یہ ضرورت بنیادی واہم تصور کی جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعہ انقلاب مہارت کی سطح اور علمی حلقوں میں خود کو پیش کر سکتے، لہذا اسی بنا پر ایران کا اسلامی انقلاب بھی جو جمہوری اسلامی نظام کی تاسیس کر کے اثبات کے مرحلہ میں قدم رکھ چکا ہے اپنے استمرار وبقا کیلئے علمی حدود ومدارج میں ورود کا محتاج ہے اور اس مقصد کیلئے چاہیے کہ اپنی رائج علمی زبان کی شناخت کر لے اور اس گفتگو میں شرکت کرے، لہذا عصر حاضر میں جسے ''نظریات میں غرق عصر'' کہا گیا ہے۔۶ہمارے لیے انقلاب اسلامی کیلئے انقلاب کا جائزہ ایک انقلابی فرض کا درجہ رکھتا ہے۔

البتہ انقلاب ایران سے متعلق نظریات پیش کئے جانے کا سلسلہ مختلف مراحل کو طے کرچکا ہے اور ہم اس سلسلہ میں متفاوت آراء و نظریات کے شاہد ہیں۔اس درمیان غیر ملکی دانشور زیادہ کردار کے حامل نظر آتے ہیں، ملکی محققین نے انقلاب کی تشریح ان کی پیش کردہ تھیوری کی نہج پر کرنے کی سعی کی ہے یا منفعل ہو کر ان کے تمام معیار کی نفی کرر کھی ہے، یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیاایران کے اسلامی انقلاب کی انقلاب کے رائج معنی کے ایک خاص نظریہ کے قالب میں توجیہہ وتفسیر کیاجاسکتی ہے یا نہیں؟ اگراس سوال کاجواب مثبت ہے تو مفسر کی تھیوری کون سی ہے؟اس سوال کے جواب میں ایک نئی روایت وجود میں آئی ہے جو انقلاب کیلئے مقامی معیار پیش کرنے کی سعی کرتی ہے تاکہ ایران کے اسلامی انقلاب سے ہم آہنگی اور مشابہت برقرار رکھ سکے، مثال کے طور پر کتاب ''نظریہ انقلاب دراسلام'' کے مصنف کوشش کرتے ہیں کہ انقلاب کی تشریح اسلامی سیاست کی گفتگو کے دائرہ میں اور ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کے قالب میں کریں،اگرچہ اس پر اشکال وارد ہے لیکن اس کے باوجود از حیث روش قابل قبول وپسندیدہ ہے۔زیر نظر مقالہ اس حیثیت سے مذکورہ روایت سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں کوشش کی گئی ہے کہ انقلاب سے متعلق جدید نظریہ پیش کیاجائے اس سلسلے میں بانی انقلاب حضرت امام خمینیؒ کے نظریات سے استفادہ کیا گیاہے جو قابل اعتماد ومناسب منبع ہیں۔یہ انتخاب چند وجہ سے مورد تائید ہے۔

اول: اس لیے کہ امام خمینیؒ مکتب اسلام میں عظیم علمی وسیاسی مقام رکھتے ہیں دینی متون اور زمان ومکان کے مقتضیات سے آپ کی شناخت سے یہ اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ ہم نے اپنا نظریہ قائم کرنے میں ایک جدید اور آگے بڑھنے والے اجتہاد وفقاہت سے استفادہ کیاہے۔

دوم: امام خمینیؒ صرف ایک دینی ومذہبی عالم نہیں تھے بلکہ عملی میدان میں بھی ایک عظیم مقام رکھتے تھے۔ایک بڑے انقلاب کی قیادت اور طاقتور نظام کی سرنگونی، یہ وہ امور ہیں جن کو مخالف وموافق دونوں قبول کرتے ہیں یہ امور آپ کی خصوصیات کے چند پہلوؤں کواجاگر کرتے ہیں اوران سے ہمیں یقین ہوتاہے۔ہم امام خمینیؒ کے نظریئے کا جائزہ لیتے وقت نہ تو ہمارے پیش نظر خالص نظریاتی پہلو ہوگااور نہ ہی ہم عمل زدگی کا شکار ہوں گے بلکہ نظریاتی اور عملی دونوں پہلو ہمارے مد نظر ہوں گے۔

سوم: امام خمینیؒ کا انقلابی نظریہ ابتر نہیں تھا کیونکہ عملی میدان میں کامیاب ہوااور جمہوری اسلامی حکومت کی تاسیس کی، لہذا اس نظریئے کی علمی قدر واہمیت بھی مورد تائید ہے۔مذکورہ نکات کے باعث اپنا نظریہ قائم کرنے کے سلسلے میں ہماری توجہ امام خمینیؒ کے زاویہ نگاہ پر مرکوز ہوگئی۔آپ کے نظریات اس مقالے میں اٹھائے جانے والے سوال کے جواب کا بہترین منبع ہیں۔اس کا ذکر ضروری ہے کہ حضرت امام خمینیؒ نے اگرچہ ایک عظیم انقلاب کی قیادت فرمائی لیکن کسی وقت بھی کلاسیک وعلمی طور سے نظریہ

پیش نہیں کیا ہے فقط اس کے اجزا کے بیان پر اکتفا کی ہے، لہذا اس مقالے میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے، امام خمینیؒ کے زاویہ نگاہ کا جائزہ ہے جو کافی نقد و تجزیہ کے قابل ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام خمینیؒ نے اسلامی معاشرے کے حالات کے سلسلہ میں واضح طور سے مطالب اور راہ ہائے حل پیش کئے ہیں لہذا اس مقالے میں بیان شدہ نظریات ہم اسی معاشرے کیلئے پیش کر رہے ہیں۔

اس مقالے میں سب سے پہلے، انقلاب سے متعلق نظریات کا جائزہ لیا جائے گا اس کے بعد حضرت امام خمینیؒ کے نظریات کے تناظر میں انقلاب اسلامی کی سوشیالوجی پر نظر ڈالنے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشروں پر حاکم اقدار سے ہم آہنگ اس سماجی واقعے کی نوعیت کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

آخری نکتہ یہ کہ اسلامی معاشروں میں انقلاب خاص اقدار واعتقادات کی بناپر دوسرے معاشروں سے مختلف علت کا حامل ہو سکتا ہے اور ان علل کی اطلاع علمی پہلو رکھنے کے علاوہ ملک کے سیاسی امور کے پروگرام مرتب کرنے والوں کیلئے مدد و معاون واقع ہو سکتی ہے، لہذا مقالے کے اصل مفاہیم کے بارے میں مختصر وضاحت ضروری ہے۔

۱۔ سماجی انقلاب، حاکم نظام کے سیاسی حصے میں بنیادی تبدیلی جو قدیم سسٹم کی جگہ نئی حکومت وجدید قانون کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے یہ مفہوم (سماجی انقلاب) دوسرے مفاہیم جیسے علمی انقلاب، ادبی انقلاب۔۔۔ کے مقابل وضع کیا گیا ہے تاکہ انقلاب کے ایک خاص مفہوم کی تعریف ہو سکے۔

۲۔ انقلاب کی نوعیت سے مراد سماجی میدان میں اس رونما ہونے کی نوعیت ہے، اس مقالے میں صرف انقلاب کی تعریف بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ حضرت امام خمینیؒ کے سیاسی و سماجی نظریئے کے مطابق انقلاب کی تحقیق کرنا ہے۔

۳۔ اسلامی معاشرہ ایسے معاشرہ کو کہتے ہیں جس کے اکثر باشندے مسلمان ہوں، ایک علاقہ کے اکثر باشندوں کا اسلام پر اعتقاد، یہ امکان فراہم کرتا ہے کہ وہ اصیل اسلامی حقائق کے سلسلہ میں حساس ہوں اور ان پروسسز سے متاثر ہوتے ہوئے جنہیں بعد میں ذکر کیا جائے گا، انقلاب کی شکل میں امور معاشرہ کی اصلاح کریں۔

فصل اول: انقلاب کے نظریات کا تنقیدی جائزہ

انقلاب کے سلسلہ میں اب تک پیش کردہ مختلف زاویہ ہائے نگاہ میں سے ساموئیل ہانٹنگٹن کی تعریف زیادہ اعتبار کی حامل نظر آتی ہے وہ انقلاب کو ایسی صریح دگرگونی سے تعبیر کرتا ہے جو مبانی واساس میں ظہور پذیر اور پر تشدد ہو، انقلاب، نوسازی کی بنا پر برپا ہوتا ہے کیونکہ اس نوسازی کی وجہ سے عوام کی توقعات میں اضافہ اور عمیق طبقاتی شگاف کا ظہور ہوتا ہے، ملک کی سیاسی ترقی کی عدم ظرفیت کی بنا پر حاکم جماعت کا عوامی مطالبات پورا کرنے سے قاصر رہنا، اس کا اہم سبب ہے، انقلاب سماجی صورتحال و معاشرے کے سیاسی اقدار، قیادت اور حکومتی وسیاسی فعالیت کو متغیر کر دیتا ہے۔[۹] اب تک محققین کی جانب سے انقلاب کی تقسیم بندی کیلئے مختلف معیار پیش کئے گئے ہیں ان میں سے علت انقلاب [۱۰] سیر انقلاب [۱۱] و نتائج انقلاب [۱۲] کے معیار کی طرف اشارہ کی جاسکتا ہے، ہم تنقید و تحقیق میں سہولت کی خاطر تحلیلی زاویہ نگاہ سے موجود اہم نظریات کی طبقہ بندی کرتے ہوئے ان کا جائزہ لیں گے تاکہ اس طریقہ سے انقلاب اسلامی ایران کی تشریح میں ان کی عدم صلاحیت کو بطور اجمال پیش کیا جاسکے۔

ا۔ اقتصادی زاویہ نگاہ

اقتصادی زاویہ نگاہ کی بنیاد، کارل مارکس کے نظریات ہیں اور یہ "کمیونسٹ پارٹی کے بیان میں مختصر وآشکار پیش کیا گیا ہے" اس کے دو بنیادی عناصر ہیں۔ اقتصادی صورتحال سے آگاہی اور اسے دوسری صورتحال پر ترجیح واولویت قرار دینا، اس اصول کے مطابق انقلاب سے مراد مزدور طبقہ کی سعی و کوشش ہے جو اپنے سماجی واقتصادی مفادات سے آگاہی حاصل کر کے اس کوشش میں ہیں کہ سرمایہ دار طبقہ کو ختم کر کے اپنے حقوق حاصل کریں [۱۳] اس نظریہ نے تجزیہ نگاروں کی ایک جماعت کی توجہ اپنی جانب مبذول کرلی ہے ہر ایک نے اپنے طور پر اسلامی انقلاب کی تشریح کی ہے مذکورہ زاویہ نگاہ کو درج ذیل مزید ذیلی زاویہ ہائے نگاہ میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

الف۔ "بے وقت ماڈرنائزیشن" کا زاویہ نگاہ

ان ارباب قلم کے گمان میں، شاہ نے عجلت میں پٹرول کی آمدنی میں اضافہ کے باعث اقتصادی ترقی کا پروگرام شروع کیا کیونکہ یہ اقتصادی پروگرام یک پہلو کا حامل تھا، سیاست کے دوسرے پہلو مد نظر قرار نہیں دیئے گئے تھے، لہذا اس کے منفی اثرات مرتب ہوئے جس کا نتیجہ عمومی ناراضگی اور انقلاب تھا اس سماجی واقعے کے ظہور کی روش پیچیدہ ہے اور مختلف نظریات کے اعتبار سے متفاوت ہے مثال کے طور پر بعض یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اقتصادی صورتحال کے برخلاف جو ماڈرنائزیشن کا شکار ہوگئی تھی سیاسی صورتحال نے پسماندہ ترقی کی بنا پر استبدادی شکل اختیار کرلی تھی اور اس بنا پر معاشرے کو جذب اور اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے قاصر تھی لہذا یہی امر سبب بنا کہ شاہ انقلاب کے ذریعہ صفحہ ہستی سے محو ہو جائے۔[۱۵]

اکثر نے ماڈرنائزیشن کے اہم مظاہر جیسے شہر نشینی، حکومت کے اقتصادی پروگرام کے اجرا کی بناپر دیہات والوں کی بڑے شہروں کی طرف نقل مکانی کو انقلاب کیلئے اصل سبب قرار دیا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق نقل مکانی معاشرے میں اقتصادی شگاف اور دو طبقات یعنی فقیر و غنی کے وجود میں آنے کا سبب بنی ہے اور انقلاب بھی اسی شگاف کی بناپر رونما ہوا۔[۱۶]

ب۔ تقلیدی زاویہ نگاہ

اس قسم کی تحلیل و تحقیق کا مقصد انقلاب کو سادہ اقتصادی واقعات سے منسلک کرنا ہے جیسے عوام کی روزمرہ اشیائ، شاہ کی اقتصادی مشکلات۔۔۔ جو مشرقی بلاک کے نظریات و نعروں سے متاثر ہو کر اور روٹی، روزگار اور مکان کو معیار قرار دیتے ہوئے انقلاب ایران کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں، بائیں بازو کی سیاسی جماعتیں انقلاب کے اوائل میں اس زاویہ نگاہ کی زیادہ تاکید کرتی تھیں اور امپیریل ازم بت کو ختم کر کے عملاً مارکس کے نظریات کو عملی جامہ پہنانا چاہتی تھیں[۱۷] مجاہدین خلق، تودہ پارٹی، سوشلسٹ مزدور پارٹی وغیرہ کا اسی تناظر میں جائزہ لیا جاسکتا ہے۔[۱۸]

۲۔ سوشیالوجیکل زاویہ نگاہ

اس زاویہ نگاہ میں سماجی صورتحال کو ترجیح حاصل ہے اس بناپر انقلاب کا ادراک سماجی صورتحال کے تجزیہ سے متعلق ہے کہ آیا یہ انقلاب کا سبب ہے یا نہیں؟ معاشرہ کا الگ الگ لوگوں پر مشتمل ہونا یا حکومت و مدنی معاشرے کے درمیان نزاع یا ان دو اسباب سے مرکب نوعیت سماجی صورتحال کو انقلابی کرنے میں موثر کردار ادا کرسکتی ہے۔

ہانا آرنٹ اور ویلیم کورن ہاوزر نے معاشرتی تجزیہ پہ تکیہ کرتے ہوئے بکھرے ہوئے لوگوں کے معاشرہ کو تنہا و سرگرداں افراد جن کے احساسات ان کے اعمال پر غالب ہیں اور تزلزل عقیدہ سے دچار ہیں نسبت دے کر کوشش کی ہے کہ انقلاب کے ظہور و آغاز کی علت بیان کریں۔ البتہ یہ زاویہ نگاہ ایران کے انقلاب میں کمتر مشاہدہ ہوتا ہے لیکن اس کی علامتیں، جرولڈ گرین کے مقالہ "ضد آمادگی۔۔۔" اور حمید عنایت کے قلمی اثر "انقلاب در ایران" میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔[۱۹] مرحوم حمید عنایت کے اس اثر میں آشکار طور سے، آنومی کے مفہوم سے انقلاب ایران کے تجزیئے کیلئے استفادہ کیا ہے کہ یہ مفہوم ڈورکہایم سے متعلق ہے جس کو سوشیالوجی میں اہم مقام حاصل ہے۔[۲۰]

مدنی معاشرہ اور حکومت کے درمیان نزاع کو انقلاب قرار دینے والے جائزے میں قارئین کے اذہان میں مارکس کا طبقاتی نزاع کا نظریہ جلوہ گر ہونے لگتا ہے۔ البتہ اس دفعہ جدید و تازہ حیثیت سے، اس مبنا پر کہ سیاسی تنظیمیں احزاب دراصل ایک طبقہ سے خارج ہوتی ہیں اور اپنے کو ایک طبقہ میں تبدیل کر لیتی ہیں کہ یہیں سے حکومت اور حکمراں طبقہ کے خلاف انقلابی شکل میں مبارزت

شروع ہو جاتی ہے، یثاق پارسا کی یہ تحلیل کہ تیسری دنیا کے ممالک جن میں ایران بھی ہے مرکز اور بین الاقوامی نظام میں چند تعارضات کی بناپر انقلاب سے دچار ہوں گے اسی نظریہ پر استوار ہے۔۲۱ نیز ایران میں شیعہ مکتب میں مدنی اداروں جیسے علمائ، مرجعیت اور بازار کی تاکید اور اسلامی انقلاب میں ان کے مقام کی علمی پشت پناہی بھی یہیں سے ہوتی ہے۔ بازار اور اسلامی انقلاب میں ان کا مقام اسی سرچشمہ سے علمی تغذیہ کرتے ہیں۔۲۲

۳۔سیاسی زاویہ نگاہ

اس زاویہ نگاہ سے انقلاب، حکومت کے سرکوبی کے ادارے میں کمزوری پیدا ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ مخالف گروہ اس صورتحال سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے ہیں اور حصول اقتدار کیلئے امکان و موقع پاتے ہیں۔

ویلفرد و پارہ ان اہل قلم میں سے ہے جنہوں نے Elitism کے قالب میں اس نظریئے کی علمی تشریح کی ہے، یہ نظریہ ہانٹنگٹن اور چارلز ٹیلی جیسے افراد کے نزدیک بھی قابل درک و فہم ہے اور آج بہت زیادہ افادیت و صراحت کی بناپر اکثر تجزیہ نگاروں کیلئے توجہ طلب واقع ہوا ہے ہانٹنگٹن نے اپنے مقالہ ''سامان سیاسی در جوامع دستخوش تحول'' میں اس کے سلسلہ میں تفصیلی گفتگو کی ہے، ٹیلی نے بھی اپنے مقالہ ''محرومیت ناشی از فقدان قدرت سیاسی'' میں اس نظریہ کو تقویت پہنچائی ہے،ایران کے انقلاب سے متعلق قلمی اثر'' مقدمہ ای بر انقلاب اسلامی ایران'' شایان ذکر ہے مصنف نے اس کتاب میں ہانٹنگٹن کے ماڈل سے استفادہ کرتے ہوئے ایران کے حالات کا جائزہ لیا ہے تاکہ انقلاب اسلامی کی علت ظہور و آغاز کو واضح کر سکے۔۲۴

۴۔عقیدتی زاویہ نگاہ

انقلابیوں کی اصول عقائد پر توجہ کرتے ہوئے اس زاویہ نگاہ سے واقعات کے جائزے کی بنیاد میکس ویبر کے ہیں،اس کی نظر میں عقیدتی نظاموں میں بعض کی نوعیت ذاتی طور سے انقلاب آفرین ہے جبکہ بعض دوسرے پر امن ہیں اور انقلاب سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔۲۵

یہ زاویہ نگاہ انقلاب کی کامیابی کے بعد داخلی تجزیہ نگاروں کیلئے زیادہ پر کشش تھا اور اس پر زیادہ توجہ دی گئی ہے،اس زاویہ نگاہ کی ریڈیکل صورت انقلاب کیلئے صرف ایک علت تلاش کرنے کیلئے کوشاں ہے جو کہ وہ مذہب ہے اس نے دوسرے تمام میلان ورجحانات کی نفی کر دی ہے اور مجوزہ اسباب کو مسترد کر دیا ہے۔۲۶

البتہ اس زاویہ نگاہ کی ایک معتدل صورت بھی ہے جو مذہب کے ساتھ ساتھ دوسرے اسباب کو بھی قبول کرتی ہے جو مذہب ہی کی طرح موثر تھے اور انقلاب ان کی بناپر برپا ہوا ہے۔۲۷

نتیجہ

مذکورہ زاویہ ہائے نگاہ میں غور و فکر اور اسلامی انقلاب ایران کی تشریح میں ان کے استعمال کے تنقیدی جائزے کا نتیجہ یہ ہے کہ مذکورہ زاویہ ہائے نگاہ میں سے ایک بھی انقلاب ایران کے تمام پہلوؤں کے تجزیئے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، اس امر کی علت یہ ہے کہ مذکورہ زاویہ ہائے نگاہ میں سے ہر ایک میں کسی ایک پہلو پر توجہ دی گئی ہے اور انقلاب ایران کی جامعیت و کلیت سے آگاہی نہیں رکھتے ہیں حتی یہ بات عقیدتی نظریہ کے سلسلے میں بھی صادق ہے کیونکہ اس نے سیاسی سماجی و اقتصادی پہلوؤں کے بارے میں غفلت سے کام لیا ہے۔ اس کے علاوہ ایران سے متعلق بیان شدہ نظریات کی تجویزی توانائی بہت کم ہے، بیشتر توصیفی پہلو رکھتے ہیں، آئندہ نظام کے تحفظ کی ضمانت کے عملی اسلوب پیش کرنے سے قاصر ہیں حالانکہ بانی انقلاب حضرت امام خمینیؒ کے افکار و نظریات کے اندر انقلاب کی واضح تصویر موجود ہے اور وہ کاملاً ایران کے حالات سے سازگار ہے۔ توصیف سے ہٹ کر انقلاب و ایران کے مستقبل کیلئے عملاً واضح تجویزیں رکھتی ہے۔ بعد والی فصل میں اس زاویہ نگاہ اور اس کے مثبت نتائج پر ایک نگاہ ڈالی جائے گی۔

فصل دوم: انقلاب سے متعلق اقماری زاویہ نگاہ

حضرت امام خمینیؒ کے سیاسی نظریات میں وارد ہونے سے قبل ایک نکتہ کا ذکر ضروری ہے وہ یہ کہ اصولاً امام خمینیؒ نے انقلاب کا کوئی اکیڈمیک نظریہ پیش کرنا نہیں چاہتے تھے، بلکہ آپ نے ظلم و ستم کی نفی[1] کے سلسلہ میں الٰہی وعدے کے تحقق نیز انجام تعہد جسے خدا نے علماء سے لے رکھا ہے کہ ظالم کی پرخوری و مظلوم کی گرسنگی پر صبر نہ کریں[2] ملک میں اسلامی حکومت کی تشکیل والٰہی حدود کے اجراء کیلئے قیام فرمایا تھا۔ آپ اس راہ میں واضح نظریاتی اصولوں کے حامل تھے جن سے انقلاب کے سلسلہ میں خاص نظریہ کا استنتاج ممکن ہے۔

1. امام خمینیؒ: ملت اسلام ایسے مکتب کی پیرو ہے جس کا خلاصہ دو کلمہ میں ہوتا ہے: {لا تظلموا ولا تظلمون}۔۲۸

2. علمائے اسلام ظالموں کے ناجائز استفادہ اور اجارہ داری کے خلاف جدوجہد کے پابند ہیں، انہیں برداشت نہیں کرنا چاہیے کہ ایک اچھی خاصی تعداد بھوکے اور محروم لوگوں کی ہو اور ان کے پہلو میں غارت گر و حرام خور ناز و نعمت میں زندگی بسر کریں! امیر المومنین (ع) فرماتے ہیں: میں نے حکومت کو اس وجہ سے قبول کیا کہ خداوند عالم نے علمائے اسلام سے وعدہ لیا ہے اور ان پر لازم کیا ہے کہ پرخوری غارت گری، ظلم و گرسنگی اور ستمدیدوں کی محرومیت پر خاموش نہ بیٹھیں۔۲۹

الف۔ سماجی واقعات کے جائزے کے سلسلے میں امام خمینیؒ کی روش

سماجی واقعات خصوصاً انقلاب کے سلسلہ میں حضرت امام خمینیؒ کی سیاسی روش کو درک کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اسلامی معاشرے کی مجموعی صورتحال کا آپ کے نظریات کے پرتو میں جائزہ لیا جائے۔

مذکورہ جائزے سے حاصل شدہ نتیجہ، حضرت امام خمینیؒ کی مجموعی روش کو بیان کرتا ہے۔

حضرت امام خمینیؒ کی عملی و نظری سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اسلامی معاشرے کے اندر دو اصل کی ساخت و وضع کو اہمیت دیتے ہیں ایسی ساخت جس سے سماج و معاشرہ کا ثبات ان کے حفظ و سلامتی سے متعلق ہے ان کے اندر ہر قسم کی عدم رسائی یا ان کے روابط کے درمیان ہر قسم کا خلل و خدشہ معاشرہ کے عدم استحکام کا سبب ہے جس کی انتہائی منزل انقلاب ہے۔ یہ دو ساخت و وضع درج ذیل ہیں۔

ا۔ محور ولایت

۲۔ اقتصاد (سیاست و ثقافت)

توضیح: حضرت امام خمینیؒ کے نظریئے کے مطابق ولایت، اجتماعی و سماجی محور کیلئے ایک بنیادی اصل ہے جو سارے نظام کو کنڑول اور اس کے تعادل و سلامتی کا تحفظ کرتی ہے۔ دوسری اصل اقتصاد ہے جس کے ذیلی ہدف سیاست و ثقافت ہیں جو ولایت ہی کے محور میں قرار پاتے ہیں تاکہ جو معاشرے کی مادی و معنوی ضرورتوں کو رفع کرنے میں مشغول ہیں۔

ا۔ محور ولایت

حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں معاشرے کے تمام امور دینی اقدار کے محور پر ہونا چاہیے، بنیادی طور سے اسلامی معاشرے کے تمام واقعات دین سے متعلق ہو کر ہی اپنے واقعی معنی و مفہوم کو حاصل کریں روح دینداری معاشرے کے پورے نظام میں جاری و ساری ہو لہذا معاشرے کی ساخت اس طرح سے تیار کی جائے کہ اس میں ایک محور و مرکز کا وجود ہو جس کا اہم و عظیم ہدف دینی اقدار کی بنیاد پر سماج و معاشرے کے دوسرے ارکان کو ہم آہنگ و متحد کرنا ہو۔ حضرت امام خمینیؒ نے اس اہم و بنیادی مقصد کیلئے ولایت اصل کی تعریف فرمائی، آپ کتاب "ولایت فقیہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

ولی فقیہ حکومتی منزلت و شان رکھنے کے علاوہ، اسلامی نظام کا موسس ہے۔

نظام لفظ کے وسیع معنی ومفہوم پر توجہ نیز حکومت سے قیاس کرتے ہوئے اس اصل کی وجودی اہمیت وعظمت کو درک کیا جاسکتاہے۔

جس طرح پیغمبر اکرم ﷺ اسلامی نظام کی برقراری اور اجرا احکام کیلئے مامور کئے گئے تھے۔۔۔ عادل فقہاء بھی اسلامی معاشرتی نظام قائم کریں۔۳۰

مذکورہ عبارت کے سلسلہ میں دو ظریف نکات کی یاد دہانی ضروری ہے۔

اول: یہاں ولایت کو ایک اصل وضع کے طور پر بیان کیا گیا ہے جو ایک فرد یا فردی خصوصیت سے بالاتر ہے، یہ اصل (محور) جو اسلامی معاشرے کی حیات کے ہر دور میں خواہ عصر غیبت ہو یا حضور، ضروری و مورد احتیاج ہے خاص ضوابط واصول کے تحت تعریف کی جاتی ہے جو کاملاً غیر فردی ہے، اس بنیاد پر پیغمبر اکرم ﷺ ائمہ اطہار (ع) اور عصر غیبت میں ولی فقیہ، ولایت اصل کی تاسیس کے متولی امر ہونے کی بنا پر یکساں ہیں۔ یعنی اسلامی معاشرہ ایک ایسی اصل وادارے کا ضرورتمند ہے جو معاشرے کے کلی وعمومی حالات کی نگرانی کرے اور دیکھے کہ معاشرے کے امور دینی اقدار واصول کے قلمرو سے خارج نہ ہوں چونکہ ولی فقیہ کا شمار اس ادارے اصل کے موسس کی حیثیت سے ہوتا ہے لہذا وہ پیغمبر اکرم ﷺ وائمہ اطہار (ع) کی طرح حکومتی اختیارات کا حامل ہوتا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔

یہ توہم کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا حکومتی اختیارات حضرت امیر المومنین (ع) سے زیادہ تھا یا حضرت علی (ع) کے حکومتی اختیارات فقیہ سے زیادہ ہیں، باطل اور غلط ہے۔ البتہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے فضائل ومناقب تمام عالم سے کہیں زیادہ ہیں۔ لیکن معنوی فضائل کی زیادتی حکومتی اختیارات کو زیادہ نہیں کرتی۔۳۱

دوم: ولایت اور سیاست اصل وساخت کے مابین ایک دقیق فرق ہے جس پر کم توجہ کی جاتی ہے۔ حضرت امام خمینیؒ کے نظریئے کے مطابق حکومت صالحین کے ہاتھوں میں ایک وسیلہ ہے تاکہ اسلامی مقاصد اور اصولوں کو عملی جامہ پہنایا جائے اور روزمرہ کی حوائج کو رفع کیا جائے، لہذا حکومت ایک ذریعہ ہے اور کاملاً معاشرے کے حالات سے متاثر اور وابستہ ہے [1] چونکہ حکومت اپنے عام معنی ومفہوم میں، تین مجموعے سیاست، اقتصاد اور ثقافت سے متعلق ہے اور سیاست روز کے دائرہ میں قرار پائی ہے لہذا سیاسی امور سے شدید متاثر ہوتی ہے اس بنا پر حکومتوں کی مقبولیت کا گراف فراز ونشیب کا شکار ہوتا رہتا ہے، لیکن منصب ولایت اس قلمرو

1. امام خمینیؒ: ذاتاً حکومت کا عہدہ حاصل کرنا شان ومنزلت نہیں ہے بلکہ یہ فرض کی انجام دہی، احکام اسلام کے اجراء اور عادلانہ نظام کی برقراری کا ذریعہ ہے۔

وساخت میں قرار نہیں پاتا بلکہ سیاسی مجادلات ونزاع سے بالاتر، حکومت امور پر ناظر اور رفع مشکلات میں حرف آخر ہے اس کے اوامر مطاع، کلام فیصلہ کن ہیں منصب ولایت کو روزمرہ کے سیاسی مسائل، متغیر نہیں کر سکتے ہیں اس کی مقبولیت وجواز ثابت وحفاظت شدہ ہے تاکہ اپنے اصل و مخصوص فرض وامر یعنی نظام کی سلامتی اور اصول اسلام کا اجراء کو بخیر وخوبی انجام دے سکے؛ الغرض، اسلامی معاشرے میں اگرچہ حکومتیں آتی جاتی ہیں لیکن ولایت ان کی کارکردگی اور سیاست میں حدبندی و تعریف نہیں ہونا چاہیے معاشرہ کے روزمرہ مسائل اور دھڑے بندی کے مقابل حضرت امام خمینیؒ کی کارکردگی مذکورہ مدعا کا بہترین گواہ ہے اور ہمیں ولایت کے محوری ہونے کے مفہوم و معنی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

۲۔ غیر محوری اصول

حضرت امام خمینیؒ صرف آئیڈیالسٹ نہیں تھے کہ اسلامی معاشرہ میں افراد کی اجتماعی حیات کا تجزیہ کرتے ہوئے صرف اقداری امور پہ توجہ فرماتے ہوں اور حقیقت سے غافل ہوں، اسی بناپر مشاہدہ ہوتا ہے کہ آپ تین اہم موضوعات، اقتصاد، سیاست اور ثقافت کو بھی مدنظر رکھتے ہیں اور ان کے اثرات کو ہرگز نظرانداز نہیں کرتے، اس سلسلے میں ذیل کے نکات قابل توجہ ہیں:

اول: حضرت امام خمینیؒ کا سماجی و معاشرتی نظریہ کچھ اس نوعیت کی ہے کہ اس میں افراطی شدت پسندی و سطحی بحث یعنی یک طرفہ تاثیر گزاری ۳۳ کی بحث نہیں ملتی ہے۔[1] اس بناپر حاشیہ ای صفت اصول کو اثر کے مقام سے تنزل دینا مقصود نہیں ہے کیونکہ آپ کی نظر میں تمام ساخت واصل اہم اور قابل توجہ ہیں۔ حضرت امام خمینیؒ حیات انسانی کا ہدف ایمان الٰہی [2] سے تمسک، تہذیب نفس [3] الٰہی اقدار کو عملی طور سے رائج کرنا [4] تاکہ انسان اس طریقہ سے خودبینی کے بند [5] سے نجات حاصل کریں اور الٰہی انسان ہو جائیں [6] اسی بناپر تمام مادی ومعنوی حوائج کا برطرف کرنا حاکم نظام کے سیاسی دستور میں قرار دیا گیا ہے لہذا اس حیثیت سے محوری وحاشیہ ای ساخت واصل اجتماعی شان رکھتے ہیں۔

---

1. امام خمینیؒ: وہ افراد جو اقتصاد کی باتیں کرتے ہیں اور سب چیز کو اقتصاد سے متعلق سمجھتے ہیں وہ انسان کو حیوان تصور کرتے ہیں حیوان کی ہر شئے اقتصاد پر فدا ہے۔ ۳۴
2. امام خمینی: ایمان کی تعبیر یہ ہے کہ عقل سے درک کئے ہوئے مسائل قلب کے ذریعہ باور ویقین حاصل کرلیں قلب سمجھے کہ تمام عالم محضر خدا ہے اور محضر خدا میں معصیت نہ کرے۔ ۳۵
3. امام خمینی: جمہوری اسلامی میں تمام پروگرام و عمل کی بنیاد تہذیب نفس پر ہونی چاہیے عالم ہونے سے قبل تہذیب نفس، طالب علم ہونے سے قبل تہذیب نفس۔۔۔ ۳۶
4. امام خمینیؒ: یہ دعائیں انسان کو ظلمت سے رہائی دیتی ہیں یہ دعائیں آدمی کو انسان بناتی ہیں۔ ۳۷
5. امام خمینیؒ: اگر انسان تزکیہ ہو جائیں تو سرکشی ختم ہو جائے گا ان اختلافات کی جڑ نفسوں میں سرکشی کی بناپر ہے۔ ۳۸
6. تمام عبادات وسیلہ ہیں کہ بالقوہ انسان کا قلب فعلیت میں تبدیل ہو اور انسان ہو جائے ایک الٰہی انسان ہو جائے۔ ۳۹

دوم: یہ کہ تاریخ میں انسانوں کی احتیاجات وضروریات میں تنوع ہو سکتا ہے جس کی بناپر غیر اصلی ساخت کم وزیادہ ہو سکتے ہیں، حضرت امام خمینیؒ زمان ومکان کے مقتضیات وحالات سے مکمل طور پر آگاہ اور واقف تھے، لہذا انسان کی سرنوشت میں ان کے کردار کے منکر نہیں تھے۔

ب۔ اسلامی معاشروں میں حضرت امام خمینیؒ کے نظریئے کے مطابق انقلاب کے اسباب کی از سرنو شناخت کے بحث میں حضرت امام خمینیؒ کے سماجی وسیاسی نظریئے پر توجہ کرتے ہوئے انقلابی واقعات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے اور اس کی اجتماعی شکلوں (اقسام) کو واضح کیا جاسکتا ہے لہذا اس مقصد کیلئے ہر ساخت اور وضع کی ماہیت اور ان کے مابین روابط کا تجزیہ ضروری ہے۔

وضاحت: حضرت امام خمینیؒ نے مجموعی طور سے اسلامی معاشرہ میں انقلاب لانے والے چار اسباب کی شناخت پیش کی ہے۔

ا۔ اقدار کے ماحول کا متزلزل ہونا، یعنی اسلامی آئیڈیالوجی کا غلط انداز میں تفسیر کیا جانا کہ معاشرے میں خالص محمدیؐ اسلام کی خصوصیات ظاہر وآشکار نہ ہو سکیں۔

۲۔ محوری ومرکزی بنیاد کا متزلزل ہونا، ولایت کا اپنے اصل مقام سے جانا اور اس کا روزمرہ کے سیاسی نزاع کے دائرے میں تفسیر کیا جانا یا اس مقام پر کم صلاحیت فرد کا امور کو ہاتھ میں لینا۔

۳۔ غیر محوری بنیاد کا متزلزل ہونا، معاشرہ کے امور کا صحیح طریقہ سے انتظام نہ کیا جانا جو کہ نظام کے جواز کے خاتمے کا سبب ہے۔

۴۔ ساخت ووضع کے متقابل روابط کا تزلزل کہ حاشیہ ای ساختوں کا محوری ساخت سے استقلال طلبی یا محوری ساخت کو الگ تھلک کر کے ظہور کیا جانا۔

مذکورہ معیار کے قالب میں حضرت امام خمینیؒ کے نظریئے کا از سرنو جائزہ لیا جاسکتا ہے اور اس طریقہ سے اسلامی معاشروں میں انقلاب کی ماہیت کو درک کیا جاسکتا ہے بحران کے چہار گانہ اسباب درج ذیل ہیں:

ا۔ اقدار کے ماحول کا متزلزل ہونا اور ان کا ساخت میں سرایت کرنا

قدریں مسلمانوں کی حیات میں اہم کردار رکھتی ہیں۔ حضرت امام خمینیؒ نے مختلف مقامات پر اس نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

''مقصد یہ ہے کہ اسلام کے عالمی احکام زندہ ہوں اور ان کا اجراء کیا جائے''۔۴۰

''ہم نے جو انقلاب برپا کیا ہے اسلام کیلئے برپا کیا ہے''۔۴۱

لھذا حضرت امام خمینیؒ کے نزدیک اسلامی قدریں بہت اہمیت کی حامل ہیں اس طرح کہ جب آپ دوسرے اسباب و ساخت اور اس کے کردار کو بیان کرتے ہیں تو انہیں الگ سے بیان نہیں کرتے بلکہ اسلامی پہلو کی تاکید و یاد دہانی فرماتے ہیں۔ مثال کے طور پر شاہ کی فقط اقتصادی و ثقافتی پالیسیاں انقلاب برپا ہونے میں موثر نہ تھیں بلکہ ان کے عملی اثرات اسلام کی ساخت میں موثر تھے۔

''ہماری ملت اس قسم کے مسائل کو اہمیت نہیں دیتی ہے کہ مثلاً ہمارے اقتصاد کا کیا ہوگا وہ اسلام کی خواہاں ہیں''۔۴۲

نتیجہ یہ ہے کہ اگر اسلامی معاشرے میں حاکم آئیڈیالوجی خالص محمدیؐ اسلام کے معیاروں سے فاصلہ اختیار کرلے اور اس کی اس طرح تشریح کی جائے کہ اپنی اصالت کھو بیٹھے تو ظاہر ہے کہ معاشرے کی بنیادیں شدیداً متاثر ہوں گی اور ایک استبدادی یا مغربی طرز کی جمہوری حکومت قائم ہو جائے گی، لہذا اقداری ماحول، نوع حکومت کے تعین میں موثر ہے اسی بنا پر اصیل اسلامی معاشرے کے مطالبات اور موجود حقائق کے مابین شگاف ناراضگی کا وجود انقلاب کا سبب ہے۔ البتہ اسلامی معاشرہ ابتدائی مراحل میں سعی کرتا ہے کہ دوسرے وسائل جیسے امر بہ معروف و نہی از منکر یا نصیحت مسلمین کے ذریعہ ان شگافوں اور مشکلات پر فائق آئے اور حکام کو صحیح راستہ کی راہنمائی کرے لیکن اگر حکام اپنے طریقے و روش کو تبدیل نہ کریں تو یہ شگاف عمیق ہوتے جائیں گے اور انقلاب کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔ حضرت امام خمینیؒ کی جانب سے مغربی معیار کی نفی ۴۳ اور اصیل نبویؐ و علویؑ معیار سے استفادہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

''حکومت، سیاست و معاشرت کیلئے میزان معنوی قدریں ہیں۔ صدر اسلام کے دو زمانوں میں دو بار حقیقی اسلام کی حکومت قائم ہوئی ایک رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دوسری علی (ع) کے زمانے میں کوفہ میں تھی''۔۴۴

۲۔ محوری بنیاد کا تزلزل اور اس کا ماحول میں سرایت کرنا

اگر بنیادی محور جو سلامت نظام کی نگرانی کا متولی ہے اپنے اصل فرض و عمل کو انجام نہ دے سکے تو نظام کا جواز خطرے میں پڑ جائے گا اور عوام اسلام کی عملی سیاست سے مایوس ہو جائیں گے یہ صورتحال چند صورتوں میں ہو سکتی ہے کہ جس کا نتیجہ انقلاب کیلئے زمین ہموار کرنا ہے۔

اول: وہ فرد یا شوریٰ جو اس محور و مرکز میں ہے شرائط لازم سے عاری ہو جیسے فقاہت و تدبیر، عدالت اور زمان و مکان سے آشنائی یا یہ کہ ان شرائط کو کھو بیٹھنے کے باوجود مسند ولایت پر باقی ہے، کیونکہ محور ولایت نظام میں تعادل کا وجود بہتری کا ضامن ہے اس سلسلہ میں معمولی سی سہل انگاری معاشرے کے توازن کو خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

دوم: معاشرے کے رائج، سیاسی مسائل کے نزاع کی حد تک محور ولایت کی شان کا تنزل ایک دوسری آفت ہے جو ولایت کو خاص حزب، گروہ یا ایک جناح کے حامی میں تبدیل کر دیتی ہے جس کے نتیجے میں صاحب منصب اپنے فرائض کو انجام دینے میں سستی کا شکار ہو جاتا ہے۔ حضرت امام خمینیؒ ولی فقیہ کے مقام کی تاکید فرماتے ہوئے مجلس خبرگان کے اہم فرض کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ آپ کی عملی سیرت مکمل طور پر مذکورہ مطالب کی تاکید کرتی ہے۔ آپ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''اگر میں نے ایک قدم غلط رکھا تو ملت کا فرض ہے کہ کہے: تم نے قدم غلط رکھا ہے، تم اپنی حفاظت کرو۔ عوام توجہ رکھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کسی وقت اسلامی اصول کے خلاف ایک کلمہ کہہ دوں، (عوام) بتائیں۔ لکھیں اور اعتراض کریں''۔ ۴۵؎

حضرت امام خمینیؒ کی مذکورہ حساسیت ایک ظاہری مسئلہ نہیں بلکہ ایک سماجی اہم فرض کا بیان ہے کہ اس کے مطابق ملت محور ولایت کے سلسلے میں جوابدہ ہے۔ آپ کی اس تاکید و حساسیت کی جڑیں نبویؐ و علویؑ سنت و سیرت میں ہیں اور اس عہدے کی اہمیت و عظمت کو اجاگر کرتی ہے ورنہ اس قدر توجہ ضروری نہ تھی۔ ۴۶؎

۳۔ غیر محوری ساخت کا تزلزل اور مرکز واقدار میں اس کی سرایت

اسلامی معاشرے میں عوام کے مادی حوائج بہ نحو احسن پورے کئے جائیں، امن، مکان، غذا، کام، سہولتوں (قرض الحسنہ) ثقافتی پروگرام کیلئے امکانات جو انسان اور اس کی ترقی کیلئے ضروری ہوتے ہیں اسی بنا پر اسلامی نظام ان کو پورا کرنے میں بے توجہ یا کم توجہ نہیں ہو سکتا ہے اگر نظام مذکورہ امور کو انجام نہ دینے کی بنا پر عوامی مقبولیت سے ہاتھ دھو بیٹھے تو یہ مسئلہ آخرکار نظام کے جواز میں سرایت کر سکتا ہے اور باطل اپنے زعم ناقص میں اسلامی آئیڈیالوجی کی عدم صلاحیت کا پروپیگنڈہ کر کے اسلامی معاشرے کو اضطراب کا شکار بنا سکتا ہے، اس صورتحال کا تسلسل اور دباؤ میں اضافہ نظام کو رائے عامہ کے نزدیک غیر معتبر کر سکتا ہے جس کا نتیجہ اسلام کے متبادل نظاموں کا مقبولیت حاصل کرنا ہے جو عوامی امور کو انجام دینے میں زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔

حضرت امام خمینیؒ کے افکار و نظریات کی یہ فصل کافی وسیع و مسبوط ہے جو آپ کی حقیقت پسندانہ نگاہ کی غمازی کرتی ہے، اس محور کے حساس ہونے کی بنا پر ہم امام خمینیؒ کے کلی نظریات کو جو سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی محور میں عوامی حوائج کی اسلامی نظام کی جواب دہی کی ضرورت کے سلسلہ میں ہیں پیش کر رہے ہیں۔ ۴۷؎

اول: سیاسی محور

اس محور کے اہم و خصوصی کام جن سے غفلت نہیں ہونا چاہیے درج ذیل ہیں:

۱۔ مستضعفین کے حقوق کا دفاع

''خدا وہ دن نہ لائے کہ ہماری پالیسی اور ہمارے ملک کے حکام کی پالیسی محرومین کے حقوق کے دفاع کے سلسلہ میں منہ موڑنے اور اعراض کی ہو۔۴۸

۲۔ عوام کی خوشنودی کا حصول

عوام کیلئے مشکلات پیدا کرنا اور فرض کے خلاف عمل کرنا حرام ہے خدا نہ کرے بعض اوقات یہ غضب الٰہی کا سبب ہو سکتا ہے اس بنا پر حقیقت کو درک کرتے ہوئے عوام کی خوشنودی کو حاصل کرنا چاہیے۔۴۹

۳۔ سیاسی خود مختاری کی حفاظت

''اگر تم تمام مشکلات پر غالب آنا چاہتے ہو تو طاقتوں کے مقابل سب محکم واستوار قائم رہو اور اپنی خود مختاری کی مضبوطی سے حفاظت کرو''۔۵۰

۴۔ جائز آزادی کا عطا کیا جانا

''اسلام میں ڈیموکریسی ہے اور اسلام میں عوام اپنے عقائد و اعمال کو بیان کرنے میں اس وقت تک آزاد ہیں جب تک کہ ان کا یہ عمل سازشی پہلو نہ رکھتا ہو۔۵۱

۵۔ عوام سے دوستانہ تعلقات

''تم ایسا کام نہ کرو کہ عوام تم سے خوفزدہ ہوں بلکہ ایسا کام کرو کہ عوام تمہاری طرف متوجہ ہوں، ایسا کام کرو کہ عوام کا دل تمہاری طرف مائل ہو جائے''۔۵۲

۶۔ ملت کی قدردانی

''پارلیمنٹ، حکومت اور حکومتی عہدیداروں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس ملت کی قدر کریں ان کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں''۔۵۳

دوم: اقتصادی محور

عملی مرحلے میں اس سے متعلق اہم ترین نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ اقتصادی عدالت کی برقراری

"یہ اسلام ہے کہ جو فردی مفادات کیلئے مانع ہے اسلام ہے کہ سرکشوں کو اشرافی و شاہی زندگی نہیں کرنے دیتا۔۔۔ اسلام (اقتصاد) کو اعتدال میں لانے والا ہے"۔ ۵۴؎

۲۔ سرمایہ داری کا مقابلہ

"اسلام ایسی سرمایہ داری سے جو ظالمانہ، بے حساب عوام کو محروم اور ظلم و ستم قرار دینے والی ہے، متفق نہیں ہے"۔ ۵۵؎

۳۔ سادہ زندگی

"یہ پر شکوہ اور آسمان سے باتیں کرتے ہوئے محل، باطل حکومت اور ظالم سلاطین کی عیش کوشی جو ملت کی زحمات سے فراہم ہوئی ہے عوام کو منحرف جماعتوں کی طرف مائل کرتی ہے۔ اگر اسلامی حکومت کہ جس میں اور عوام میں مساوات پائی جاتی ہو اور اس کا مرکز مسجد ہو بر سر اقتدار آجائے تو تمام انحرافات اصل و بنیاد سے ختم ہو جائیں گے"۔ ۵۶؎

۴۔ تعاون و مساعدت

"وہ کام جسے عوام انجام نہیں دے سکتے ہیں حکومت کو انجام دینا چاہیے اور وہ کام جسے عوام و حکومت دونوں انجام دے سکتے ہیں عوام کو آزاد رہنے دیا جائے خود بھی کریں اور حکومت بھی کرے۔ لیکن عوام کو انجام دینے سے نہ روکو، صرف نگرانی کرو کہ خدانخواستہ انحراف وجود میں نہ آئے"۔ ۵۷؎

سوم: ثقافتی محور

ثقافت کے دائرے میں بھی امام خمینیؒ درج ذیل خصوصی امور کی تاکید کرتے ہیں:

۱۔ اصلاح ثقافت (تہذیب)

"ایک مملکت و حکومت کی اصلاح کا راستہ اس مملکت کی تہذیب و ثقافت کی اصلاح ہے۔ اصلاح ثقافت سے شروع ہونا چاہیے"۔ ۵۸؎

۲۔ علمی وثقافتی ضروریات کا پورا کیا جانا

''اگر ہم لوگ یونیورسٹیوں کو نہ چلا سکیں تو ہم لوگوں کا کام خراب ہو جائے گا، اگر یونیورسٹی کے سلسلے میں کوتاہی کریں اور یونیورسٹی ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے تو سب کچھ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا''۔۵۹؎

۳۔ ثقافتی پیداوار

''فقط وہ ہنر قابل قبول ہے جو خالص محمدیؐ، ائمہ ہدیٰؑ اور غریبوں کے اسلام کو صیقل دینے والا ہو''۔ ۶۰؎

۴۔ علم سے لیس ہونا

''اس ملک میں ایسے ادارے تھے اور ہیں جنہیں عوام کی خدمت کرنا چاہیے تھا لیکن غاصب اور بدعنوان حکومت نے انہیں ناجائز اہداف اور بے راہ روی کی ترویج کیلئے استعمال کیا ہمیں اس نقص کو برطرف کرنا چاہیے''۔ ۶۱؎

مندرجہ بالا فہرست پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فروعی محور زیادہ اہمیت کے حامل ہیں اسی بنا پر حضرت امام خمینیؒ ان کی افادیت کے سلسلہ میں خصوصی حساسیت رکھتے تھے، لہذا آپ اس کے ذریعے سے شگاف پیدا ہونے اور باطل کی طرف سے اسلام کی عدم افادیت کے پروپیگنڈہ کے سد راہ ہوئے۔

۴۔ متقابل محوروں کے روابط کا تزلزل

اسلام میں مرکزی ومضافاتی ساخت و محور میں بہت مضبوط تعلق ہے اس طرح کہ دونوں محوروں کا مکمل طور پر ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جانا دونوں کیلئے نقصان ہے۔ یہ دو صورتوں میں قابل تصور ہے اور ان میں سے ہر ایک انقلاب کا راستہ ہموار کرسکتی ہے۔

اول: ملک کے اجرائی امور کے عہدیدار یہ توجیہہ کرتے ہوئے کہ امور معاشرہ کا انتظام مہارت پر مبنی ہے اور اس کیلئے خاص علم و تجربہ کی ضرورت ہے مضافاتی ساخت و وضع کا مرکز سے ارتباط حداقل کردیں یا مکمل طور پر ختم کردیں ایسے موقعوں پر عام طور سے مینیجمنٹ کو غیر اقداری اور فقط فنی و مہارت پر مبنی پیش کیا جاتا ہے، اس صورت میں مسلمان اگرچہ ظاہر میں اقتصاد، سیاست وثقافت کے محور کے متولی ہوتے ہیں لیکن عمل کے مقام میں وہ اقدار اور اصول حاکم ہیں اور ان کا اجراء کیا جارہا ہے جو دین سے نسبت نہیں رکھتے ہیں؛ الغرض، سیکولرزم حاکم ہے جو خفی بھی ہو سکتا ہے اور آشکار بھی۔

دوم: معاشرے میں محوری ساخت یعنی اسلام وولایت کی ایسی تشریح حاکم ہو جائے جو صرف معنویت پر موقوف ہو، دنیوی امور کو انجام دینا، دینداروں کیلئے ناشایستہ تصور کیا جانے لگے اور اس بنا پر معتقد افراد مضافاتی محور میں ورود کو اپنی شان کے منافی سمجھنے لگیں اور خود کو الگ تھلگ رکھیں اس حالت میں بھی سیکولرزم کے پھلنے وپھولنے کیلئے زمین فراہم ہوسکتی ہے جس کا پہلا قدم حقیقی اسلام سے فاصلہ اختیار کرنا ہے یہ وہ راستہ ہے جو اگر جاری رہے تو معاشرے میں دینداروں کی ناراضگی کا سبب ہوگا اور انقلاب کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔

فصل سوم: نتیجہ

انقلاب کے سلسلہ میں تحقیق کی طویل تاریخ کی وجہ سے یہ اہم واقعہ نظریات سے بھرپور ہے جو مختلف پہلوؤں سے پیش کئے گئے ہیں، بہر حال قبول کرلینا چاہیے کہ ایک جامع وکامل نظریہ کا پیش کرنا جو تمام انقلابات کی تشریح ہو عملی طور پر ممکن نہیں ہے، لہذا اسی بنا پر ہم نے انقلاب اسلامی کیلئے الگ نظریہ اس کے بانی حضرت امام خمینیؒ کی عملی ونظری سیرت میں تلاش کرنے کی سعی کی ہے کیونکہ آپ انقلاب اسلامی کے بانی اور مفکر، آپ دینی وسیاسی علوم سے مکمل طور پر آگاہ ودرجہ فقاہت پر فائز تھے معاشرے کے سیاسی حالات پر گہری نظر رکھتے ہوئے ایک عظیم انقلاب کی قیادت فرمائی اور کامیابی سے ہمکنار کیا جس کا ثمرہ اسلامی جمہوریہ کا قیام ہے۔

حضرت امام خمینیؒ انقلاب کو ایک پروسس کے طور پر دیکھتے تھے جس کا سرچشمہ اسلامی معاشرہ ہے ودین ودنیا کے مقاصد سے مرتبط ہے انقلاب، امور کو منظم نیز انہیں حقیقی اسلامی اسلوب پر پلٹائے جانے کا ایک کارآمد وسیلہ ہے، لہذا اگر اسلامی معاشرے کے باشندوں کو اسلام کی حقیقت آشنا کیا جائے اور وہ موجود اور مطلوبہ صورتحال کے فرق اور فاصلے کو درک کرلیں تو اصلاح امور کیلئے کوشش کریں گے اور یہ انقلاب کی ایک صورت ہے۔

اسی طریقہ سے نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی حکومت کی تشکیل، انقلاب کی بنیاد کو ختم کرنے کے مترادف نہیں ہے، کیونکہ یہ الٰہی سنت ہے کہ اگر اسلامی معاشروں کے حکام اپنے اصلی فرض یعنی افراد کو حقیقی سعادت سے ہمکنار کرنے کیلئے زمین فراہم وہموار کرنے سے غفلت برتیں تو وہی طاقتیں جنہوں نے الٰہی حدود کو اجراء کرنے کیلئے انہیں حاکم قرار دیا ہے، اسلام کیلئے میدان عمل میں داخل ہو کر ایک نئے انقلاب کا آغاز کردیں گی، اس مقام پر امام خمینیؒ کے نظریات تجویزی پہلو کے حامل ہیں جو ملک کے مستقبل کیلئے عملی راہنمائی کرتے ہیں، مجموعی طور سے اسلامی معاشرے طول زمان میں سماجی مشکلات سے دوچار ہوسکتے ہیں کہ ان سے عدم مقابلہ انقلاب کیلئے پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔

اول: سیاسی اہداف کیلئے دینی عقاید کی غلط تشریح۔

دوم: انتظامیہ کی ناقص کارکردگی اور اپنی اسی کمزوری کو پوشیدہ رکھنے کیلئے دین سے اظہار تمسک۔

سوم: اقتصادی سیاسی وسماجی ساخت کی محور ولایت سے جدائی اور معاشرے کے امور پر سیکولرزم کا تسلط۔

چہارم: مقام ولایت کا جماعتی و گروہی تنازع میں ملوث ہونا اور اس مقام کی تنزلی۔

جواز، افادیت، قابلیت اور مقبولیت کے بحرانوں کا ظہور، حقیقت میں معاشرتی صورتحال کا بحرانی ہونا اور انقلاب کا راستہ فراہم ہونا ہے، اگر اس امر میں مشیت الٰہی قرار پائے تو انقلاب رونما ہوتا ہے اور معاشرہ میں عظیم تغیر انجام پاتا ہے۔

اس نکتے کی یاد دہانی ضروری ہے کہ اسلامی معاشروں میں انقلاب رونما ہونے کے اسباب دوسرے معاشروں کی طرح بہت پیچیدہ ہیں، لہذا یہ مسئلہ ہمیں عمیق ودقیق تر تحقیق و تجزیہ کی دعوت دیتا ہے۔ بہر حال امام خمینیؒ کے نظریات کے سلسلہ میں جو کچھ بطور اجمال پیش کیا گیا وہ انقلاب کی کلیت کو بیان کرتا ہے جو دینداروں کیلئے ایک دینی فرض ہے ان نظریات کے بیان کرنے کا مقصد موجود صورتحال کو مطلوبہ صورتحال سے نزدیک کرنا ہے جو انحراف کے ابتدائی مراحل میں، امر بہ معروف، نہی از منکر و نصیحت مسلمین کے عنوان سے زبانی و عملی اعتراض کا اظہار کرنا ہے لیکن اگر حاکم نظام اسی طرح معاشرے کے جائز مطالبہ اور اسلامی مقاصد کے سلسلے میں عدم توجہی کا مظاہرہ کرے اور اپنے انحراف پر اصرار برتے تو معاشرہ انقلاب کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے اور الٰہی توجہ سے منزل مقصود تک پہنچتا ہے اس بنا پر انقلاب تزلزل کی شناخت کا پہلو رکھتا ہے اور اس کا ہدف ایک مستحکم اسلامی معاشرہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ کوہن استانفور، تھیوری ہای انقلاب، علی رضا طیب، تہران ۱۳۷۴، ص ۱۳۔

۲۔ ہائز باوم، از بک جی، انقلاب اطلاعات سیاسی اقتصادی، سال ۱۱، ش ۱۲۰، ۱۱۸، ۱۱۷۔

3. Amann,P., "Revolution: a Redefinition", Political Science Quarterly, Vol, 77.

- Edwards, L., The Natural History of Revolution, chicago, university Press, 1927.

- Pettee, G., The Proces of Revolution, New York, Harperand Row, 1938.

- Tilly, Charles, from Mobilization to Revolution, Addison Wesley, 1978.

4. Esposito, John (Edi), The Iranian Recolution: It's Global Impacts, U.S.A, Board of Regents of the Study of Florida, 1990.

۵۔ فصل نامہ راہبرد، شمارہ ۱۹۔

۶۔ وینسنت اندرو، نظرہای ودولت، حسین بشیریہ، تہران ۱۳۷۱، ص ۷۔

- Hampel, Carl, Fundamentals of Concept in Emperical Science, Chicago, University of Formation Press, 1952.

- Trigg, Rogger, Undrestanding Social Science, Blackwell, 1985.

۷۔ محمد رضا خاتمی، نظریہ انقلاب در اسلام، تہران، سازمان تبلیغات اسلامی، ۱۳۷۶۔

۸۔ آرنت ہانا، انقلاب، عزت اللہ فولادوند، تہران، خوارزمی، ۱۳۶۱۔

جانسون، چالمرز، تحول انقلاب، حمید الیاسی، تہران، امیر کبیر، ۱۳۶۳۔

کارل وٹ پیتیر، انقلاب، ابوالفضل صادق پور، تہران، زوار، ۱۳۴۸۔

۹۔ ہانٹنگٹن، ساموئیل سامان سیاسی در جوامع دستخوش تحول، محسن تلائی، تہران، ۱۳۷۰۔

.The Process of Revolution, Op. Cit .10

.The Natural History of Revolution, Op, Cit .11

Moove, B; Social origins of Dictatorship and Democracy, Boston, .12
.1966

Skocpol, T., States & Social Revolution: A comparative study of -
.1979france. - Russia and china, Cambridge university press,

.19070Tucher, Robert, The marxian Revolutionary idea, London, .13

.1965Gregor, James, A Survey of marxism, New York, -

۱۴۔ سبزہ ای محمد تقی، انقلاب اسلامی وچاش تئوریہا وگفتمانہا، مطلع الفجر، تہران ۱۳۷۶۔

See: Loonery, Robert, Economic Orogins of the Iranian Revolution, .15
.1982New York, Pergamon Press,

See: Katouzian, H., The political Economy of Iran, New York, New .16
.1981York, university press,

۱۷۔ منافقین خلق رودر روئی خلق، بیانیہ شمارہ ۲۱، دفتر سیاسی ۱۳۱۶،۶۰۔

باقرزادہ، طاہرہ، قدرت ودیگر ہیچ، تہران، اطلاعات ۱۳۷۳۔

حزب جاسوسان واہداف شوروی درایران، سازمان تبلیغات اسلامی، ۱۳۶۲۔

کردستان، امپیریل ازم و گروہ ہائے وریشہ، تہران، دفتر سپاہ سپاسداران انقلاب اسلامی۔

۱۸۔ افتخاری اصغر، ارزیابی عملکرد گروہائی مخالف داخلی در قبال جنگ تحمیلی، در محراب نور، تہران ۱۳۷۱۔

۱۹۔ آرنت ہانا، توتایستار سیم، محسن تلائی، تہران، جاوید ۱۳۶۶۔

بشیریہ حسین، انقلاب و بسیج سیاسی، تہران دانشگاہ تہران ۱۳۷۲۔

See: Mitcell, william, sociological analysis and Politics: The .20
.1967Theories of Tallcolt Parsons, Englewood Cliffs, New Jersy,

۲۱۔ دلاوری ابوالفضل، طرحی برائے مطالعہ زینہ ہا و علل اجتماعی وقوع انقلاب اسلامی، فصل نامہ راہبرد، ش۹۔

۲۲۔ سبزہ ای، پیشین۔

۲۳۔ مشیر زادہ، حمیرا، مروری بر نظریہ ہای انقلاب در علوم اجتماعی، فصل نامہ راہبرد، ش۹۔

۲۴۔ زیباکلام صادق، مقدمہ ای بر انقلاب اسلامی، تہران روزنہ، ۱۳۷۲۔

See: Weber, M., From Max weber: Essaysin Sociology (ed), H. .25
.1958Gerth & C.W., Mils, NewYork,

۲۶۔ دوانی علی، نہضت روحانیوں ایران، بنیاد فرہنگی امام رضاؑ، عمید زنجانی، انقلاب اسلای وریشہ ہای آن، تہران۔

۲۷۔ ہادیان ناصر، نظریہ تدااسکاچپول وانقلاب اسلامی، فصل نامہ، راہبرد، ش۹، دلاوری ابوالفضل۔

۲۸۔ صحیفہ امام، ج۱۲، ص۴۲۷۔

۲۹۔امام خمینیؒ، ولایت فقیہ و جہاد اکبر، تہران دفتر نشر اللہ فقیہ، ص ۳۷۔

۳۰۔ایضاً، ص ۸۰۔

۳۱۔ایضاً، ص ۵۵۔

۳۲۔ایضاً، ص ۵۹۔

۳۳۔بشیریہ حسین، تاریخ اندیشہ ہای سیاسی در قرن بیستم، تہران ۱۳۷۶، فصل اول۔

۳۴۔ صحیفہ امام، ج ۹، ص ۴۵۰۔

۳۵۔ صحیفہ امام، ج ۱۱، ص ۳۸۲۔

۳۶۔ صحیفہ امام، ج ۱۴، ص ۱۶۸۔

۳۷۔امام خمینی روح اللہ، تفسیر سورۂ حمد، ص ۵۴۔

۳۸۔ صحیفہ امام، ج ۱۴، ص ۳۹۰۔

۳۹۔ تفسیر سورۂ حمد مبارکہ حمد، ص ۵۔۴۷۔

۴۰۔ صحیفہ امام، ج ۷، ص ۳۱۔

۴۱۔ایضاً، ج ۱۰، ص ۳۰۶۔

۴۲۔ایضاً، ج ۱۳، ص ۳۰۶۔

۴۳۔ وصیت نامہ سیاسی الٰہی حضرت امام خمینیؒ، تہران، وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی۔

۴۴۔ صحیفہ امام، ج ۱۱، ص ۲۔

۴۵۔ صحیفہ امام، ج ۸، ص ۵۔

۴۶۔افتخاری اصغر، مبانی اسلامی حاکمیت اسلامی، مجلہ دانشگاہ اسلامی، سال ۷۷، ش ۶۔

۴۷۔ایضاً، سیرۂ تبلیغی پیامبر اکرمؐ در آمدی بر علم ارتباطات اسلامی، تہران ۱۳۷۰۔

آئندہ انقلاب اسلامی در کلام امام خمینی، سازمان تبلیغات اسلامی، ۱۳۷۴، ص ۲۶۰ و ۲۲۹۔

آرمان ہای انقلاب اسلامی از دیدگاہ امام خمینیؒ، ایضاً۔

۴۸۔ صحیفہ امام، ج ۲۰، ص ۳۴۱۔

۴۹۔ امام خمینیؒ وصیت نامہ سیاسی الٰہی، ص ۱۳؛ صحیفہ امام، ج ۲۱، ص ۴۲۶۔

۵۰۔ صحیفہ امام، ج ۱۷، ص ۴۱۱۔

۵۱۔ ایضاً، ج ۱۴، ص ۲۳۴۔

۵۲۔ صحیفہ امام، ج ۸، ص ۲۷۳۔

۵۳۔ امام خمینیؒ وصیت نامہ سیاسی الٰہی، ص ۱۲؛ صحیفہ امام، ج ۲۱، ص ۴۱۲۔

۵۴۔ صحیفہ امام، ج ۵، ص ۵۴۷۔

۵۵۔ امام خمینیؒ وصیت نامہ سیاسی والٰہی، ص ۱۲؛ صحیفہ امام، ج ۲۱، ص ۴۴۳۔

۵۶۔ صحیفہ امام، ج ۲، ص ۳۴۶۔

۵۷۔ صحیفہ امام، ۱۹، ص ۳۶۔

۵۸۔ سخنرانی امام خمینیؒ، مورخہ ۱۸٫۶٫۱۳۴۳؛ صحیفہ امام، ج ۱، ص ۳۹۰۔

۵۹۔ ایضاً، مورخہ ۹٫۸٫۱۳۵۷؛ صحیفہ امام، ج ۸، ص ۱۴۱۔

۶۰۔ ایضاً، مورخہ ۳۰٫۶٫۱۳۶۷؛ صحیفہ امام، ج ۲۱، ص ۱۴۶۔

۶۱۔ ایضاً، مورخہ ۷٫۲٫۱۳۶۰؛ صحیفہ امام، ج ۶، ص ۹۳۔

انقلاب ایران کے آغاز اور کامیابی میں اسلام کا کردار (حجت الاسلام محمد جواد نوروزی)

مقدمہ

۱۹۷۹ء میں انقلاب ایران کا رونما ہونا تعجب خیز واقعات میں شمار ہوتا ہے۔ بیسویں صدی کے آخری حصے میں اس واقعے نے انقلاب کے مفکرین کو حیرت زدہ کر دیا ہے، دو دہائیاں گزرنے کے بعد بھی اس کے بہت سے پہلو دنیا والوں، نیز ایرانی عوام سے پوشیدہ ہیں، اس عظیم واقعے سے متعلق تصنیفات و تالیفات کو دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ تاریخی و توصیفی تصنیفات و تالیفات: انقلاب ایران سے متعلق زیادہ تصنیفات اور تالیفات اس قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔ البتہ ان کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے یہ صرف انقلاب اسلامی کے جائزے کیلئے بعض خام مواد اور دستاویزات پر مشتمل ہیں۔

ب۔ تحقیقی و علمی تصنیفات و تالیفات: اس قسم میں انقلاب کا مختلف زاویوں سے جائزہ لیا گیا ہے ہر صاحب قلم نے اپنے ذہنی مفروضے کی بنیاد پر اس تاریخی واقعے کا تجزیہ کیا ہے۔

ایک کلی و جامع نگاہ کرتے ہوئے، اس قسم سے تعلق رکھنے والے آثار کی چند حیثیت سے درجہ بندی کی جا سکتی ہے، بعض آثار، انقلاب کی تکوین کو، اقتصاد و ترقی، بعض نفسیات، بعض اغیار کی مداخلت، بعض ثقافت اور آئیڈیالوجی سے متعلق ہیں، ان نظریات پر توجہ کرتے ہوئے، اس مقام پر اہمیت کی حامل وہ تشریح ہے جو ۱۹۷۹ء میں کامیاب انقلاب اسلامی کے اصل اسباب کو پیش کرتے ہیں ۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ انقلاب اسلامی کی تشریح کے سلسلے میں جو اسباب بیان کئے گئے ہیں، کیا ان کے درمیان اسلام اہم اور کلیدی کردار کا حامل ہے؟

اس سوال کے جواب میں مکتوب آثار پر توجہ کرتے ہوئے متعدد مفروضے ذکر کئے جا سکتے ہیں، لیکن وہ مفروضہ جو راقم الحروف نے اس موضوع میں مورد تحقیق و تشریح قرار دیا ہے۔ یہ ہے کہ ''اسلام انقلاب کی تکوین و تشکیل میں کلیدی و بنیادی کردار رکھتا ہے''اس مقالے میں اسلام سے مراد ''مکتب تشیع'' ہے جو ایران کا سرکاری مذہب ہے اور اپنی خاص اخلاقی، سیاسی قانونی، فقہی نظام آئیڈیالوجی پر مشتمل ہے۔

انقلاب سے مراد وہ تعریف ہے جو شہید مطہری نے بیان فرمائی ہے، آپ انقلاب کی تعریف میں فرماتے ہیں، پسندیدہ ومطلوب نظم قائم کرنے کیلئے کسی علاقہ یا سرزمین کے عوام کے موجود نظام حاکم کے خلاف طغیان وشورش کرنا[1] مذکورہ مفروضے کی تشریح کیلئے بحث کو درج ذیل موضوعات کے تحت ہے۔

الف۔ دین وانقلاب کی سرشت وطینت

زیر نظر مقالے کے موضوع سے متعلق بحث چند مفروضوں پر مبنی ہے، ایک یہ بات قبول کرنا کہ اسلام اور سیاست کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دوسرا مسئلہ، دین کے قلمرو کی بحث ہے یعنی سماجی حالات وانقلاب کی بہ نسبت دین کی ماہیت وسرشت کیا ہے، آیا دین کی وسعت وقلمرو، انقلاب جیسے واقعات کو شامل ہے، آیا دین انقلاب سے مانع ہے یا انقلاب برپا کرنے والا ہے؟

ان مسائل کے سلسلہ میں متعدد نظریات پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض مذہب کو فقط بشر کی روحی وفردی احتیاج پوری کرنے کا وسیلہ قرار دیتے ہیں، اس فہم کی بنیاد پر دین اخلاقی تعلیم اور پند ونصیحت کا مجموعہ ہے، اس زاویہ نگاہ کے مطابق دین معاشرہ کی سیاسی وسماجی کامیابی سے جدا والگ عقائد وتعلیمات کا ایک نظام ہے، دین کا یہ مفہوم مسیحیت کے تحریف شدہ آئین اور نشاۃ ثانیہ کے بعد کے حالات کہ جو دین وسیاست کی جدائی کا سبب بنے، منطبق ہوتا ہے، اسلام اس فکر کا شدید مخالف ہے۔

دین کے سلسلہ میں دوسری فکر کنزرویٹوازم پر مبنی ہے، دین کے سلسلہ میں مارکسزم کے زاویہ نگاہ کا اسی تناظر میں جائزہ لیا جانا چاہیے، اس نظریہ کے مطابق دین فقط معاشرے کے بعض افراد کی خدمت کیلئے ہے۔ دین کے سلسلہ میں ایک دوسرا نظریہ، مثبت ہے۔[2] اس نظریہ کے تناظر میں دین اجتماعی میدان میں موثر ہے اور سماج وحیات میں اتحاد اور انسانی زندگی میں تنظیم واثر کیلئے خاص پروگرام رکھتا ہے۔

فرانس کے انقلاب کا ہدف دین وسیاست کی جدائی اور اس انقلاب کی تکوین میں نظام مسیحیت تماشائی تھا اس کا معمولی کردار بھی دیکھنے کو نہیں ملتا ہے اس انقلاب کے قائدین نے مذہب کی شرکت کو ممنوع قرار دے رکھا تھا، نشاۃ ثانیہ سے متاثر ہو کر مذہب کو فقط فردی مسائل میں جائز تصور کیا جاتا تھا۔[3]

ہم اس مقالہ میں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایران کا اسلامی انقلاب فرانس کے انقلاب کے برخلاف ہے، انقلاب ایران کی اساس اسلام ہے اور اس کا ہدف اجتماعی میدان میں دینی اقدار وحاکمیت کو احیاء کرنا ہے۔

ب۔اسلام اور انقلاب اسلامی کے جامع وکلی خطوط

اسلام قدر و منزلت پر مبنی نظام ہے،اس نظام میں سیاسی معاشرے کی خصوصیات پیش کئے گئے ہیں دینی راہنماؤں نے جامع نظام کی بنیاد پر ایک آئیڈیل معاشرے کے قیام کیلئے عملی اصول وروش پیش کئے ہیں۔ اسلام، روش واسلوب کو مورد استعمال قرار دینے میں دوسرے مکاتب فکر سے موازنہ کرتے ہوئے خاص معیار وپیمانہ کا حامل ہے اور آج دنیا میں متداول ورائج طریقے سے متفاوت ہے،اسلام کا ہدف اخلاق کی حاکمیت واسلامی دائرے میں حرکت کرنا ہے۔ اسلام، ہدف کی دستیابی کیلئے ہر وسیلہ کا استفادہ جائز نہیں سمجھتا ہے۔ یہ ان طریقوں پر حاکم کلی خطوط ہیں۔

قرآن کریم نے اسلام کے آئیڈیل نظام کے پہلوؤں کو واضح کردیا ہے مبارزت ومجاہدت سے مملو تاریخ تشیع، انقلاب اسلامی برپا کرنے میں ایرانی معاشرے کیلئے الہام بخش تھی۔ اسلامی تاریخ وتحول سے صحیح ودقیق درک کا پیش کیا جانا اسلامی معاشرے کی فکر کی تبدیلی کا سبب ہے۔ بعض محققین معتقد ہیں کہ ایران میں انقلاب کا اصل محرک، اسلامی آئیڈیالوجی اور روح فکر کا حاکم ہونا ہے۔ اجتماعی میدان میں انقلاب سے قبل باطن میں فردی انقلاب برپا ہوتا ہے۔[۴]

قرآن مجید فرماتا ہے: عوام اور معاشرے کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتی جب تک وہ خود اپنی حالت تبدیل نہ کریں۔[۵] فکری انقلاب کیلئے معاشرے کی روحی صورتحال اور آئیڈیالوجی میں تبدیلی یہ فکری کے تحول کیلئے الٰہی رہبروں وپیغمبروں کا اہم پیغام ہے۔

اسلام کا اعتقادی نظام، اجتماعی میدان میں انسان کے موقف کے اختیار کئے جانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، جس قدر معاشرے کا باور واعتقاد زیادہ منطقی استحکام کا حامل ہوگا مشکلات ومصائب کے مقابل فعال تر کردار ادا کرے گا، توحید کی حقیقی روح فراعین وطواغیت کی نفی کا سبب ہے۔ شرک وظلم سے مبارزت ومقابلہ میں پائیداری ومقاومت کی قدرت عطا کرتی ہے، ایک غیر ملکی مصنف معتقد ہے کہ تشیع عقائد میں انقلابی وجہادی توانائی عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں، جو قوی ومقتدر ترین ظالموں کے مقابل مقاومت ونافرمانی کی توجیہہ کرتے ہیں۔

حیات اخروی پر اعتقاد شہادت پسندی مقاصد اور جہاد، الہام بخش ہے جس کا ہدف فوز عظیم یا کامرانی کا حصول یا دنیا میں احکام الٰہی کے اجراء میں سعی وکوشش ہے۔

نبوت وامامت پر اعتقاد، دینی قائدین کی رفتار وگفتار کو عوام کی راہنمائی واسوہ کیلیئے معیار سیرت قرار دینا ہے۔ تشیع کی پر افتخار تاریخ ائمہ اطہار (ع) کی جہاد ومبارزت سے مملو زندگی، تاریخ میں ان کے پیرووں کیلیئے عظیم درس ہے، لہذا عصر غیبت میں انقلابی تبدیلی، قیام عاشوراوائمہ اطہار (ع) کے جہادی وسیاسی موقف سے اتصال رکھتی ہے۔

اسلام کا قانون، معاشرے میں الٰہی حاکمیت اور حکومت کی تشکیل کی ضرورت کو بیان کرتا ہے۔ مرجعیت اور اجتہاد اور اس کے ابواب جیسے جہاد، امر بہ معروف نہی از منکر غیر دینی حکام کے مقابل انقلابی روش اختیار کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اسلام کے تربیتی نظام میں بھی طاغوتی طاقتوں سے مقابلہ کیلیئے اہم عناصر موجود ہیں۔ استاد شہید مطہریؒ معتقد ہیں کہ دین مخالف طاقتوں کے مقابل مقاومت ونافرمانی، طرد وانکار، عدم ساز باز و تمکین اسلام کے تربیتی نظام کی دین ہے۔[۱۶] اسلام کے آئیڈیل نعرے وشعار جیسے آزادی، برابری، عدالت پسندی اسلام کے تربیتی نظام کے اہم معیار ونمونے ہیں جو معین مقاصد کے تحت معاشرے کے افراد کو اسارت وغلامی کی زنجیریں توڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔

ایک کلی وجامع نگاہ ڈالتے ہوئے دین کی آئیڈیالوجی کی اہم کارکردگی معاشرے کو موجود صورتحال سے نجات حاصل کرنے کیلیئے دعوت دینا اور مطلوب وآئیڈیل مستقبل کیلیئے اسوہ واسلوب کو پیش کرنا ہے تاکہ معاشرہ موجود صورتحال سے نجات حاصل کرکے مطلوب صورتحال کو حاصل کرسکے۔

ج۔ سابقہ حکومت کی اسلام اور مذہبی طاقتوں کا رد عمل

ایران کے انقلاب مخالفت میں شاہ کی اسلام مخالف پالیسی ایک امتیازی کردار رکھتی ہے، شیعی عقیدہ کی اساس پر سیاسی حکام حکمرانی کا حق نہیں رکھتے ہیں۔ حالیہ سو سالوں میں اسلام دینی اصلاح واحیاء اور تحریکوں کی تشکیل، نیز استبداد واستعمار کے اہم مانع کے طور پر جانا جاتا رہا ہے، برطانوی استعمار کی مساعدت سے وجود میں آنے والی پہلوی حکومت کے عصر میں اسلام کی مخالفت، دین کی مخالفت، اس کی پالیسی کے اہم اصول کے طور پر سر فہرست تھے، پہلوی حکومت کی جانب سے اسلام کی مخالفت کے اہم محور حسب ذیل ہیں:

۱۔ قوم پرستی

چونکہ معاشرے میں دین اتحاد و ہم آہنگی کا سبب شمار کیا جاتا تھااور یہ پہلوی حکومت مقاصد سے سازگار نہ تھا۔ لہذا اس نے قوم پرستی یعنی نیشنل ازم کا نعرہ بلند کیا تاکہ دین اسلام کے مقابل اتحاد کا کردار ادا کرے، اس حکومت نے روز اول ہی سے اپنی حاکمیت کی اساس نیشنلزم پر استوار کردی تھی، قوم پرستی کی پالیسی دو پہلو رکھتی تھی:

اول: اسلام کی مخالفت کی پالیسی کو محور قرار دے رکھا تھا۔

دوم: یہ کہ قدیم ایران تشہیر جس کا مقصد اسلام کی مخالفت ہی تھا، اس کیلئے درج ذیل پالیسیاں اختیار کی گئیں:

الف۔ قومی اسطورہ سازی؛ یعنی گزشتہ تاریخ پہ تکیہ کرتے ہوئے حکومت کو قانونی قرار دینا تاکہ شاہ اپنے کو قومی اتحاد کا مظہر اور ایران کا محافظ ظاہر کرے۔ ۷

ب۔ بے ہودہ جشنوں کا انعقاد؛ پہلوی اول کے عصر میں فارسی زبان کی قدردانی کیلئے ہزارہ فردوسی کا پروگرام انجام دیا گیا جس میں دین اسلام کے مقابل ایرانی قومیت، زرتشتی اور پہلوی آئین کی تاکید کی گئی۔ پہلوی دوم کے عصر میں ۲۵۰۰ سالہ جشن، بے حد وحساب خرچ اور ملکی و غیر ملکی پروپیگنڈے کے ساتھ تخت جمشید، شیراز میں برپا کیا گیا جس کے خلاف حضرت امام خمینیؒ اور مذہبی افراد نے شدیداً اعتراض کیا۔ ۸

ج۔ قدیم ایران کی از سرنو تاریخ مرتب کرنا؛ اسلامی ثقافت و تمدن کی تحقیر و فراموشی کیلئے شاہ نے قدیم ایران کی تاریخ از سرنو مرتب کرنے کیلئے اقدام کیا شاہ چاہتا تھا کہ ۲۵۰۰ سالہ پہلوی تاریخ یوں مرتب کی جائے کہ اسلامی ادوار و اعصار کی اہمیت کم ہو جائے اور وہ اسلامی معاشرے کی پسماندگی کا سبب قرار پائیں۔

د۔ عربی کلمات کو حذف کرتے ہوئے فارسی زبان کیلئے تاکید؛ قدیم ایران پر زیادہ توجہ دینے کا ایک پہلو قدیم فارسی کا احیاء اور عربی الفاظ کو حذف کرنا تھا اس اقدام کا ہدف ثقافتی معاشرہ کو اپنی تاریخ سے منقطع کرنا کہ یہ پالیسی بعض اسلامی ممالک منجملہ ترکی میں اپنائی گئی لیکن عوام و دینی دانشوروں کی طرف سے مزاحمت اور ثابت قدمی کی بنا پر ایران میں یہ پالیسی شکست پذیر ہوئی۔

۲۔ عقائد اور ایمان کو کمزور کرنا

دینی ثقافت و کلچر کو کمزور کرنے کے ارادہ سے شکوک پیدا کرنا پہلوی حکومت کا ایک اہم اقدام تھا، شاہ بعض صاحبان قلم کے ذریعہ دینی احکام کو کہانیوں اور ناولوں کی صورت میں شائع کر کے دین کا تمسخر کرتا تھا اسی طرح وہ مغرب زدہ و مغربی مصنف کی

کتابوں کو شائع کر کے بے دینی و بے عقلی اور شکوک و شبہات کی ترویج کرتا تھا، شاہ کے دوسرے اقدامات، دینی دانشوروں و مراجع کو کمزور کرنا تھا۔ رشیدی مطلق کا توہین آمیز مقالہ اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جو ۱۳۵۶ھ ش (۱۹۷۷ء) میں حضرت امام خمینیؒ کے خلاف تحریر کیا گیا تھا۔ یہ مقالہ عوامی رد عمل کا سبب ہوا اور قم میں ۱۹ دی (۹ جنوری) کا خونی واقعہ اسی کا نتیجہ تھا جو ایران میں انقلاب کی پیشرفت کا باعث بنا۔

عدالتی اداروں میں اسلامی قوانین کے بجائے عرفی قانون کے مطابق فیصلہ اسلام کی مخالفت کا ایک اور نمونہ تھا، جس کا شاہ نے ۱۳۰۵ھ ش (۱۹۲۶ء) میں آغاز کیا تھا جو انقلاب کی کامیابی تک باقی تھا۔۹ اس سلسلے میں شاہ کا دوسرا اقدام فحشا و اخلاقی بے راہ روی کا بازار گرم کرنا تھا تاکہ نوجوان طبقے کو اسلامی اصولوں سے بے اعتنا رکھا جائے۔۱۰ جعلی ادیان کی تقویت اور دینی اقلیت کیلئے میدان ہموار کرنا نیز اسرائیل کے ساتھ روابط میں توسیع اور بہائیوں کی حمایت، اسلام کی مخالفت پر مبنی شاہ کے عملی اقدامات ہیں جو امام خمینیؒ نے شدید اعتراض کیا۔

۳۔ وابستگی اور مغرب زدگی

حالانکہ دینی منابع میں مسلمانوں پر کفار کے تسلط کی نفی کی گئی ہے اور قرآن کریم میں بھی اہل اسلام کو ایسے روابط سے منع کیا گیا ہے جو اسلامی معاشرے میں کفار کے نفوذ و استیلاء کا سبب بنیں۔۱۱

پہلوی حکومت، استعماری طاقتوں کی حمایت سے بر سر اقتدار آئی تھی، لہذا ان سے وابستہ تھی مغربی کلچر و ثقافت کو ایران میں رائج کرنا چاہتی تھی ۱۳۴۳ھ ش (۱۹۶۴ء) میں کیپیچو لیشن قانون کی منظوری جس کے خلاف حضرت امام خمینیؒ اور عوام کی طرف سے شدید اعتراض کیا گیا، اس سلسلہ کے اہم نمونے ہیں۔

د۔ رہبری

انقلاب ایران میں رہبری، اسلامی معیار شمار ہوتی ہے اس انقلاب کی قیادت حضرت امام خمینیؒ کی شخصیت میں جلوہ افروز ہوئی۔ انقلابی تحریک میں انقلابی طاقتوں کو ہم آہنگ کرنے میں رہبری اہم کردار کی حامل ہے۔ انقلابات میں رہبری کے کردار کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ بعض مفکرین ان کا نفسیات کے پہلو سے جائزہ لیتے ہیں یہ مفکرین جو کہ فرائیڈ کے نظریات سے متاثر ہے۔

ریمون آرون معاشرے کے افراد کو فکری اعتبار سے تین کلی اقسام میں تقسیم کرتا ہے۔

اول: فکر کو وجود میں لانے والے اور انقلابی مفکرین۔

دوم: اس کو ترویج کرنے والے افراد یعنی وہ افراد جو دوسروں کے افکار و نظریات کی ترویج کرتے ہیں۔

سوم: ان افکار و نظریات پر عمل کرنے والے افراد۔

رہبر۔ انقلاب کا مفکر ہوتا ہے، اس کی شخصیت و خصوصیات اور اس کے کلام کا نفوذ، عوام کی وفاداری کے حصول اہم اسباب ہیں۔ ۱۲

اسلام کی سیاسی فکر کے مبانی میں وجود قیادت کی ضرورت ناقابل انکار امر ہے۔ حکومت اور قیادت ایسی ضرورتیں ہیں جن سے صرف نظر ممکن نہیں ہے، جائز روش کے ذریعہ استفادے کے موانع کو برطرف کرنا اور اسلامی مفاہیم کے قالب میں مبارزات کو آگے بڑھانا معاشرے کے افراد کیلئے قابل درک ہے۔ ۱۳

انقلاب ایران کے قائد کی خصوصیت یہ تھی کہ ان کا انقلاب و مبارزت، دین و معنویت کے اصولوں پر مبنی تھی اور فرض پر عمل ایک حاکم اصول کے عنوان سے اصالت رکھتا تھا، رہبری کی قدرت خدا پر توکل اور عوام کی عمیق قبولیت پر استوار تھی، سیاست و دین کی جدائی کے افسانہ کو تاریخ کے کوڑے دان میں پھینکنا قیادت کی دوسری خصوصیت تھی جس نے مخالفت کو اصل محور یعنی شاہ کی طرف مرکوز کر دیا تھا، رہبری کے مخاطبین خاص گروہ و جماعتیں نہ تھیں بلکہ انقلابی مسلمان عوام تھے، حضرت امام خمینیؒ نے اوائل انقلاب کے ایام ۱۳۴۲ ھ ش (۱۹۶۳ ء) ہی سے امریکہ و اسرائیل کو اسلامی معاشرے کی بدبختی کا سبب شمار کیا اور تحریک کی کامیابی تک اس پر زور دیتے رہے، انقلاب سے قبل کی تحریکیں جیسے آئینی تحریک اور تیل کے قومیائے جانے کی کے مقابل ۱۳۵۷ ھ ش (۱۹۷۸ ء) کے انقلاب اسلامی کا امتیاز یہ تھا کہ اس انقلاب کا قائد ایک فقیہ و مرجع تھا۔

رہبر انقلاب اور آپ کے فکری شاگردوں نے دین کی حقیقی تصویر پیش کرنے اور انقلاب اور دینی فکر کی احیاء میں اہم کردار ادا کیا ہے، قائد انقلاب نے انقلاب برپا کرنے، آئیڈیالوجی اور اقدار کے حاکم نظام کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ اکثر ایسے دینی مفاہیم پر نظر ثانی کی گئی جن سے شاہی حکومت سوء استفادہ کرتی تھی۔ اسی طرح رہبر نے ان تمام اجتماعی و سماجی موانع کو جو انقلابی تحریک کی پیشرفت کے سد راہ ہو سکتے تھے، راستے سے ہٹا دیا اور اسی ہدف کے پیش نظر تحریک کے ابتدائی زمانے میں انقلاب کو آگے بڑھانے

کیلئے تقیہ کے عدم جواز کا حکم صادر کیا، قیادت کے دوسرے اہم کارنامے، عوام میں خود اعتمادی کا پیدا کرنا اور احساس کمتری کو ختم کرنا تھا۔

انقلاب ایران کے قائد کا علماء سے عمیق رابطہ، دنیا کے مختلف ممالک میں ایک وسیع چینل کی شکل اختیار کر لیا تھا جو آپ کے افکار و نظریات کی ترویج کر رہے تھے اور ایران میں ایک سیاسی جماعت کے مانند انقلاب کو منزل مقصود سے ہمکنار کر رہے تھے حالانکہ ظاہری طور سے ایک جماعت کی خصوصیات سے عاری تھے، ایرانی تاریخ کے گزشتہ سو سال تجربے، سماجی حالات میں علماء اور دینی دانشوروں کے کردار کو اجاگر کرتے ہیں اسلامی مفاہیم و معارف کے قالب میں رہبر کے بیانات کے ذریعہ عظیم امواج کا پیدا ہونا اور عوام کا جان و مال کی پرواہ کئے بغیر شاہ کے خلاف مظاہرے کرنا، ان کے علمی و فکری محتویٰ و ماہیت کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت امام خمینیؒ اپنے اکثر پیغامات میں جس امر و اصل پر توجہ اور اصرار فرماتے تھے، کلمہ حق کی سر بلندی اور دینی مبانی کا استحکام تھا، جسے شاہی حکومت نابود اور صفحہ ہستی سے محو کرنا چاہتی تھی۔ ۱۴

تحریک کی تشکیل میں رہبر کے موقف پر نگاہ کرتے ہوئے مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایالتی اور ولایتی انجمن کے بل پر اعتراض و مخالفت کرنے والے پہلے فرد حضرت امام خمینیؒ تھے، اس بل میں اسلام اور قرآن کریم کے حلف کی قید ختم کر دی گئی تھی۔

۱۳۴۲ ھ ش (۱۹۶۳ ء) میں مدرسہ فیضیہ کا المناک واقعہ اور ۱۵ خرداد کا قیام جو کثیر افراد کے شہید و زخمی ہونے کا سبب بنا، شاہ کی اسلام مخالف پالیسی کے مقابل قیادت کے رد عمل کا نتیجہ تھا، ۱۳۵۶ ھ ش (۱۹۷۷ ء) حضرت امام خمینیؒ کے فرزند کی شہادت، انقلاب ایران کی تاریخ کا اہم موڑ شمار ہوتا ہے جو ۱۳۵۷ ھ ش میں شاہی نظام کی سرنگونی کا باعث بنا۔

ھ۔ مساجد کا کردار

انقلابی تحریک میں مساجد نے جو کردار ادا کیا ہے، انقلاب میں اسلام کے کردار کی علامت کے طور پر دیکھا جاتا ہے مساجد انقلابیوں کے جمع ہونے، پیغامات کے تبادلے اور انقلابی تحریک کا اہم مرکز شمار ہوتی تھیں، نظری زاویہ نگاہ میں تنظیم و تشکل ایسے عناصر ہیں جن پر انقلاب کے مفکرین تاکید کرتے ہیں۔ ان کی نظر کے مطابق مبارزت کیلئے ایک دائرہ و تنظیم و تشکیل کی عدم موجودگی انقلابیوں کے احساس کمتری، تزلزل اور بوکھلاہٹ کا سبب ہے، چارلز ٹیلی، جس کا شمار انقلاب کے مفکرین میں ہوتا ہے، معتقد ہے کہ انقلاب سماجی تزلزل کی بنا پر رونما نہیں ہوتا، وہ انقلاب میں تنظیم کے کردار کو زیادہ اہم قرار دیتا ہے۔ ۱۵

تحریک کو قدر تمند ہونا چاہئے تاکہ انقلابیوں کے مابین اور ان کے اور عوام کے درمیان نیز ان دونوں اور رہبر تحریک کے مابین منظم ارتباط برقرار وانجام دے، تحریک کا دوسرا اہم فرض پیام کا ابلاغ اور بروقت اطلاع رسانی انقلابی عوام ومعاشرہ کیلئے ہم آہنگ عمل انجام دینے کیلئے بہت ہی موثر ہے، قیادت جس قدر بھی انقلابی طاقتوں کی کیفیت وکمیت اور ان کے اقدامات وترقی نیز حکومت کے سلسلہ میں کافی اطلاعات کی حامل ہو اس قدر دقیق وعمیق عمل انجام دے سکتی ہے اور خطا کا امکان کمتر ہوگا۔

اسلامی انقلاب کی تشکیل میں مساجد نے انقلابی طاقتوں کو منظم ومستعد کرنے میں اہم کردار ادا کیا، یہ اسلامی ثقافت کی تجلیات شمار کی جاتی تھیں صدر اسلام میں بھی مساجد عبادت خدا کا مقام ہونے کے علاوہ سماجی فعالیت کا مرکز تھیں، جہان اسلام پر جب دشمنوں کی طرف سے حملہ ہوتا تو سب سے پہلے مساجد کو منہدم اور ان کی بے حرمتی کی جاتی۔[۱۶] اسلام کی تاریخ میں مساجد آغاز ہی سے عبادت، تعلیم، تربیت، قضاوت جہاد، حل وفصل تنازعات، نیز سماجی وسیاسی ارتباط، تبادل اخبار، تحریک انقلاب کیلئے محوری ومرکزی مقام رہی ہیں، دینی مفاہیم میں تغیر، خرافات کی ترویج اور اسلامی ثقافت کے انحطاط کی وجہ سے مساجد کی کارکردگی وفعالیت میں بھی کمی واقع ہوگئی ہے، مغرب میں نشاۃ ثانیہ کی وجہ سے ثقافتی حالات معاشرے میں دین کی مخالفت کئے جانے کا سبب ہوئے اور حالیہ صدیوں میں مساجد صرف عبادت کا مقام بن کر رہ گئی ہیں، حضرت امام خمینیؒ کی تجدد دین کی تحریک کہ جو دینی مفاہیم وعلامت اور اسلامی تحقیق وتحلیل کو احیاء کرنے والی تھی، دین ومساجد کی فعالیت وکارکردگی میں بہتری کا باعث ہوئی اور مساجد ماضی کی طرح کردار ادا کرنے لگیں۔ حضرت امام خمینیؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں، مسجد صدر اسلام میں ہمیشہ اسلامی تحریک کا مرکز رہی۔ اسلام کی تبلیغ وتشہیر مسجد سے ہوئی تھی، کفار کو سرکوب کرنے کیلئے اسلامی فوجیں مسجد ہی سے حرکت کرتیں اور پرچم اسلام تلے اکٹھے ہوتی تھیں۔ صدر اسلام میں مسجد ہمیشہ اسلامی تحریک وتحرک کا محور ومرکز رہی ہے۔[۱۷]

رہبر وقائد کے نظریات کے پیش نظر، مساجد فوجی چھاؤنی کی طرح ہیں، دشمنوں پر حملہ کرنے کیلئے ان سے استفادہ کرنا چاہئے۔[۱۸] مساجد فردی انقلاب یعنی خودسازی، تہذیب اور اخلاق کے مراکز ہیں۔[۱۹] نیز اجتماعی مرکز ہیں یعنی نماز جماعت کے برپا ہونے کا مقام ہیں جو مومنین کے اتحاد کا مظاہرہ ہے۔[۲۰] اور معاشرہ کو سیاسی ثقافتی ومذہبی بصیرت عطا کرنے، نیز تبادل اخبار وافکار کا مقام ہیں۔ حضرت امام خمینیؒ ایک پیغام کے ذریعہ اعلان فرماتے ہیں کہ مساجد کے خطیب شاہی نظام کے پچاس سالہ مظالم کو بیان کرنے اور عوام کو ان سے آگاہ کرنے کے پابند ہیں۔[۲۱] آج مساجد جہان اسلام میں انقلابی تحرک کا محور ہیں اسی بنا پر اسلامی ممالک کے حکمراں ہراسان وخوفزدہ ہیں اور مساجد کو اپنے کنٹرول میں کرنا چاہتے ہیں جیسے مصر، الجزائر وغیرہ ان ممالک میں مساجد کے خطیب حکومت کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ مساجد انقلاب کو کامیابی تک شعلہ ور و متحرک رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں جس کے نتیجہ میں شاہی نظام ان مساجد وامام بارگاہوں پر حملہ ور ہوتا اور عوام پر دباؤ ڈالتا اور ان پر ظلم و ستم کرتا تھا، جس کی وجہ سے چند مسجدوں کی بے حرمتی کی گئی اور نذر آتش کیا گیا، یہ صورتحال انقلاب کی ماہیت کو آشکار کرتی ہے اور انقلاب کی تشکیل میں اسلام کا کردار زیادہ سے زیادہ آشکار ہوتا ہے انقلاب سے قبل بعض مساجد اہم انقلابی فعالیت وکارکردگی کی بنا پر شہرت رکھتی تھیں اسی طرح دوسرے شہروں میں بھی مساجد اپنا اسلامی کردار ادا کرنے میں فعال تھیں۔

و۔اسلامی شعائر

اسلامی شعائر معاشرے کے اتحاد کی علامت شمار ہوتے ہیں،تاسوعا، عاشورا، عیدیں، شعائر اسلامی میں سے ہیں شاہ اپنے تاج پوشی کے دن کو ان کی جگہ جاگزین کرنا چاہتا تھا تاکہ ان شعائر کو جو اسلامی تشخص رکھتے ہیں، غیر اہم ظاہر کرے۔ اسلامی شعائر، انقلاب کی تشکیل میں اسلام کے کردار کو بیان کرنے کی دوسری علامتیں ہیں،انقلاب کی تاریخ میں بڑے مظاہرے واعتراضات تاسوعا وعاشورا کو انجام دیئے گئے، ۱۵ خرداد کا قیام بھی عاشورا کے ایام میں ہوا؛ ۱۳۵۷ھ ش(۱۹۷۸ء) میں اسی دن ۲۰ لاکھ افراد نے مظاہرے کئے جو غیر ملکیوں کیلئے تعجب خیز تھا۔۲۲

شہداء کی یادوں کو باقی رکھنے کیلئے مجالس کا برپا کرنا دینی شعائر میں ہے جو انقلاب کی حرکت کو جاری رکھنے کا سبب ہے یہ عمل ۱۳۵۶ھ ش سے انجام دیا گیا،ایک غیر ملکی مصنف اس سلسلے میں لکھتا ہے، شیعی سنت میں مجالس چہلم کا برپا کیا جانا سیاسی ہدف کے حصول کا بہترین نمونہ ہے۔۲۳

حضرت امام خمینیؒ انقلاب کی تشکیل میں محرم وصفر کے کردار پر توجہ کرتے ہوئے اس سنت کی حفاظت کیلئے فراوان تاکید فرماتے تھے اور انہیں انقلاب کی حفاظت وبقا کیلئے ضامن سمجھتے تھے۔۲۴ حمید عنایت بھی اس سلسلے میں لکھتا ہے،امام خمینیؒ نے شیعہ مسئلہ میں ہر چیز سے زیادہ جو اس کی ذات ومنزلت کو قابل قیاس قرار دیا جاسکے کربلا کے واقعہ کو تمام احساس کے ساتھ سیاسی ضرورت کیلئے مورد استفادہ قرار دیا۔۲۵ اسی بنا پر نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے کہ انقلاب کیلئے فقط وہ ایام کامیابی کے حامل تھے جن میں انقلاب بطور سریع پیش رفت کرسکتا تھا اور وہ اسلام سے متعلق مذہبی ایام جیسے تاسوعا، عاشورا اور چہلم سید الشہداء(ع) کے ایام ہیں۔

ح۔ ایثار اور شہادت پسندی کا جذبہ

اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ حق و حقیقت کا دفاع اور ظلم سے مقابلہ کریں اور اس راہ میں اپنے مال و جان کو قربان کریں، جہاد میں مقاومت کا نتیجہ کامیابی یا موت ہے جسے اسلامی ثقافت میں شہادت سے تعبیر کیا گیا ہے، اسلامی تاریخ شیعوں کے قیام سے سرشار ہے جنہوں نے اپنی حاکمیت اور دفاع کیلئے قیام و جہاد کیا تھا اسلام کے حیات بخش مکتب میں موت و قتل جو ہمیشہ دردناک تصور کیا جاتا ہے ایک بہترین ما حصل ہے اور شہادت فوز عظیم سے تعبیر کی گئی ہے، تحریک انقلاب کے طولانی عرصہ میں جہاد، شہادت اور شہید کے اہم آثار اسلامی معاشرے میں مشاہدہ ہوئے ہیں اس سلسلے میں شہید مطہری کی کتاب کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے حالانکہ اس سے قبل اس سلسلہ میں کم ہی نمونہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ امر حضرت امام خمینیؒ اور دوسرے اسلامی دانشوروں کی احیا کنندہ تحریک کا اثر ہے، اسلامی انقلاب خصوصاً شہادت و جہاد سے متعلق بہت زیادہ آیات و روایات کا ترجمان ہے، شہید و شہادت پسندی کے سلسلے میں رہبر کے پیغاموں کی محتوائی تحلیل انقلابی حرکت کی بقاء کا سبب ہے، شہدائے انقلاب کے وصیت نامے اور شہداء کی جانب سے عوام سے انقلاب کے استحکام و بقاء کی کوشش کی دعوت، انقلابی تحریک کے جاری و بقاء کا باعث ہوئی، شہداء کے وصیت نامہ شہدائی روح، زبان و قلب رکھتے تھے اور ان کا سرچشمہ اسلام تھا، یہ وصیت نامے شہادتین سے شروع ہوتے اور مومنین کو عقیدہ کے استحکام رہبری کی اطاعت اور احیاء اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

تاریخی شواہد کے پیش نظر شہادت پسندی کے آشکار نمونے حضرت امام حسین (ع) کی زندگی اور مظلومانہ شہادت میں پائے جاتے ہیں، اکثر اسلامی و انقلابی تحریکیں قیام عاشورا کا پرتو ہیں، انقلاب کے دوران بعض انقلابیوں کی شہادتیں انقلابی تحریک میں تیزی کا سبب ہوئیں، حضرت امام خمینیؒ کے فرزند کی ۱۳۵۶ ھ ش (۱۹۷۷ ء) میں شہادت ان ہی موارد میں سے ایک ہے۔

شاہ کا ایک سابق کارندہ انقلاب اسلامی کی تحلیل و تجزیہ میں شہادت پسندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: اگر ایران میں مذہب و نوجوانوں کے جذبہ شہادت پر توجہ کی جائے تو شاہ کی سرنگونی کے راز کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے اگر کوئی مذہب تشیع میں شہادت کے کردار کی اہمیت سے باخبر ہو تو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس مذہب میں شہید کی طاقت اس کو شہید کرنے والے سے کہیں زیادہ ہے۔[۲۶]

انقلاب کے دوران پیش آنے والے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ قائد انقلاب نے متعدد مقامات پر شہادت، صبر، استقامت اور احدالحسنین پر اعتقاد کی تاکید فرمائی ہے، الٰہی فرض پر عمل کی اصل پر عمل کرتے ہوئے حضرت امام خمینیؒ نے مختلف مرتبہ اعلان فرمایا، ہم اپنے الٰہی فرض پر عمل کریں گے اور احدالحسنین (شہادت یا کامیابی) کے منتظر ہیں۔

ط۔انقلاب کے نعرے

نعرے ہمیشہ معاشرے کے بلند مقاصد و باور کی عکاسی کرتے ہیں ایک مجموعی تجزیئے کی بناپر کہا جاسکتا ہے کہ شاہی طاغوت کے خلاف مظاہرے اور مقابلے میں جو نعرے لگائے جاتے تھے وہ انقلاب کی فکری ماہیت کی غمازی کرتے ہیں، انقلابی افراد روٹی، مکان ورفاہ کا نعرہ بلند کر کے میدان میں نہیں اترے تھے، بلکہ ان کا مطمح نظر دینی واسلامی ثقافت و کلچر تھا، انقلاب کے دوران میں انقلابیوں کے زیادہ تر نعرے اسلام پسندی کو ظاہر کرتے ہیں جن کا ہدف اسلامی حکومت کی تشکیل اور دین کا احیاء تھا۔

۱۳۵۷ ھ ش(۱۹۷۸ ء) میں دیواروں پر لکھے ہوئے نعروں کے اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۰۷۷ نعروں میں سے ۹۰ فیصد نعرے شاہی نظام کے خلاف، امام خمینیؒ کی حمایت، اسلامی حکومت کی تائید، شہدائے اسلام و مبارزہ کے جاری رہنے کیلئے عوامی وحدت واتحاد سے متعلق تھے، بقیہ ۱۰ فیصد میں ۸،۵ فیصد متفرق نعرے تھے جن کا خاص محور نہ تھا فقط شاہی حکومت کی مخالفت میں تھے۔[۲۷]

نتیجہ

ایران کے انقلاب متفاوت نظریات کے تناظر میں تجزیہ کیا گیا ہے۔ ہم اس مقالہ میں دینی ثقافت واسلام کے کردار کو بیان کرنے میں کسی حد تک کامیاب رہے ہیں، انقلاب ایران کی تشکیل میں اہم مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ ایران کا انقلاب ایران کے مسلمان عوام کے ارادے سے کامیاب ہوا ہے جو اسلامی ثقافت و کلچر کیلئے تشویش میں مبتلا تھے، انقلاب کے ایک مفکر کے مطابق ایران کا انقلاب آیا نہیں بلکہ لایا گیا ہے، بنا نہیں بلکہ بنایا گیا ہے، ایسا نہیں تھا جیسا کہ بعض ظاہر کرتے ہیں کہ ایران کا انقلاب دوسرے انقلابات کی طرح ایک حرکت تھی جو ایک تاریخی دورانئے میں ایرانی معاشرے پر اثرانداز ہوئی، اگر ایسا تھا تو انقلاب کے نعرے بے مفہوم و معنی ہوتے دوسرے اسلامی معاشرے کیلئے اس انقلاب کو نمونے کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ البتہ یہ سخن ان نظریات کے تناظر میں ہے جو معاشرے کی شناخت تو رکھتے ہیں لیکن معاشرے کے تفاوت وامتیاز کو درک نہیں کرتے ہے، اس فکری بنیاد پر کہا گیا انقلابات آتے ہیں اور جاتے ہیں۔[۲۸]

ایران کا اسلامی انقلاب اس قاعدے سے جدا و مستثنیٰ ہے جیسا کہ مذکورہ مصنف اعتراف کرتا ہے کہ ایران میں انقلاب بے نظیر طریقہ سے لایا گیا ہے اس انقلاب کی ماہیت ثقافتی ہے اور اس میں اسلام کا کردار فیصلہ کن ہے، دوسرے اسباب کی نفی کا باعث نہیں لیکن دینی ثقافت اصل سبب ہے اور دوسرے اسباب فرعی حیثیت رکھتے ہیں، اس نظریہ کی تشریح کیلئے چھ معیار پیش کئے گئے،

اسلام کی مخالفت، قیادت، مساجد کے کردار، دینی شعائر، جذبہ ایثار وشہادت پسندی اور انقلابی نعرے کہ ان میں سے ہر ایک تاریخی شواہد کے پیش نظر تاریخی تبدیلی لانے میں اسلام کے کردار کو اجاگر کرنے والا ہے۔

اس مقام پر ایک شبہ کیا جاتا ہے کہ اگر انقلاب کا سبب اسلام ہے تو کیوں اس کی نور افشانی گزشتہ ۱۴ سال میں کار گر ثابت نہ ہوئی اور انقلاب وجود میں نہیں آیا۔ اس سوال کا جواب مختلف زاویوں سے پیش کیا جاتا ہے، لیکن یہاں چند نکات کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

نکتہ اول: اسلامی ثقافت کے زوال کے بعد دینی اصلاح کی تحریک ابھرتی رہی ہے ایرانی معاشرہ قبل کی دہائی میں انقلابی تحریکوں کو پرکھنے خصوصاً مغربی قوم پرستی (نیشنل ازم) مشرقی سوشل ازم سے عمیق شناخت پیدا کرنے کے بعد اپنے اصل تشخص کی طرف پلٹ آیا، اس سلسلہ میں ایرانی معاشرے میں دانشور ظاہر ہوئے منجملہ علامہ طباطبائیؒ ان کے بعد آپ کے شاگرد اور حضرت امام خمینیؒ کہ جنہوں نے ایرانی معاشرے میں رائج ثقافت کے چہرے سے نقاب الٹ کر رکھ دی، دینی مفاہیم سے متعلق غلط تحلیلیں دور پھینک دی گئیں اور اسلام کے ان پہلوؤں کی تاکید کی گئی جو انقلاب آفرین و تحرک بخش تھے، لہذا معاشرہ ایک ثقافتی تعارض کے عرصہ سے جو مغربی ثقافت و مغرب زدہ ارباب عقیدہ کے ہاتھوں وجود میں آئے تھے گزرنے کے بعد اپنے اسلامی تشخص کو درک کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا، اسلام کی صحیح تصویر پیش کیا جانا دینی ثقافت کی طرف بازگشت کا سبب بنا اور یہ دینی فرہنگ و ثقافت کا ماحصل ایران میں ایجاد حرکت کا باعث ہوا۔

نکتہ دوم: انقلاب کے سلسلے میں اس بات سے غفلت نہیں کرنا چاہیے کہ ایران کے دینی معاشرہ کو داخلی استبداد اور مغربی استعمار کی موجودگی کے بعد جس وقت بھی موقع ملا اور ماحول کو آمادہ دیکھا وہ میدان میں اتر پڑا۔ قاجاریہ دور میں روس وایران کی جنگیں گریبایدوف کا قضیہ، تمباکو تحریک، آئینی تحریک، تحریک جنگل، قیام خیابانی، مسجد گوہر شاد کا قضیہ، تیل کے قومیائے جانے کی تحریک اور ۱۳۴۲ ھ ش (۱۹۶۳ ء) کا قیام یہ سب سماجی حرکت کو وجود میں لانے کیلئے دین کے کردار ہیں۔

آخری نکتہ: ہر انقلاب کی تشکیل کے مجموعی طور سے چند منظم اسباب ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کا فقدان دوسرے اسباب ہونے کے باوجود انقلاب کی عدم تشکیل یا شکست انقلاب کا سبب ہے اس مقالہ میں نظری بنا پر ان اسباب کو چار عناصر میں بیان کیا گیا ہے، آئیڈیالوجی قیادت، نظم عطا کرنا اور اسلامی معاشرے کے افراد (عوام) ان میں ایک سبب کا فقدان انقلاب کی عدم تشکیل یا اس کی شکست کا سبب ہے۔

حوالہ جات

۱۔ پیرامون انقلاب اسلامی، شہید مرتضیٰ مطہری، قم صدرا، ص۲۹۔

۲۔ مذہب وانقلاب، پروس منکن، ترجمہ: حمید عضدانلو،اطلاعات سیاسی اقتصادی، ص۲۳۔

۳۔انقلاب اسلامی در مقایسہ باانقلاب ہای روسیہ و فرانس، تہران، محمدی، ص۳۲۷۔

۴۔ سنت ہای تاریخی در قرآن، سید محمد باقر صدر؛ فلسفہ انقلاب اسلامی، جلال الدین فارسی، ص۳۵۰؛ جامعہ وتاریخ، محمد تقی مصباح، سازمان تبلیغات اسلامی، ص۲۴۲۔

۵۔ان اللہ۔۔۔ سورۂ رعد، ۱۱۔

۶۔ پیرامون انقلاب اسلامی، شہید مطہری، ص۵۵۔

۷۔ ظہور و سقوط سلطنت پہلوی، حسین فردوست، تہران۱۳۶۸، ص۵۷و۲۷۔

۸۔ بررسی و تحلیل از نہضت امام خمینی، سید حمید روحانی، تہران راہ،۱۳۶۵، ص۱۸۔

۹۔زندگی سیاسی امام خمینی، محمد حسین رجبی، تہران، قبلہ ۱۳۷۴، ج۴، ص۳۶۔

۱۰۔اہر مہا، سقوط شاہ و پیروزی انقلاب اسلامی، فخر روحانی، تہران، سازمان۔۔۔۱۳۷۰، ص۱۳۷۔

۱۱۔ من یجعل۔۔۔ سبیلا۔ آیت قرآن۔

۱۲۔ فرایند بسیج سیاسی در انقلاب اسلامی،انقلاب اسلامی و ریشہ ہائے آن، شجاع احمد وند، مجموعہ مقالات، ۱۳۵۴، ص۲۷۔

۱۳۔استاد محمد تقی مصباح، ص۱۳۷۰۔

۱۴۔ بررسی و تحلیل از نہضت امام خمینی، سید حمید روحانی، ج۱، ص۴۱۷۔

۱۵۔ فرایند بسیج سیاسی در انقلاب اسلامی، شجاع احمد وند، ص۷۵۔

۱۶۔ بینش اسلامی و پدیدہ ہای جغرافیائی، عباس سعید رضوانی،۱۳۶۸ مشہد، ص ۳۵۔

۱۷۔ صحیفہ امام، ج۱۸، ص ۴۲۴۔

۱۸۔ ایضاً، ج ۲، ص ۲۰۸۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۱۷۔

۲۰۔ ایضاً، ج ۱۲، ص ۵۰۰۔

۲۱۔ ایضاً، ج ۳، ص ۴۳۵۔

۲۲۔ انقلاب بہ نام خدا، کلر برید و پیر بلانشر، ایران، ترجمہ: قاسم صفوی تہران،۱۳۵۸، ص ۴۱۔

۲۳۔ ریشہ ہای انقلاب ایران، تیکی ار، کدی، ترجمہ: عبدالرحیم گواہی، تہران ۱۳۶۶، ص ۲۴۳۔

۲۴۔ صحیفہ نور، امام خمینی، ج ۱۵، ص ۲۰۴۔

۲۵۔ اندیشہ سیاسی در اسلام معاصر، حمید عنایت، تہران، ۱۳۶۱، ص ۳۴۵۔

۲۶۔ اسرار سقوط شاہ، فریدون ہویدا، ترجمہ: مہران، تہران ۱۳۷۱، ج ا، ص ۱۱۰۔

۲۷۔ بررسی دیوار نوشتہ ہای دوران انقلاب، مہدی محسنیان راد، فصل نامہ رسانہ، ش ۴، ۱۳۶۸، ص ۲۴۔

۲۸۔ Theda.Skoepul.Tbid.p.265 تدا اسکاچپول، عابد، ص ۲۶۵۔

امام خمینیؒ کے زاویہ نگاہ سے انقلاب اسلامی کے مقاصد (اصغر افتخاری)

اشارہ

اگرچہ سماجی تغیرات کی بحث قدیم زمانے ہی سے مختلف مفکرین کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ ارسطو اور افلاطون سے لے کر مارکس، مارکوزہ اور آرنٹ جیسے معاصر مفکرین اس میں شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں متنوع تھیوریاں پیش کی گئی ہیں، اس کے باوجود موضوع کی اہمیت و حساسیت اس اہم سیاسی واقعے کی جدید زاویہ نگاہ سے نظر ثانی کی متقضی ہے، اس بنا پر مشاہدہ ہوتا کہ شناسائی انقلاب، کے سلسلہ میں عظیم حجم میں تحقیقات ہونے کے باوجود اب بھی اچھی طرح گفتار کی جگہ خالی ہے، اس دعوے کا اہم ترین مصداق ایران میں اسلامی انقلاب کا رونما ہونا ہے۔ بعض نامور مفکرین اس انقلاب کے رونما ہونے کے بعد اپنے سابقہ نظریات پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہوئے ہیں، اس نظر ثانی کی ضرورت ہمارے انقلاب کے مذہبی رنگ کی بنا پر ہے، چونکہ اسلامی انقلاب منفرد حیثیت کا حامل ہے اور ضروری ہے کہ شناخت انقلاب میں امتیازی مقام حاصل ہو، لہذا ہم اس تحریر میں انقلابات کی ایک جدید تقسیم پیش کر رہے ہیں کہ اس میں انقلابات انقلابیوں کے مقاصد کی بنیاد پر ایک دوسرے سے جدا کئے جائیں گے۔ یہ جدید تقسیم، دوسری تقسیمات کے پہلو میں جو فلسفی، تاریخی اقتصادی انسانی اور اخلاقی بنیاد پر کی گئی ہیں، انقلاب اسلامی کے تعارف میں موثر ہو۔ اس نظریہ کے مطابق انقلاب کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اول: وہ انقلابات جن کا بلند اور ابتدائی مقصد ایک ایسے معاشرے کا قیام ہوتا ہے جس میں طبقاتی اختلاف نہ ہو یعنی اس میں کامل اقتصادی مساوات ہو، مارکسسٹ ممالک میں آئے انقلابات اس زمرے میں قرار پاتے ہیں۔

دوم: وہ انقلابات جن کا عالمی و سرفہرست مقصد ایسے معاشرے کا قیام ہے جو فردی آزادی و شخصی رفاہ پر استوار ہو اس طرح کہ ہر وہ چیز جو اس مقصد کے مقابل قرار پائے کنارے لگا دی جائے، لبرل معاشرے اس فہرست میں قرار پاتے ہیں جو انسان دوستی کو نعروں کے قالب میں اپنی ثقافتی مصنوعات کو دوسرے ممالک کو برآمد کر رہے ہیں۔

سوم: وہ انقلابات جن کی بنیاد، الٰہی انسان کی تربیت ہے ان کا عالی و بلند مقصد ایک خدا پسند معاشرہ کا قیام ہے، ان انقلابات میں فقط معاشی ضروریات کو پورا کرنا اور عمومی آسائش، معیار نہیں بلکہ اصل غرض معاشرے میں بہترین و عالی صورتحال پیدا کرنے کیلئے ان وسائل کا استفادہ کرنا ہے تاکہ ایک صالح و پاک معاشرہ وجود میں آئے اور اس معاشرے کے افراد معنوی تکامل و خودی کو

حاصل کریں۔ پیامبر عظیم الشان ﷺ کا عظیم انقلاب اس نظریئے کے مطابق عالی نمونہ ہے اور عصر حاضر میں، اسلامی انقلاب ایران ہے جو اپنی نوع میں منحصر بہ فرد ہے۔

اگرچہ ممکن ہے کہ ایسے نمونے حاصل ہوں جو مذکورہ نظریات سے مرکب ہوں لیکن ان میں اہم ترین وہی ہیں جن کو اوپر بیان کیا گیا، اس قسم کی شناخت کو بہتر درک کرنے کیلئے درج نکات کی یاد دہانی ضروری ہے:

ا۔ بنیادی طور سے انقلاب اسلامی گفتگو میں خاص تعریف کا حامل ہے اور اس مقصد کیلئے خاص لفظ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں۔ انقلاب کا معنی زیر و رو ہوتا ہے، سترہویں صدی میں ایک عام و مقبول تعریف سیاسی حلقوں میں استعمال کی گی جس کا اصطلاحی مفہوم و معنی، حکومت یا اجرائی طاقت کا تمام وجود و معیار کے ساتھ ساقط ہونا اور جدید حکومت یا طاقت کا تشدد کے ذریعہ منتخب ہونا ہے، اگرچہ یہ مفہوم اس عرصہ میں خاص ظرافت و نئی تھیوری اور پہلوؤں کا حامل ہو چکا ہے کہ آج انقلاب کیلئے متنوع و وسیع تھیوریاں پیش کی جا رہی ہیں۔[۱] لیکن نتیجے کے مقام میں اعتراف کرنا چاہیے کہ یہ تمام تھیوریاں انقلاب اسلامی کی جامع تشریح کرنے سے عاجز ہیں، کیونکہ انقلاب اسلامی نظریئے میں خاص تعریف رکھتا ہے جو دوسری تعریفوں سے از حیث محتویٰ متفاوت ہے، انقلاب کا لفظ اگرچہ اسلامی کلام میں اس کے سیاسی معنی کے ہمراہ نہیں آیا ہے لیکن امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اصطلاح واضح و آشکار طور سے اس معنی پر دلالت کرتی ہے، یہ اصطلاح، اصلاح سے انقلاب تک کی تمام سماجی تغییر کی صور و اشکال کو شامل ہوتی ہے اور تین بنیادی عناصر رکھتی ہے۔[۲]

اول: انقلاب آئیڈیل پہلو کہ جس کی بازگشت، آمر معروف و ناہی منکر کے عظیم محرک کی طرف ہے اس بنیاد پر انقلاب کا اقدام فقط جائز مقصد نبوی اقدار و سیرت پر معاشرے کے امور کو منظم کرنے کیلئے ہے، اگر انقلاب سے یہ معنوی پہلو لے لیا جائے تو انقلاب اسلامی نہ ہوگا۔[۳]

دوم: انقلاب کا مادی پہلو جو انقلابیوں کیلئے ستمگر حکام کے مقابل تعارض کی شکل میں جلوہ گر ہے اسے رائج اصطلاح میں تشدد سے یاد کیا جاتا ہے۔

سوم: انقلاب کا معرفتی و شناختی پہلو جو انقلابی افراد و عوام کی آگاہی سے متعلق ہے۔

توضیح: آمر معروف و ناہی منکر کو اس میدان میں کامل آگاہی رکھتے ہوئے قدم اٹھانا چاہیے، اگر کاذب آگاہی یا جہل کی اقتضا پر کوئی اقدام انجام دے تو اسے اسلامی انقلاب نہیں کہا جا سکتا ہے۔[۴]

مذکورہ گفتگو پر توجہ کرتے ہوئے ''انقلاب'' کی توصیف یوں کی جاسکتی ہے:

انقلاب، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا دوسرا نام ہے جو ایک واجد شرائط رہبر کی قیادت میں آگاہ اور صالح افراد کے اختیار وانتخاب کے ذریعہ، خاص مراحل کو طے کرتے ہوئے ظالم و ستمگر سلطان یا حکومت کے مقابل انجام دیا جائے جس کا ہدف حکومتی ساخت، ادارہ جات اور مسلط اقدار میں تغییر ہے، یعنی پیغمبر اکرم ﷺ کی سنت کا احیاء اور تحریفات، منکرات اور بدعتوں کا قلع قمع کرنا ہے۔۵۔ اس بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی انقلاب، محتویٰ کے اعتبار سے روش میں کسی حد تک دوسرے انقلابات سے امتیاز رکھتا ہے اور جو کچھ انقلاب کے مقاصد کے پہلو کے تحت پیش کیا گیا ہے، اسی مطلب سے متعلق ہے۔

۲۔ ایران کا اسلامی انقلاب اس تحریر میں ۴۲ سے ۱۳۵۷ھ ش (۶۳، ۱۹۷۹ء) تک کی تاریخ میں محدود و منحصر نہیں ہوتا ہے بلکہ اسلامی جمہوریہ کی تاسیس کے دور کو بھی شامل ہوتا ہے، لہذا ایران کے حالات کو عصر انقلاب اور عصر حکومت میں تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ تقسیم کچھ غلطیوں کی پیش خیمہ ہے، منجملہ یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ دوران حکومت کے قبول شدہ مقتضیات، اصول، اہداف اور روش انقلاب کے دوران سے فرق رکھتے ہیں حالانکہ اسلامی نظر اس استدلال کو قبول نہیں کرتا اور اعتقاد رکھتا ہے کہ اقدار، مقاصد اور انقلابی مطالبات حکومت کی تاسیس میں بھی جاری ہو اور اس حیثیت سے یہ دو مرحلے باطنی تعلق رکھتے ہیں، یعنی دوران تاسیس انقلابی مقاصد کے عینی تحقق کا مرحلہ ہے، لہذا اس تحریر میں انقلاب کے مجموعی مقاصد کو ایک پوزیشن میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عوام اور عہدیداروں کیلئے آگاہی بخش ثابت ہو سکے۔

۳۔ ان مباحث کی اصل تشخص بنیادی طور پر ''آسیب شناسی'' ہے یعنی مولف نے بند دوئم میں مذکور اصل کو قبول کرتے ہوئے کوشش کی ہے کہ حضرت امام خمینیؒ کی لسان مبارک سے انقلاب کے مقاصد کو واضح طور سے پیش کیا جائے اور اس ذریعہ سے حکام کو ان کے فرائض اور عوام کو ان کے بلند مقام سے آگاہ کیا جاسکے تاکہ انقلاب کی راہ میں پیش آنے والے ہر قسم کی کج روی کی شناخت ہو سکے۔ ظاہری بات ہے کہ نیک عمل کیلئے شناخت، پہلی شرط ہے اور اس کی یاد دہانی سب کیلئے ثمر بخش ہو سکتی ہے۔ البتہ حاضر تقسیم کو صرف ممکنہ نمونہ کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا، شاید مذکورہ اہداف کیلئے دوسرے نمونوں کو پیش کر کے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، اس صورت میں انہیں بحث حاضر کی تکمیل کے طور پر زیر تحقیق قرار دیا جاسکتا ہے۔

۴۔ اس، انقلاب کی تعریف پر توجہ کرتے ہوئے درک کیا جاسکتا ہے کہ اس میں، قیادت اہم کردار ادا کرتی ہے اسی بنا پر زیر نظر مقالے میں ایسی روش اپنائی گئی ہے جو انقلاب کے مقصد کی تشریح کرنے میں موثر و کارآمد ہو لہذا اس مقصد کیلئے، انقلاب اسلامی

کے سلسلہ میں توصیفی وترکیبی نظریہ اپنا کر حضرت امام خمینیؒ کے مجموع کلام کو مشعل راہ قرار دیتے ہوئے کوشش کی گئی ہے کہ ان کے کلام کے پرتو میں ذیل کے دو کلی مقاصد کو حاصل کیا جائے:

اول: حضرت امام خمینیؒ کے کلام میں انقلاب کے حقیقی مقاصد کو بیان کیا جائے۔

دوم: آئندہ دہائیوں میں ملک کو زیادہ سے زیادہ آباد کرنے کیلئے جمہوری اسلامی اور ملت ایران کی پالیسیوں کو واضح کیا جائے۔

لہذا آنے والی سطروں میں اسلامی انقلاب کے ثقافتی یعنی تربیتی، اقتصادی اور سیاسی مقاصد کی تشریح کی جائے گی۔

الف۔ ثقافتی، تربیتی، مقاصد

ثقافتی، فرہنگی مقاصد، انقلابات کے اہم ترین نظری فکری پہلو کو تشکیل دیتے ہیں اس حیثیت سے انقلاب اسلامی کا ملاً اسلام کے ثقافتی راہ وروش سے متاثر ہے کیونکہ اسلام خود کو انسان ساز دین کے طور پر پیش کرتا ہے اسی بنا پر حضرت امام خمینیؒ نے اپنے انقلاب کے سرفہرست پروگرام کو انسان صالح کی تربیت قرار دیا تھا، آپ صراحتاً فرماتے ہیں:

جس قدر ایک بے تربیت انسان معاشروں کیلئے نقصان دہ ہے اس قدر کوئی شیطان، حیوان اور موجود، مضر نہیں ہے جس قدر ایک تربیت شدہ انسان معاشروں کیلئے مفید ہے اس قدر کوئی فرشتہ و موجود مفید نہیں ہے، عالم کی بنیاد انسان کی تربیت پر ہے۔٦

اسی لئے مشاہدہ ہوتا ہے کہ امام خمینیؒ کے انقلابی مقاصد اکثر تربیتی رنگ رکھتے ہیں اور ان کا دو زاویوں سے جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

ا۔ فردی زاویہ سے تربیت، متقی و تربیت شدہ انسان

شہید مطہری انقلاب اسلامی کے اس زاویہ کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ معنویت اس انقلاب کے حقیقی ارکان میں سے ہے اور انسان کیلئے سرمایہ حیات ہے، لہذا ایک ایسے اسلامی معاشرے کا قیام جس میں الٰہی قدریں کامل نمود رکھتی ہوں، اسلامی اقدار و آداب سے مزین انسانوں کی تربیت پر موقوف ہے۔ یے یعنی صالحین کی حکومت، اس حیثیت سے ایسی حکومت ہے کہ اس میں افراد، الٰہی ایمان کی جستجو میں ہیں، نفس کی تہذیب کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں اور اپنے ملک وجود پر الٰہی قدروں کو اس طرح مسلط کئے ہوئے ہیں کہ خود بینی و سرکش انانیت کا دور تک وجود نہیں ہے۔

مذکورہ مطلب اس حیثیت سے توجہ کے قابل ہے کہ غیر الٰہی مکاتب میں انسانوں کی تربیت کا اہم فرض فراموش کر دیا جاتا ہے، عام طور سے اقتصادی، سیاسی مسائل غلط طرز سے انقلابی حرکات و تحلیلات کا محور قرار دیئے جاتے ہیں حالانکہ امام خمینیؒ نے اصل

واساس افراد کی تربیت کو قرار دیا ہے، آپ صراحتاً فرماتے ہیں: تمام عبادات وسیلہ ہیں۔۔۔ جو کچھ بالقوۃ ہے اور انسان کا خلاصہ کہ فعلیت میں تبدیل ہو جائے (یہ کہ) ایک الٰہی انسان ہو جائے۔۸

۲۔ سماجی (اجتماعی) زاویہ: ایک خداپسند معاشرے کا قیام

حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں معنویت افراد کی اندرونی طاقت میں منحصر نہیں ہے اور ایسا نہیں ہے کہ افراد کی اندرونی طاقت کی راہنمائی اعتدال و سلامتی کی طرف کرے، بلکہ اس سے کہیں آگے نسیم معنویت کو سماج و معاشرے کے تمام زاویا میں چلنا چاہیے اور اس ہدف کیلئے ضروری ہے کہ اسلامی اصولوں کی تبلیغ منظم طریقہ سے اسلامی معاشرے میں انجام دی جائے۔ اسلام کی عظیم وبلند قدروں کی طرف دعوت تمام اجتماعی شعبے میں جاری وساری ہو، اسی وجہ سے حضرت امام خمینیؒ نے پہلے عوام کو مورد خطاب قرار دے کر ان کے الٰہی فرض کو بیان فرمایا پھر تربیت کے مختلف اداروں کو ایک ایک کر کے مخاطب کیا اور ان اداروں کو ان کی ذمہ داری اور فرائض کی یاد دہانی فرمائی۔ حضرت امام خمینیؒ کے تربیتی مقاصد مجموعی طور سے حسب ذیل موضوعات کے تحت بیان کئے جا سکتے ہیں:

اول: انسانوں کی سرنوشت کے سلسلہ میں ہمدردی کے جذبہ کا معاشرے پر حاکم ہوتا۔ حضرت پیغمبر اسلام ﷺ لوگوں کے تربیت نہ ہونے پر غمگیں رہتے تھے کہ خداوند متعال تسکین دیتا تھا۔۔۔ ہر انسان کو ایسے ہی ہونا چاہیے، جو اسلام وانسانیت کے اصولوں کو حاصل نہیں کرتے ان کیلئے افسوس کرنا چاہیے۔۹

اسلامی معاشرے میں ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' کی بنیاد اجتماعی مقاصد پر رکھی گئی ہے چونکہ اسلامی معاشرے میں افراد دوسروں کی سرنوشت کے سلسلہ میں بے اعتناء نہیں رہ سکتے ہیں، لہذا ہمدردی کرتے ہوئے نہ طمع یا کینہ کی بنا پر بلکہ انہیں ضلالت و گمراہی سے نجات دینے کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر انجام دیتے ہیں، ایسے محرکات کا وجود آئیڈیل معاشرہ کو اصل دوم قبول کرنے کیلئے راہنمائی کرتا ہے یعنی معاشرے کی ہدایت کیلئے ''اجتماعی ذمے داری'' کو قبول کرتا ہے۔

دوم: اجتماعی ذمے داری

حضرت امامؒ کے کلام میں توجہ طلب نکات میں سے ایک یہ ہے کہ کبھی بھی ایک محکمے یا خاص ادارہ کو عوامی تربیت کا ذمہ دار نہیں سمجھتے تھے بلکہ تمام اداروں اور محکموں کی کارکردگی وذمے داری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آخر میں یاد دہانی کے طور پر فرماتے تھے، ملت اور حکومت کیلئے ضروری ہے کہ ہم قدم وہمدرد ہو کر معاشرے کی ثقافت و کلچر کی اصلاح کریں پسماندگی کو رفع کریں، مثال کے طور پر اگرچہ اسکولز بچوں کی صحیح تربیت کے ذمہ دار ہیں۔۱۰ لیکن آپ نے اسی پر اکتفاء نہیں کی ان کے والدین اور سرپرست کو مخاطب کر کے ان کو ان کی شرعی ذمہ داری یاد دہانی فرمائی۔۱۱ ان تمام مسائل کے باوجود دوسرے سماجی اداروں کو توجہ دلاتے کہ

اس نسل کو سماجی برائیوں سے بچائیں، لہذا ایک آئیڈیل معاشرہ وہ معاشرہ ہے جس کے افراد تمام عوام کی تقدیر میں ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں۔

سوم: ثقافتی، تربیتی اداروں سے مختص مقاصد

حضرت امام خمینیؒ انسانوں کی تربیت کے اہم امر میں حقیقت پسند تھے، لہذا اس اہم فرض کو فقط افراد کے اندرونی احساس کے حوالہ نہیں کیا بلکہ تربیتی اداروں کو ان کے فرائض اور ذمے داریوں کی یاد دہانی فرمائی ہے، جو کچھ یہاں پیش کیا جارہا ہے عملی روش نہیں بلکہ تمام اداروں پر حاکم کلی اصول ہیں جو اسلامی معاشرے میں تربیتی اداروں کی مجموعی آئیڈیل صورتحال کو ظاہر کرتے ہیں وہ صورتحال جس میں درج ذیل اصول نمایاں ہیں:

اصول اول: تربیتی امور کے افراد کا صالح ہونا

علمی و تعلیمی مراکز ریڈیو، ٹیلی ویژن، صحافت، رسائل و مجلات اور دوسرے تربیتی ادارے و مراکز اس وقت ثمر بخش ہو سکتے ہیں جب وہ خود، صالح ہوں لہذا صالح مراکز کا وجود امام خمینیؒ کے بلند ترین مقاصد تھے۔

''ہمارے ملک کو جس قدر یونیورسٹی اور فیضیہ (دینی مدرسہ) سے نقصان پہنچا ہے دوسری جگہوں سے نہیں پہنچا ہے، دونوں مراکز کو صالح و مہذب ہونا چاہیے علماء اسلام اور یونیورسٹی کے اساتذہ کو آپس میں متحد ہونا چاہیے''۔ ۱۲؎

اصول دوم: ہدف واحد کے حصول کیلئے تمام اداروں اور مراکز میں عمومی ہم خیالی کا وجود۔ اس مقدس ہدف کے حصول کیلئے تمام تربیتی مراکز کے ہم آہنگ ہونے کی امام خمینیؒ نے اکثر تاکید فرمائی۔ آپ نے مختلف مناسبتوں سے مختلف مواقع پر اس اہم اصول کی یاد دہائی فرمائی ہے۔

''یونیورسٹی والے اور عزیز نوجوان زیادہ سے زیادہ علماء اور اسلامی علوم کے طلاب سے دوستی و تفاہم اور اتحاد کو محکم تر کریں اور غدار دشمن کی سازش سے غافل نہ ہوں''۔ ۱۳؎

''ضروری ہے کہ علماء اور یونیورسٹی طبقہ کے افراد آپس میں ایک دوسرے کا احترام کریں ان چند سالوں میں ان کے خلاف پروپیگنڈہ کیا گیا کہ وہ تفرقہ و اختلاف سے زیادہ استفادہ کریں۔۔۔ اختلاف سے پرہیز کریں''۔ ۱۴؎

اصول سوم: تمام مراکز میں مہارت اور فرض شناسی کا یکجا ہونا

تربیت کا مقام ان معلموں کیلیئے ہے جو اپنے کام میں مہارت رکھتے ہیں اور اس کے بلند اہداف کے سلسلہ میں فرض شناس ہوں ، لہذا حضرت امام خمینیؒ شدید تاکید فرماتے ہیں کہ یہ منصب فقط ان افراد کے حوالے کیا جائے جو مذکورہ خصوصیات رکھتے ہیں اور اگر ایک دن ایسا ہو کہ تمام سماجی حکام، ماہر اور فرض شناس ہوں تو ایک اسلامی معاشرہ کا قیام جلد ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

"ہمیں دانشور انسان چاہیے، معلم اور طالب علم نہیں، علمی مرکز انسان بنائیں، اہم یہ ہے کہ یونیورسٹی سے باہر آنے پر درک کریں کہ ہم نے اس ملک کی دولت سے علم حاصل کیا ہے۔۔۔اور اس ملک کیلیئے خدمت انجام دیں"۔۱۵

"ہم مہارت کے مخالف نہیں ہیں ہم علم کے مخالف نہیں ہیں ہم اغیار کی نوکری و غلامی کے مخالف ہیں۔ ہم چاہتے ہیں یونیورسٹی میں ایسے ماہر تربیت کئے جائیں جو اپنی ملت و ملک کیلیئے کام کریں"۔۱۶

حضرت امام خمینیؒ اس سلسلے میں عالم، ماہر و متدین حزب اللہ کی موجودگی انقلاب کے تمام میدانوں میں چاہتے ہیں۔ البتہ تربیتی ادارہ اپنی اہمیت کی بنا پر سر فہرست ہے۔۱۷

حوالہ جات

۱۔ہاناآرنت،انقلاب،عزت اللہ فولادوند،تہران،خوارزمی ۱۳۶۱۔

کارل ورت،پیتر،انقلاب،ابوالفضل صادق پور،تہران،زوار ۱۳۴۸۔

ارسطو،سیاست،حمید عنایت،تہران،ج۴،ص ۱۳۶۴۔

۲۔مرتضیٰ مطہری،پیرامون انقلاب اسلامی،تہران،صدرا،۱۳۶۸۔

مرتضیٰ مطہری،پیرامون جمہوری اسلامی،تہران،صدرا۔

ابوالفضل عزتی،اسلام انقلابی وانقلاب اسلامی،ہدیٰ،تہران۔

عباس علی عمید زنجانی،انقلاب اسلامی وریشہ ہای آن،تہران،کتاب سیاسی،۶۷۔

جلال الدین فارسی،انقلاب تکاملی اسلام،تہران،آسیا۔

۳۔یہ حضرت امام حسین(ع) کے کلام کااقتباس ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

میں نے خود غرضی کی بناپر ظالموں کی مانند قیام نہیں کیاہے بلکہ ہم امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرناچاہیے،ہم اپنے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر چلناچاہتے ہیں۔

۴۔کہاجاتاہے کہ شیعہ نظریات اہل سنت کے مقابل زیادہ انقلابی ہیں کیونکہ اہل سنت میں بعض علماء ہیں جنہوں نے انقلاب کے حرام ہونے کافتویٰ صادر کیاہے۔لیکن شیعہ غیر الٰہی حاکم کے خلاف قیام کو جائز ہی نہیں جانتابلکہ واجب سمجھتاہے۔

۵۔اس سلسلے میں ایک تحقیق محمد رضاخاتمی کے ذریعہ تھیوری انقلاب از دیدگاہ اسلام کے عنوان سے شائع ہونے والی ہے۔مولف کتاب،جواز شرعی انقلاب،نے انقلاب اسلامی کواسلامی ثقافت میں،امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے تعبیر کیاہے۔

۶۔صحیفہ امام،ج۱۴،ص ۱۵۳۔

۷۔ مرتضی مطہری، پیرامون جمہوری اسلامی، تہران، صدرا، ص ۶۰ و ۱۷۲ و ۱۷۴۔

۸۔ امام خمینیؒ، تفسیر سورہ مبارکہ حمد، ص ۵۔ ۴۷۔

۹۔ صحیفہ امام، ج ۱۴، ص ۱۲ و ج ۱۵، ص ۴۹۳۔

۱۰۔ صحیفہ امام، ج ۱۵، ص ۲۴۵۔

۱۱۔ ایضاً، ج ۱۴، ص ۳۶۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۷۰۔

۱۳۔ وصیت نامہ حضرت امام خمینیؒ، وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی، ص ۱۲۔

۱۴۔ صحیفہ امام، ج ۳، ص ۳۲۵۔

۱۵۔ صحیفہ امام، ج ۱۳، ص ۴۱۸۔

۱۶۔ صحیفہ امام، ج ۱۴، ص ۳۵۹۔

۱۷۔ صحیفہ امام، ج ۱۲، ص ۲۹۱۔

اسلامی انقلاب میں امام خمینیؒ اور عوام کا رابطہ (ڈاکٹر منوچہر محمدی)

انقلابات کے جائزے کے دوران انقلاب کے دو بنیادی ارکان (قیادت و عوام) کا مطالعہ اور ان دو ارکان کا تعامل خاص اہمیت کا حامل ہے اسی وجہ سے انقلاب کے نظریات کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

ا۔ عوام محور، مکاتب

بلاشبہ، تمام تحریکوں اور سماجی وسیاسی قیاموں میں عوام اپنے کلی وعام معنی میں ان تحریکوں میں اصل موضوع کے عنوان سے خاص مورد توجہ ہوتے ہیں اور ان تحریکوں میں چند عنوان سے خاص اہمیت رکھتے ہیں یا اس عنوان سے کہ تحریک ان کی خدمت اور ان کی نجات کیلئے چلائی گئی ہے یا یہ کہ ان سے مدد طلب کی گئی ہے یا یہ کہ اکثر سیاسی وسماجی حالات میں ان کا کردار زیادہ اہم ہوتا ہے، بہت کم رونما ہونے والے فوجی سازش کے علاوہ تمام سیاسی وسماجی حالات میں عوام کا کردار زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

انقلاب بھی کہ جو سیاسی وسماجی حالات کے اقسام میں ایک کامل ترین نوع ہے، عوام کی شرکت کے بغیر مفہوم ومعنی نہیں رکھتا ہے، درحقیقت انقلاب کے تین اہم رکن ا میں سے ایک انقلابی حالات میں عوام کی بھرپور شرکت ہے، لہذا بعض مکتب فکر انقلاب کی کامیابی کے اصل عامل کے طور پر عوام کو پیش کرتے ہیں اور معتقد ہیں کہ اس کامیابی میں عوام کے کردار کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

البتہ اب تک عوام کی واضح ودقیق تعریف نہیں کی گئی ہے اور ہر مکتب فکر سیاسی وسماجی صورتحال میں عوام کے موثر گروہ کو مدنظر رکھتے ہوئے عوام کی تعریف کرتا ہے جیسے مارکس ازم صرف مزدوروں کے طبقے کو وہ بھی آگاہ مزدوروں کے طبقے (پرولتاریا) کو پروڈیوسنگ اور انقلابی طبقہ تصور کرتا ہے، لبرل ازم نے متوسط طبقہ اور معاشرے کے روشن فکر افراد کو مدنظر رکھا ہے اور انہیں سماجی وسیاسی حالات میں موثر تصور کرتے ہوئے معاشرے کے نمائندہ کے عنوان سے پیش کرتا ہے۔ فرانس کے انقلاب میں اشرافیہ کا کردار خصوصاً سرمایہ داروں کا کردار ناقابل انکار ہے۔۲

کیوبا کا انقلاب عسکری اور چھاپہ مار گروہوں پر تکیہ کرتے ہوئے رونما ہوا، چین کے انقلاب کا محور دہقان وکسان تھے، دوسرے انقلابات میں بھی تھوڑی دقت کے ذریعہ ان کے محور واصل محرک کو پہچانا جاسکتا ہے لیکن تھوڑی توجہ سے درک کیا جاسکتا

ہے کہ دنیا کے معاصر مکتب میں جو کچھ عوام کے عنوان سے کہا جاتا ہے وہ فقط عوام کے ایک حصہ کو تشکیل دیتے ہیں، صاحب انقلاب و محرک طاقت کا اطلاق معاشرے کے تمام افراد پر نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ قیادت محور مکاتب

بعض مکاتب انقلاب کی کامیابی یا شکست کو ان کے رہبر یا رہبروں سے متعلق تصور کرتے ہیں اور معتقد ہیں کہ یہ کردار و قابلیت رہبر سے مخصوص ہے جو عوام کو انقلاب میں شرکت کیلئے آمادہ کرتا ہے اس قسم کے اکثر مکاتب رہبر کیلئے Charismatic طاقت کے قائل ہیں اور انقلاب کو رہبر کی شخصیت سے وابستہ سمجھتے ہیں۔

رہبر کیلئے Charismatic طاقت کے سلسلہ میں بنیادی تھیوری میکس ویبر کی ہے وہ معتقد ہے: سیاست جس کی خاصیت تسلط ہے، تین قسم کا تسلط، تین قسم کی رفتار کے ذریعہ تشخیص کے قابل ہے، عقلائی، روایتی اور Charismatic۔ یہ تقسیم خاص جذبہ کی بنیاد پر ہے جو سرچشمہ اطاعت ہے، عقلائی تسلط کی بنیاد اعمال تسلط حاصل کرنے والے کے عناوین و دستور پر قانونی اعتقاد ہے۔ روایتی تسلط کی بنیاد قدیمی سنت و روایت ہے یعنی ان قوانین و دستور پر اعتقاد جس کے ذریعہ سے دستور و عناوین جائز ہوتے ہیں کاریزماٹیک تسلط غیر معمولی فداکاری پر مبنی ہے اور اس کی بنیاد پر قائم ہونے والا نظم اس کو جائز قرار دیتا ہے، عقلانیت اور Charisma دونوں روایتی تسلط کے مقابل انقلابی تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ عقلانیت، اول معاشرہ کے ماحول کو تبدیل کرتی ہے اور عوام کی آئیڈیالوجی میں دگرگونی کا سبب ہے لیکن کاریزما اول فرد کی اندرونی زندگی کو تبدیل کرتی ہے۔ میکس ویبر ہر Charismatic تسلط کو انقلابی قرار نہیں دیتا ہے اور تمام انقلابات کو کاریزماٹیک تصور نہیں کرتا لیکن اس کی نظر کے مطابق اکثر جدید انقلابات کاریزماٹیک خصلت کے حامل رہے ہیں۔ روایتی اور قانونی حکومتوں کو سرنگوں کرنے کیلئے کاریزماٹیک رائج ترین ذریعہ و وسیلہ ہے، لہذا انقلابی قدرت کا حامل ہے کاریزماٹیک تسلط استثنائی خصلت پر مبنی ہے رہبر یا اس کے فدائی پیرو اس خصلت کو رکھتے ہیں اس تسلط میں اصل وہ اعتقاد ہے جو اس کے پیرو کاریزماٹیک شخصیت کی غیر معمولی خصوصیت کے سلسلے میں رکھتے ہیں۔

کاریزما پیرو و رہبر کے مابین ایک درونی رابطہ ہے اور Charismatic رہبر فقط کاریزماٹیک تحریک میں آشکار ہوتا ہے۔ یہ اقتدار عقلانی و روایتی بنیاد نہیں ہے بلکہ احساس و عاطفی بنیاد پر ہوتا ہے۔ کاریزما اقتدار میں ایسی سیاست وجود رکھتی ہے جس کی بنا پر کاریزماٹیک شخصیت کے پیرو اس کو بغیر چون وچرا اپنا رہبر تسلیم کر لیتے ہیں۔ کاریزماٹیک رہبر سیاسی جہتوں کے عام رخ کو موڑنے کا سبب ہوتا ہے یا سیاسی امور کیلئے نئے معنی و مفہوم پیش کر کے موجود اقتدار کو چیلنج کرتا ہے اور ماضی کی نفی کرتا ہوا ایک انقلابی طاقت میں

تبدیل ہو جاتا ہے۔Charisma دائمی تحرک کا ضرورتمند ہے۔اس قسم کا اقتدار سیاسی، مذہبی، اخلاقی، اقتصادی و درونی اضطراب و دباؤ کی بناپر وجود میں آتا ہے۔ سیاسی و سماجی ناراضگی کا ظہور ایسے فرد کے وجود سے مقارن ہوتا ہے جو اپنے کو نئے پیغام کا حامل تصور کرتا ہے وہ عوام کے طبقات کے درمیان عاطفی روابط برقرار کرنے کی توانائی رکھتا ہے اور غیر معمولی صفات و خصوصیات کا حامل ہوتا ہے یا اس کے پیرو و مطیع اس کیلئے ایسی خصوصیات کا تصور رکھتے ہیں جس کا نتیجہ فکری و سماجی حالات کا سبب ہوتا ہے۔

مذکورہ گفتگو کے ذیل میں انقلاب اسلامی کی تحقیق کرتے ہوئے اس میں عوام اور قائد کے روابط کی نوعیت سے آگاہی حاصل کرنا زیادہ اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ اس انقلاب کا شمار عوامی ترین انقلابات میں ہوتا ہے، حضرت آیت اللہ خامنہ ای فرماتے ہیں: یہ انقلاب امام خمینیؒ نام کے بغیر دنیا کے کسی خطہ میں پہچانا نہیں جاتا ہے۔

اس سوال کا جواب کہ ماضی میں سماجی و سیاسی تحریکیں عوامی ہونے کے باوجود کامیابی سے کیوں ہمکنار نہ ہوئیں جیسے آئینی تحریک اور تیل کے قومیائے جانے کی تحریک یہ دونوں تحریکیں شکست سے دوچار ہوئیں اور عوام میدان سے خارج و پیچھے ہٹتے ہوئے نظر آئے، لیکن اسلامی انقلاب میں شاہ کی عالمی حمایت ہونے کے باوجود عوام اسلحہ کا استعمال کئے بغیر عظیم شاہی طاقت کو سرنگون کرنے میں کامیاب ہوگئے بلکہ ۲۵ سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود عظیم بحران و سازش کے مقابل استوار و محکم مرد میدان بنے ہوئے ہیں اس مقام پر امام اور عوام کے روابط کی شناخت کرتے ہوئے عوام اور ان کی شرکت کے سلسلہ میں امام خمینیؒ کا نظریہ نیز عوام سے آپ کے اخلاق کو مورد تحقیق و تجزیہ قرار دینا چاہیے۔آپ کی مجاہدانہ سیرت اسلامی انقلاب کی تحریک اور انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں محققین کی تحریروں پر توجہ و نظر ڈالتے ہوئے اس انقلاب میں امام خمینیؒ کی قیادت کا تین جہات سے جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

۱۔امام خمینیؒ ایک Charismatic لیڈر

۲۔امام خمینیؒ ایک دینی مرجع

۳۔امام خمینیؒ ایک مرشد اور راہنما

۱۔ امام خمینیؒ ایک کاریزماٹیک لیڈر

جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا گیا میکس ویبر کی نظر کے مطابق اکثر کامیاب انقلابوں میں ایک انقلابی حرکت کا وجود ہوتا ہے جو ایک Charismatic فرد کے فیصلوں پر قائم ہے اور زیادہ تر عشق و احساسات کے رابطہ کی بنیاد پر ان فیصلوں پر عمل درآمد ہوتا

ہے، لہذاان فیصلوں کی نوعیت و کیفیت رہبر کی شخصیت و خصوصیت پر منحصر ہے،اسی بناپر اگر فیصلے غیر منطقی بھی ہوں تو چونکہ بنیاد احساسی رابطہ پر استوار ہوتے ہیں، لہذا عوام شوق و اشتیاق کے ساتھ اطاعت کرتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ اس قسم فیصلوں کا فکری جائزہ لیں۔

اس قسم کے قائد عصر حاضر انقلابات میں بھی نظر آتے ہیں مثال کے طور پر چین کا انقلاب جو مائو کی قیادت میں برپا ہوا تھا، اس انقلاب میں طویل مظاہرے کے نام سے معروف پسپائی کا حکم مائو نے دیا تھااور اس پسپائی میں ایک لاکھ تعداد افراد میں سے پچاس ہزار ہلاک کردیئے گئے تھے۔۵ مائو کے ایک پیرو کا کہنا ہے کہ اس اقدام کا ہدف فقط چیانکائی چک کی فوج کے مقابل سے فرار نہیں تھا کیونکہ چھ ماہ بعد جب ٹھنڈک کا موسم شروع ہو گیاتو کومین تانک کی افواج نے فراریوں پر اپنا دباؤ کم کردیا تھا لیکن مائو کا عقیدہ تھا کہ یہ پسپائی اس وقت جاری رہے جب تک کمیونسٹ محفوظ مقام تک نہ پہنچ جائیں کیونکہ ہدف یہ تھا کہ دور دراز اور دور افتادہ علاقہ کمیونسٹ حزب کی تشکیل کیلئے صحیح مقام ہو گا۔٦

انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں اب تک جو مطالعات انجام دیئے گئے ہیں ان کے مطابق اکثر دانشور و محقق انقلاب اسلامی کی کامیابی میں امام خمینیؒ کیلئے کاریزماٹیک کردار کے قائل ہیں،اس سلسلہ میں اس مقالہ کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے جو انقلاب اسلامی کی حقیقت میں Charisma نظریہ کی تطبیق کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے،اس مقالہ کا مصنف معتقد ہے کہ اگر عصر حاضر میں ویبر کے ماریزما نظریئے کا مصداق تلاش کیا جائے تو بلاشبہ انقلاب اسلامی میں حضرت امام خمینیؒ کی قیادت ورہبری کا کردار آشکار و نمایاں نظر آتا ہے، بنابریں، ویبر کے نظریئے کا خاص کر انقلاب اسلامی ایران اور سیاسی وثقافتی صورتحال میں تبدیلیوں کے بعد ایک خاص نوعیت سے خیر مقدم کیا گیا ہے اور اس عظیم واقعے کی تشریح بالواسطہ یا بلاواسطہ ویبر کے افکار سے متاثر ہے۔۷ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت امام خمینیؒ Charismatic خصوصیات وصفات کے آشکارترین حامل تھے، عوام کا آپ سے اس طرح عشق رکھنا اور آپ کی ہر بات کو جان سے قبول کرنا انتہائی عقیدت کو ظاہر کرتا ہے،اس عشق کے نمونہ کے طور پر ایران میں آپ کی وطن واپسی کے وقت عوامی استقبال کو پیش کیا جاسکتا ہے اسی طرح آپ کی تقاریر وغیرہ اور آپ کے تشییع جنازہ میں اڈتے ہوئے عوامی وانسانی سیلاب اس مطلب پر شاہد ہیں لیکن زیادہ غور وفکر سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امام خمینیؒ اور عوام کے رابطے Charismatic رابطہ سے قبل، عقلانی و منطقی بنیاد پر استوار ہے، امام خمینیؒ کی قیادت میں، آپ کی طرف سے کوئی حکم صادر نہیں ہوا مگر اس سے قبل عوامی ذہن کی آمادگی کیلئے ضروری مقدمات فراہم کئے گئے اور اس فیصلے کے ہدف ودلائل کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا، اس سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں عوام کے اکثر افراد کسی اور نظر کے حامل ہوتے اور امام خمینیؒ کا نظریہ کچھ اور ہوتا حالانکہ آپ کی ایک تاکید یا تصریح آپ فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کافی ہو سکتی تھی لیکن حضرت امام خمینیؒ عوامی ذہنیت کی آمادگی تک سکوت ہی نہیں

کرتے بلکہ اجازت دیتے کہ عوام کی رائے کے مطابق کام انجائے پائےاور آپ منتظر رہتے کہ عملی میدان میں اس نظریئے کا صحیح یا غلط ہوناثابت ہو جائے، حالانکہ عوام وملت آپ سے فراوان عشق ومحبت رکھتے تھے آپ جو حکم بھی فرماتے ان کیلئے دل وجان سے قابل قبول ومطاع ہوتا تھا، لہذااس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتاہے کہ حضرت امام خمینیؒ میں ایک کاریزماٹیک قائد کی تمام صفات وخصوصیات اور عوام کاآپ سے والہانہ وشدید عشق ہونے کے باوجود انقلاب اسلامی میں عوام وقیادت کارابطہ Charismaticاقتدار کی بناپر نہ تھا یعنی حضرت امام خمینیؒ نے اس اقتدار کواپنی بلندی اور عوام پر تسلط نیز اپنے لئے پیروی واندھی تقلید کاوسیلہ نہیں قرار دیا تھا۔

۲۔ امام خمینیؒ ایک دینی مرجع

چونکہ شیعہ مکتب فکر میں اجتہاد کا باب کھلا ہواہے اور یہ شیعہ فقہ کی شکوفائی ونشو ونما کا سبب بناہے لہذا اجتہاد کا مسئلہ دو جہات سے خاص اہمیت واعتبار کا حامل ہے، ایک یہ کہ فقہاشرعی مسائل سے متعلق امور میں مہارت رکھتے ہیں اور مسائل میں اسلامی عدالت پر عمل کرتے ہیں؛ دوسرے شعوری انتخاب کے ساتھ تعبد پر مبنی پیروی ہے، لہذا شیعہ یاتوخود مجتہداور تمام فقہی مسائل نیز ان سے متعلق علوم سے آگاہ ہوتے ہیں یاایک جامع الشرائط مجتہد کی کہ جو صاحب رسالہ (تمام مسائل کی تدوین) ہو تقلید کرتے ہیں، ظاہر سی بات ہے کہ مختلف مقامات کے تمام افراد مراجع تقلید تک رسائی نہیں رکھتے ہیں اس بناپر علماءان کے افکار ونظریات کو منتقل کرنے والے اور رابطہ ووسیلہ کا کردار ادا کرتے ہیں، خاص سلسلہ مراتب کے بغیر عوام اور صاحب عظمت مذہبی قائدین کے مابین ارتباط وواسطہ کیلئے اہم کردار ادا کرتے ہوئے مراجع کے نظریات وافکار کو مساجد ومنابر کے ذریعہ عوام تک پہنچاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ عوام کی مشکلات ومسائل کو مذہبی قائدین تک منتقل کرتے ہیں شیعہ علماءنے سماج ومعاشرہ میں قدرت وعظمت کے حامل ہونے کی بناپر سماجی وسیاسی تحریکوں میں حساس واہم کردارادا کئے ہیں خاص کر حالیہ صدی میں ان کے کردار زیادہ اجاگر ہیں انہوں نے جس وقت بھی سیاسی حاکموں کے مقابل قدرت نمائی کی ہے اور مبارزہ انجام دیئے ہیں ان پر غالب آئے ہیں۔۸

جیسا کہ ہم ایران کی تاریخ میں مشاہدہ کرتے ہیں تحریکوں کے آغاز وکامیابی میں مراجع تقلید اہم کردار رکھتے ہیں اس لئے کہ ان کے فتاویٰ پیغمبر اعظم ﷺ کے حکم کے مثل اہمیت رکھتے ہیں اوران کی اطاعت واجب ہے لہذا مراجع سیاسی بحرانوں میں فتاویٰ صادر کرکے عوام کو میدان سیاست میں اتار سکتے ہیں اور انقلاب کے اہداف کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتے ہیں، لہذا یہ وہی قدرت تھی جس کے ذریعہ میرزا شیرازی نے تمباکو کی حرمت میں استفادہ کیااور ایک فتویٰ کے ذریعہ ایک بین الاقوامی قرارداد کو جو ملک کے مفادات سے منافات رکھتی تھی بغیر کسی خون ریزی کے فسخ کرنے پر مجبور کردیااسی طرح روس کی تزار فوجوں کے مقابل مراجع نے

فتاوے صادر کر کے ملکی اور غیر ملکی سیاستدانوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے سیاسی مواقف میں تبدیلی لائیں لہذا شیعہ مراجع تقلید کی یہ قدرت غالب سبب ہے کہ جب اور جس وقت بھی ملکی عوامی و اسلامی مفادات مقتضی ہوں عوام کو میدان میں اتار دیں اور مذہبی و قومی مقاصد کا دفاع کریں دینی علماء و مراجع کی یہ قدرت و اقتدار اس تسلط و اقتدار سے بہت زیادہ مشابہ ہے جسے میکس ویبر روایتی اقتدار و تسلط سے تعبیر کرتا ہے اگرچہ آیت اللہ کاشانی، سید مدرس اور دوسرے علماء جیسے شیخ فضل اللہ نوری و بہبہانی کا وجود مختلف تحریکوں جیسے آئینی تحریک اور تیل کے قومیائے جانے کی تحریک کے دوران عوام کو میدان میں اتارنے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے میں کافی موثر رہا ہے لیکن ان میں کسی فرد کے مرجع تقلید کا مقام نہ رکھنے کی بناپر وہ اپنے سیاسی و سماجی اہداف کو حاصل کرنے میں مرجعیت کے اقتدار سے بطور کامل استفادہ نہ کر سکے، عوام امامت کے عقیدہ کی بنیاد نیز اس کردار کے ولایت فقیہ کے نظام میں جاری ہونے کی بناپر ایک جامع الشرائط فقیہ کی قیادت رہبر کا مبین تصور کرتے ہوئے دل و جان سے قبول کرتے ہیں، ایک فقیہ کا مرجع تقلید کے عنوان سے اقتدار و نفوذ یعنی دلوں پر حکومت کرنا ہے زندگی کے تمام مراحل و جہات میں ایک جامع الشرائط فقیہ کی پیروی و اطاعت کی اساس و بنیاد یہ ہے کہ اس کا فتویٰ حکم خدا ہے اور اس کی اطاعت امامؑ کی اطاعت ہے جس کا ماحصل رسول خداﷺ کی اطاعت ہے قرآن صریح طور سے بیان کر رہا ہے {ومن يطع الرسول فقد اطاع الله---} ۔[9]

اسلامی کتب و متون میں عادل فقیہ پر حجت کا اطلاق اس عقیدہ و باور کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ اقتدار مادی طاقتوں کی اطاعت سے بالاتر ہے یہ اقتدار اس حد تک عمیق و موثر ہے کہ بعض دانشور و محققین انقلاب اسلامی کی کامیابی کا اصل سبب و علت کو امام خمینیؒ کی مرجعیت کو قرار دیتے ہیں، ''نہاد مرجعیت در دوران نہضت و نظام''، مقالہ میں کہا گیا ہے: امام خمینیؒ دو جہات کے حامل تھے ایک جانب سے آپ مرجع تقلید تھے دوسری طرف ایک حریت پسند مجاہد و مصلح تھے۔ایک کلام میں یوں کیا جائے کہ آپ مرجع مجاہد و مصلح تھے۔آپ کی کامیابی کا راز بھی اسی میں پوشیدہ ہے۔امام خمینیؒ کا نفوذ و اقتدار و تقلیدی مبنا پر استوار ہے اور آپ کی لسان قیادت شرعی فرض کا عنوان رکھتی ہے کہ عوام اس بناء و لسان سے دیرینہ انس رکھتے ہیں۔[10]

انقلاب اسلامی ایران کی قیادت و رہبری کے ادوار میں حضرت امام خمینیؒ کی سیاسی زندگی کی تحقیق و تجزیہ سے یہ امر آشکار ہے کہ مسند مرجعیت و قیادت نیز اپنے فتویٰ کے قبول کئے جانے کے باوجود آپ نے اپنے اس مقام سے زندگی میں بہت کم استفادہ فرمایا ہے، مثال کے طور پر سلمان رشدی کے سلسلہ میں آپ کا تاریخ ساز فتویٰ جو کسی حد تک ایران سے غیر وابستہ مسئلہ تھا اس نے عالمی سطح پر گہرے اثرات مرتب کئے اور مغربی ممالک کو مشکل صورتحال سے دوچار کر دیا تھا، البتہ آپ ان نظریات کے سلسلے میں کہ جن کو اسلامی اصولوں کے منافی تصور کرتے یا اسلامی ہونے کے باوجود موجود صورتحال میں اسلامی اہداف کے حصول میں مانع تصور کرتے بلاشبہ اپنے منصب فقاہت و مرجعیت کا استفادہ فرماتے ۱۳۴۱ ھ ش (۱۹۶۲ ء) میں تقیہ کو حرام قرار دیا جانا اسی زمرے میں قرار پاتا

ہے باوجودیکہ تقیہ شیعہ اصول ومذہب میں ایک اجماعی اصل ہے لیکن آپ نے تقیہ حرام کے حرام ہونے اور حقائق کے اظہار کے واجب ہونے کا فرمان دے کر متدین ومذہبی مجاہدوں کے راستہ سے اہم موانع برطرف کرتے ہوئے اسلامی انقلاب کیلئے زمین ہموار فرمائی۔ ۱۱

۵۷۔۱۳۵۶ ھ ش (۷۸۔۱۹۷۷ء) میں جبکہ انقلاب اپنے اوج پر تھا اور اکثر انقلابی مسلح جہاد کے خواہشمند تھے تاکہ شاہ کی حکومت خاتمہ جلد ہوسکے، امام خمینیؒ شاہ اور اس کے حامیوں سے مسلح مقابلہ کے مخالف تھے اسی طرح عراق کی جانب سے مسلط کردہ آٹھ سالہ جنگ میں جبکہ آپ ایک حکم صادر کرکے عوام کو میدان جنگ میں اتار سکتے تھے لیکن آپ نے ترجیح دی کہ عوام اپنی آگاہی واحساس ذمے داری کے ساتھ محاذ جنگ جائیں۔ آپ کی سیاسی ومذہبی حیات کے چند نمونوں کو ذکر کرکے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ امام خمینیؒ نے مقام مرجعیت میں غیر معمولی اختیارات کے حامل ہونے کے باوجود اہداف انقلاب کے حصول کیلئے زیادہ استفادہ نہیں فرمایا بلکہ وہ شئے جو عوام کو میدان میں آنے کیلئے جذبہ وشوق فراہم کرتی تھی وہ رہبری اور عوام کے مابین ایک خاص رابطہ تھا جس پر کم توجہ کی گئی ہے وہ عقیدت وتعبد کے تعلق سے مکمل طور پر الگ ہے جسے بعد میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ حضرت امام خمینیؒ انقلاب کی بقاودوام کیلئے دوسرے شیوہ کا استفادہ کرتے تھے جو اپنی نوعیت نیز تحریکوں میں استعمال کئے جانے والے طریقے سے مکمل طور پر مختلف اور بے مثال ہے۔

۳۔ امام خمینیؒ ایک مرشد اور راہنما

حضرت امام خمینیؒ کی حیات اور انقلاب سے قبل اور بعد میں عوام سے آپ کے روابط کا مطالعہ کرنے میں ایک اہم نکتہ سامنے آتا ہے کہ آپ اکثر مواقع پر نہ تو ایک Charismatic رہبر اور نہ ہی ایک مرجع تقلید کے عنوان سے بلکہ ایک مرشد ومعلم کے اعتبار سے عمل فرماتے تھے۔ آپ تعلیم وتربیت کی وادی میں ایک باعمل معلم اور نظریات کے میدان میں ایک مثالی استاد تھے۔ آپ اپنی تربیتی روش کے ذریعہ ایک کمزور وتھکے معاشرے کو نجات دینے میں کامیاب ہوئے تھے جو دو تین صدیوں سے جہالت، کمزوری اور خمار کے عالم میں زندگی کر رہا تھا اور ایک قسم کی بے اعتنائی کا شکار تھا۔ آپ نے ایسے معاشرے میں ایک عظیم تغیر پیدا کیا۔ حضرت امام خمینیؒ عوامی ملاقاتوں میں اکثر ثقافت کی اہمیت پر توجہ دلاتے ہوئے فرماتے تھے: ''عوام کی تمام خوش بختی کا سرچشمہ ثقافت ہے۔ وہ شئے جو ملت کو نشو ونما دیتی ہے ثقافت ہے'' آپ عوام کو صحیح ثقافت کی تعلیم کیلئے خاص روش رکھتے تھے جن کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے:

عوامی طبقے کی عمیق شناخت

حضرت امام خمینیؒ معاشرے کی عمیق شناخت رکھنے کی بنا پر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ انہیں اپنے اہداف و مقاصد کیلئے حرکت میں لے آئے، بطور مثال وہ عوامی گروہ جو اپنے عمیق مذہبی اعتقاد اور روایتی رسومات کی پابندی کی بنا پر ایام عزاء خصوصاً محرم میں فداکاری وایثار کیلئے بالقوہ آمادہ ہے جنہوں نے کئی نسلوں سے حضرت امام حسین (ع) کی مظلومیت پر آنسو بہائے ہیں، ماتم کیا ہے۔ یزید اور اس کے ساتھیوں پر لعن و نفرین بھیجی ہے اور بارہا ایسی آرزو و تمنا کا اظہار کیا ہے کہ کاش ہم کربلا میں ہوتے تو اپنے مال، اولاد وجان کو فدا کر کے اپنی محبت و مودت کو ثابت کرتے۔ حضرت امام خمینیؒ نے انہیں مساجد اور امام بارگاہوں میں دینی تعلیمات کے ذریعہ درک وفہم عطا کیا کہ اگرچہ امام حسین (ع) کے قیام کو صدیاں گزر گئیں ہیں لیکن آج بھی اس قیام کے مصادیق موجود ہیں، آپ نے ان کے سامنے حسین وقت ویزید زمان کی تصویر پیش کر دی، آپ نے عوام کی آنکھوں کے سامنے پہلوی کردار و عمل میں یزید وقت کی مکمل تصویر اجاگر کر دی تاکہ عوام مل کر اپنے مکّوں کے ذریعے یزید کے بت کو صفحہ ہستی سے نابود کر دیں۔ آپ نے اپنی خاص درایت کے ذریعہ اس عظیم اثر کو جو عرصہ دراز سے عوام کے قلوب میں حبس کر دیا گیا تھا، جاری کر کے انقلاب اسلامی کی خدمت میں قرار دیا۔

درحقیقت یہ وہ شیئے تھی کہ جس سے مارکس ازم ولبرل ازم بھی اس سے قبل غافل تھے یا صحیح درک نہیں رکھتے تھے اور جب لبرل ازم نے اس سلسلہ میں محدود شناخت پیدا کر لی تھی اور اس عظیم طاقت کو آمادہ کرنے پر قادر نہ تھے، لہذا وہ چال کے طور پر علماء کے ہمراہ ہو گئے لیکن جب اقتدار ہاتھ میں آگیا تو علماء کو الگ کر دیا حالانکہ اس سے غافل تھے کہ وہ اس اقدام سے خود ہی عوام کی حمایت کھو بیٹھیں گے۔

حضرت امام خمینیؒ حکومت سے مقابلہ کرتے ہوئے معتقد تھے کہ جدید نظام کا ڈھانچہ اسی معاشرہ کے ذریعہ وجود میں آئے آپ کے نزدیک معاشرے کے افراد میں کسی قسم کا فرق نہیں تھا، ان میں صرف عہدوں کی نوعیت اور آگاہی کے اعتبار سے فرق تھا، لہذا آپ اسی معاشرے کے طبقات کو آگاہ کرتے ہوئے، نظام حاکم کی بنیاد کو متزلزل کرنے میں کامیاب ہو گئے، آپ نے اسی استثنائی شیوہ کا استفادہ کرتے ہوئے پہلوی حکومت کے آخری ایام میں ایک بے بدیل و عظیم ہڑتال کے ذریعہ نظام حاکم کے تمام اداروں خصوصاً اقتصادی شہ رگ یعنی پٹرول سے متعلق کل کارخانوں کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔

انقلاب کے دوران پیش آنے والے واقعات نیز امام خمینیؒ کی سیاسی حیات کا تجزیہ اور آپ کی تقاریر وتاریخی واقعات کے مطالعہ سے عوام کی شرکت کے سلسلہ میں امام خمینیؒ کے نظریہ کے چند اہم اصولوں کا ادراک کیا جاسکتا ہے کہ جنہیں بیان کیا جارہا ہے۔

امام خمینیؒ کی نگاہ میں عوام کی تقسیم

جیسا کہ اس سے قبل اشارہ کیا گیا کہ اکثر مکاتب فکر جو انقلاب کو عوام کی سعی و کوشش کا ثمرہ جانتے ہیں اور عوام کے اہم کردار قائل ہیں وہ صرف عوام کے ایک گروہ پر تاکید کرتے ہیں جس نے انقلاب کی پیشرفت میں فعال کردار ادا کیا ہو یا موثر رہا ہو، لہذا اس قسم کا طرز فکر، انقلاب کی کامیابی میں تمام عوام کو شامل نہیں سمجھتا ہے اور انہیں عمل میں بے تحرک سمجھتا ہے، انقلابی نہیں جانتا ہے۔ آیا امام خمینیؒ بھی دوسرے انقلابی رہبروں کی طرح عوام کی تقسیم کے قائل تھے یا تمام عوام کو صاحب انقلاب تصور کرتے تھے یا اگر تقسیم کے قائل تھے تو آپ کا معیار کیا تھا یہ وہ سوال ہیں جن کا جواب آپ کے آثار اور عوام سے روابط کی تحقیق میں پوشیدہ ہے۔

ا۔ معنوی واقداری تقسیم

حضرت امام خمینیؒ کی تحریر وآثار میں جس اہم ترین تقسیم کا مشاہدہ ہوتا ہے وہ معنوی واقداری تقسیم ہے یعنی امام خمینیؒ معاشرے کو دو حصوں میں :

ایک: مستضعفین دوسرے: مستکبرین میں تقسیم کرتے ہیں

آپ کی نگاہ میں مستکبرین وہ افراد ہیں جو کسی طرح بھی اقتصادی، سماجی، ثقافتی ومادی تسلط کے خواہاں ہیں اور معاشرے کے محروم طبقہ استحصال واستثمار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وہ طبقہ ہے جسے امام خمینیؒ عوام وملت سے جدا کرتے ہیں اور انہیں مخالفین ودشمنوں کی صف میں قرار دیتے ہیں، اس سلسلے میں آپ کے چند اقوال وتقاریر کا اقتباس پیش کیا جارہا ہے جو آپ کے نظریات کو بیان کرتے ہیں۔

''عالمی امن وسلامتی مستکبرین کے انقراض پر منحصر ہے جب تک ثقافت سے تہی داماں یہ تسلط پسند زمین پر موجود ہیں اس وقت تک مستضعفین اپنی وارثت کو حاصل نہیں کر سکتے ہیں، جسے خداوند متعال نے انہیں عطا کیا ہے''۔ ۱۲

''وہ دن ہمارے لیے بہت مبارک دن ہے جس دن ہمارے مظلوم عوام نیز تمام مستضعف عوام عالمی استعمار و مستکبرین کے تسلط سے آزاد ہوں گے اور اپنی تمام سرنوشت کو اپنے ہاتھوں میں لے لیں گے''۔ ۱۳؎

اسی لئے آپ ہمیشہ اسلامی جمہوریہ کے حکام کو تاکید فرماتے تھے کہ مستضعفین کو ہرگز فراموش نہ کریں۔

''خدا وہ دن نہ لائے کہ ہماری اور ہمارے ملک کے حکام کی پالیسی، محرومین و مستضعفین کی عدم حمایت پر مبنی ہو، ہم انہیں سرمایہ داروں کی وجہ سے چھوڑ دیں اور اغنیاء و ثروتمندوں پر زیادہ توجہ دیں، معاذ اللہ اس قسم کی پالیسی انبیائ، امیر المومنین اور ائمہ اطہار (ع) کی سیرت و روش سے ہم آہنگ نہیں ہے، علماء کی حرمت و دامن اس سے منزہ ہیں اور ابد تک منزہ و پاک ہوں یہ علمائ، انقلاب اور ملک کے افتخارات میں سے ہیں مستضعفین و محرومین کی حمایت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور ان کے حقوق کا دفاع کرتے ہیں''۔ ۱۴؎

حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں مستضعفین وہ افراد ہیں جو ثقافتی، سیاسی و اقتصادی اعتبار سے مظلوم واقع ہوئے ہیں اور ان کا استحصال کیا گیا ہے، چونکہ دین اسلام دین عدالت و حامی مستضعفین ہے لہذا ان سے ہمنوا ہیں اور ان کی قدروں کو درک کرتے ہیں۔ حضرت امام خمینیؒ انقلاب اسلامی کی کامیابی کو معاشرے کے اس عظیم طبقہ کی فداکاری و ایثار کا مرہون منت جانتے ہیں اور آپ معتقد ہیں کہ انہیں تعلیم و تربیت کے ذریعہ عظیم طاقت و قدرت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے لہذا آپ ہمیشہ مستضعفین کے کردار کی یاد دہانی کراتے تھے۔

''میں دوبارہ کہتا ہوں کہ ان مستضعفین، غرباء و شہید پیش کرنے والوں کے سر کا ایک بال جہان کے تمام قصر نشین اور ان کے قصروں پر برتری و فضیلت رکھتا ہے''۔ ۱۵؎

''تمام الٰہی ادیان محرومین کے درمیان نشو و نما پائے ہیں اور مستضعفین ہی کے ذریعہ مستکبرین پر غالب ہوئے ہیں، یہ تمام ادیان پر حق رکھتے ہیں، یہ اسلام پر حق رکھتے ہیں، ہماری تحریک بھی ان مستضعفین کے ذریعہ کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہے''۔ ۱۶؎

''آخری لمحات تک ہماری تحریک کا ساتھ دینے والے فقط وہ افراد ہیں جنہوں نے محرومیت و فقر و غربت کا مزہ چکھا ہے، انقلاب کے حقیقی وارث و حامی غربائ، محرومین اور مفلس متدین افراد ہیں''۔ ۱۷؎

''یہی محرومین ملک کی خدمت کر رہے ہیں انہوں نے ہی قیام کیا، اسی طبقہ کی وجہ سے تحریک کامیاب ہوئی ہے انہوں نے ہی شیطانی قوت کو شکست دے رکھی ہے اور اہم مانع کو ختم کیا ہے''۔ ۱۸؎

''وہ چیز جس سے علماء کبھی بھی اعراض نہیں کر سکتے اور غلط پروپیگنڈے کے اثرات سے میدان کو چھوڑ نہیں سکتے وہ محرومین و مستضعفین کی حمایت ہے کیونکہ اس سے کسی فرد کا منہ پھیرنا اسلام کی اجتماعی عدالت سے منہ پھیرنے کے مترادف ہے''۔۱۹؎

''تمہاری اصطلاح کے مطابق نچلے طبقے والے اور محروم ہی ہمارے ولی نعمت ہیں''۔۲۰؎

مذکورہ مطالب پر توجہ کرتے ہوئے چونکہ معاشرے بلکہ دنیا کے اکثر افراد مستضعف ہیں۔امام خمینیؒ نے فقط مستکبرین کو کہ جو عموماً سرمایہ دار اور بے درد ثروت اندوز ہیں الگ کیا ہے۔آپ کسی اور گروہ و طبقے کو عوام و معاشرے سے جدا نہیں کرتے لہذا کہا جاسکتا ہے کہ امام خمینیؒ کی نظر میں معاشرے کے تمام افراد انقلاب اسلامی میں شریک اور اس کا جز شمار ہوتے ہیں کسی خاص طبقہ میں محدود نہیں، چونکہ امام خمینیؒ مختلف ملتوں کا احترام کرتے تھے لہذا انہیں بھی محروم و مستضعفین میں شمار کرتے تھے تاکہ متحد ہو کر ظلم واستکبار کے تسلط کے خلاف قیام کریں اسی بنا پر آپ قوم پرستی اور نیشنل ازم کے سخت مخالف تھے اور اس کا شدید مقابلہ کرتے تھے آپ انہیں استعمار کے پٹھو جانتے تھے جو اسلامی معاشروں میں اختلاف و تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ اپنے تسلط واقتدار کو قوی کر سکیں۔ آپ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

''بڑی طاقتیں اور اسلامی ممالک میں ان سے وابستہ افراد کی سازش یہ ہے کہ مسلم طبقوں میں اختلاف پیدا کریں جنہیں خدا نے ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے اور مومنین کے درمیان اخوت برقرار کی ہے، وہ ترک، عرب اور فارس کے عنوان سے ان کو ایک دوسرے سے جدا کریں اور ان کے درمیان اختلاف ودشمنی قرار دیں، یہ ہدف بالکل اسلامی وقرآنی تعلیمات کے خلاف ہے''۔۲۱؎

حضرت امام خمینیؒ حالانکہ خود اہل تشیع کے مرجع تقلید اور اپنے اعتقاد میں محکم واستوار تھے نیز اہل تسامح وتساہل نہ تھے، اس کے باوجود سنی شیعہ اتحاد پر بنیادی طور سے تکیہ فرماتے تھے اور ان تمام عوامل کو جو باعث تفرقہ و نفاق تھے، اگر وہ اہل تشیع کے اساسی اعتقاد کیلئے نقصان وارد نہ کرتے، تو انہیں ختم کرنا ضروری سمجھتے تھے عالمی پیمانہ پر مسلمانوں کے دفاع واتحاد کیلئے اور ہفتہ وحدت کا پروگرام فلسطینی مسلمانوں کی حمایت اسی کا ایک حصہ ہے، آپ مذہبی اقلیتوں کو بھی نظر انداز نہیں فرماتے تھے، آپ انہیں اطمینان دلاتے کہ وہ اسلامی معاشرے میں اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل کرنے میں آزاد ہیں۔

قابل توجہ امر یہ ہے کہ اس سے قبل مذہبی وسیاسی قائدین بھی اس عظیم و تعجب خیز طاقت کی طرف متوجہ نہ تھے انہوں نے اپنی سیاسی وسماجی تحریک کو عوام کے علاوہ دوسری اساس پر قرار دے رکھا تھا اور عملاً شکست سے دوچار ہوئے تھے۔ سید جمال الدین

اسد آبادی جہان اسلام کی وحدت واتحاد کو اسلامی ممالک کے بادشاہوں اور حکمرانوں کی نصیحت وارشاد سے منسلک سمجھتے تھے، آئینی تحریک والے مغرب زدہ روشن خیال سے دل لگائے بیٹھے تھے اور آیت اللہ کاشانی کا تکیہ چھوٹے تاجروں و متوسط طبقہ اور روشن خیال افراد پر تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ یہ تمام افراد اپنے بلند اہداف کو حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

حضرت امام خمینیؒ کا اصلاحی قیام اور آپ کے پیغامات فقط ایرانی معاشرے و دوسرے اسلامی معاشروں میں محدود نہیں تھے، آپ معتقد تھے کہ تمام انسانوں کی فطرت و سرشت توحید، خیر، حقیقت جوئی اور عدالت پسندی کی اساس پر ہے اور اسی طرف میلان رکھتی ہے اگر عمومی اطلاعات زیادہ فراہم ہوں اور نفس امارہ شیطان اور بیرونی شیاطین پر کنٹرول حاصل کرکے ان کو کمزور کردیا جائے تو بشریت خدا طلبی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے اور عدالت و امن سے معطر ماحول کی زندگی کو اختیار کر سکتی ہے، اسی بنا پر حضرت امام خمینیؒ اپنے اکثر پیغام میں دنیا کے مستضعفین اور زنجیر میں جکڑی ہوئے عوام کو مستکبرین کے خلاف قیام کی دعوت دیتے ہیں اور انقلاب کی کامیابی کے بعد آشکار طور سے ایک عالمی مستضعفین جماعت تشکیل دیئے جانے کی فکر کو پیش کرتے ہیں۔

"تمام ممالک و جہان کے مستضعفین کو چاہیے کہ اپنے حق کو اپنی طاقت کے ذریعہ حاصل کریں، منتظر نہ رہیں کہ مستکبرین انہیں ان کے حقوق دیں گے مستکبرین کسی کا حق نہیں دیں گے"۔ ۲۲

۲۔ کارکردگی

جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت امام خمینیؒ معاشرہ کو محروم عوام پر مشتمل سمجھتے ہیں جن کے حقوق کی بازیابی کیلئے مدد کرنی چاہیے۔ آپ اس مستضعف طبقہ کو ملک و مذہب کے دائرہ میں تقسیم نہیں کرتے تھے، تمام عوام وحدت اور آگاہی کے ہمراہ اپنے حقوق کیلئے قیام کریں اور اپنے پیشے، جنسیت و مہارت کے ساتھ تحریک میں شریک ہوں، لہذا معاشرہ کو ان کی کارکردگی کی بنا پر تقسیم کرکے ہر طبقہ کیلئے خاص اسی زبان میں گفتگو فرماتے تھے تاکہ معاشرے کے تمام طبقات انقلاب میں شریک ہونے کیلئے اپنی جگہ و طریقہ کو درک کریں، امام خمینیؒ کی بصیرت سبب ہوئی کہ معاشرے کے مختلف طبقات انقلاب اسلامی کے اہداف کے حصول نیز کامیابی کیلئے اپنے جدید مقام کو درک کریں اور انقلاب کے مقاصد حاصل کرنے کیلئے تمام سعی و کوشش کو بروئے کار لائیں، ہم یہاں پر امام خمینیؒ کی گفتگو کے چند گوشوں کو پیش کر رہے ہیں:

مزدور وکسان طبقہ

حضرت امام خمینیؒ اگرچہ مزدوروں اور کسانوں کو معاشرتی ترقی کا اصل ستون جانتے ہوئے ان کا احترام و قدردانی کرتے اور انہیں معاشرے ولی نعمت قرار دیتے تھے، لیکن مارکس ازم کے بر خلاف معاشرے کی حاکمیت کو فقط ان سے مخصوص نہیں کرتے تھے، آپ نے اپنی گفتگو میں مزدوروں کے کردار کو اس طرح بیان کیا:

"مزدور وکسان ملک کی خود مختاری کی اساس وبنیاد ہیں، جس طرح مسلح افراد وفوجی دستے سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح یہ ملک کو وابستگی سے نجات دیتے ہیں یہ افراد مجاہد فی سبیل اللہ ہیں"۔ ۲۳

حضرت امام خمینیؒ اپنے بیان میں ان دو طبقوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ اپنے پیشے کو فقط اپنے اور اپنے خاندان کی ضروریات پوری کرنے کیلئے نہیں بلکہ معاشرہ کی خدمت اور اس کے مفادات کی حفاظت کیلئے انجام دیں بلکہ اس سے بالاتر ان افراد و گروہ میں قرار پائیں جو وابستگی کی گرہ کھولتے ہیں اور اغیار کے ہاتھوں کو قطع کر کے ملک کو خود مختاری اور عدم وابستگی فراہم کرتے ہیں۔

دوکاندار اور چھوٹے تاجر

مارکس ازم کے بر خلاف جو معاشرے کے اس طبقہ کے بارے میں بدگمانی رکھتے ہیں اور انہیں Comprador Bourgeoisie کا عنوان دے کر مسترد کرتے ہیں، حضرت امام خمینیؒ فقط ان تجار و سرمایہ داروں کو مسترد کرتے ہیں جو مستکبرین طبقہ سے وابستہ ہیں۔ آپ نے ہر جگہ مومن و فرض شناس دوکانداروں اور تجار کو انقلاب کا مددگار و یاور قرار دیا ہے۔

خواتین

حضرت امام خمینیؒ خواتین کو نصف معاشرہ قرار دیتے ہیں اسلامی معاشروں میں اب تک اس صنف پر کم توجہ کی گئی ہے انہیں فقط بچے پالنے کیلئے گھر کی چار دیواری میں مقید کر دیا گیا ہے۔ حضرت امام خمینیؒ نے انہیں اس چار دیواری سے نکال کر دو چنداں عظمت عطا کی ہے۔ آپ خواتین کیلئے دو معاشرتی ذمے داریوں کے قائل ہیں، ایک یہ کہ معاشرے کے نصف پیکر کے عنوان سے معاشرے میں وارد ہوں اور مردوں کے شانہ بہ شانہ مظاہروں اور ہڑتالوں میں شریک ہو کر سیاسی فعالیت انجام دیں دوسرے یہ کہ مردوں کو تحرک بخشنے والی طاقت کے عنوان سے اپنے شوہروں، بھائیوں اور فرزندوں کو ترغیب دلانے میں فعال کردار ادا کریں۔ آپ کی ذیل کی گفتگو میں شہیدوں کی ماؤں اور بیویوں کیلئے غیر معمولی احترام نظر آتا ہے۔

"اس تحریک میں خواتین مردوں سے زیادہ حق رکھتی ہیں، یہ شجاع مردوں کو اپنے دامن میں تربیت کرتی ہیں، جس طرح قرآن انسان ساز ہے خواتین بھی انسان ساز ہیں، اگر معاشرے سے انسان ساز و شجاع خواتین کو الگ کر دیا جائے تو معاشرہ شکست پذیر وانحطاط کا شکار ہو جائے گا، اسلام کے تمام قوانین مرد و عورت کے فائدہ کیلئے ہیں، عورت کو مملکت کے بنیادی مقدرات میں شریک ہونا چاہیے جس طرح آپ خواتین نے تحریک میں اساسی کردار ادا کیا ہے اور شریک رہی ہیں، اسی طرح کامیابی میں شریک رہیں۔ جس وقت حالات مقتضی ہوں، قیام کریں، مملکت آپ ہی کی ہے، آپ مملکت کو بنائیں اور سنواریں، انشاءاللہ"۔ ۲۴؎

علماء، دانشور اور روشن خیال افراد

حضرت امام خمینیؒ معاشرے کا حقیقی راہنما ملت اور محروم و آگاہ عوام کو جانتے ہیں اور اس سلسلہ میں آپ علماء اور دانشوروں کیلئے معاشرے میں جس کردار کے قائل ہیں وہ معلم، مربی اور آگہی کا کردار ہے، عوام کی وکالت و نمائندگی کا نہیں۔ لہذا حضرت امام خمینیؒ حوزہ علمیہ اور یونیورسٹی کے اتحاد و وحدت کیلئے بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے۔ آپ یونیورسٹی کے ان تعلیم یافتہ افراد کیلئے جو فکری اعتبار سے مغرب کی طرف مائل اور دینی معارف سے جدا تھے، فکر مند رہا کرتے تھے، لہذا ثقافتی انقلاب کا پروگرام اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

"ہمیں آپس میں متحد ہو کر کام انجام دینا چاہیے، آپ حضرات عوام کو نصیحت فرمائیں اور عوام بھی آپس میں متحد ہو کر اس ویرانے کو آباد کریں"۔ ۲۵؎

آپ کی یونیورسٹی علماء کا مدرسہ، دونوں اس ملت و امت کی تربیت کی ذمہ داری رکھتے ہیں ان دونوں طبقوں کا عمل تمام دوسرے طبقات سے شریف تر اور تمام طبقات سے زیادہ ذمہ داری رکھتا ہے۔ شریف عمل اس لیے کہ یہ انسان ساز مرکز ہے، علمی مراکز کو انسان ساز مرکز ہونا چاہیے خواہ وہ علماء سے متعلق ہو یا یونیورسٹی کے افراد کے زیر نظر ہو، یہ وہ امر ہے جس پر انبیاء(ع) مامور کئے گئے تھے کہ انسان سازی کریں"۔ ۲۶؎

"آپ یونیورسٹی والے انسان سازی کی کوششیں کریں، اگر آپ انسان تربیت کریں گے تو اپنے ملک کو ہی نجات دیں گے۔ اگر آپ فرض شناس انسان، مومن انسان، آخرت پر ایمان رکھنے والے انسان، خدا کے معتقد اور مومن انسان پروان چڑھائیں گے تو یہ مملکت کیلئے نجات بخش ہے"۔ ۲۷؎

مسلح افواج

حالانکہ انقلاب کی کامیابی سے قبل مسلح افواج عوام مخالف نظام کا حصہ شمار ہوتی تھیں اور انقلاب کی سرکوبی کیلئے مامور تھیں اور عام طور سے انقلاب کے بعد ان کے ساتھ انقلابی رویہ اختیار کیا جاتا ہے لیکن امام خمینیؒ نے انقلاب سے قبل ہی فرما دیا تھا کہ مسلح افواج کے اہلکار ہمارے بھائی ہیں اور ان سے مقابلہ تشدد کا سبب اور ایک قسم کی برادر کشی ہے۔ آپ نے عوام سے درخواست کی کہ ان کی گولیوں کے جواب میں انہیں پھول پیش کریں، نیز دوسری طرف انہیں ضروری آگاہی فراہم کرتے ہوئے حکم دیا کہ فوجی چھاؤنیوں کو ترک کریں اور عوام سے ملحق ہو جائیں، یہ امر اس قدر موثر و مفید ثابت ہوا کہ فقط افسران بالا کے فرمان کی نافرمانی نہیں ہوئی تھی بلکہ اکثر چھاؤنیوں میں بغاوت و شورش شروع ہو گئی تھی۔ حضرت امام خمینیؒ نے ان سے مقابلہ کے بجائے ان کے قلبوں کو تسخیر کر لیا تھا۔ یہ نکتہ زیادہ توجہ طلب ہے کہ پہلوی حکومت کے سقوط اور انقلاب کی کامیابی کے بعد ان افواج کے ہاتھوں قتل عام اور شاہ کی حمایت کی بنا پر عوام ان سے خوش نہیں تھے، اسی وجہ سے بعض گروہ فوج کے ختم کئے جانے کی آواز اٹھاتے تھے لیکن حضرت امام خمینیؒ نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ایسا نہیں کیا بلکہ فوراً اس کی اصلاح کا حکم صادر فرمایا اور مسلح افواج و عوام کے مابین قلبی و روحی ارتباط کا ماحول فراہم کیا۔ البتہ جو فوجی افسران عوام کے قتل یا دوسری خطا کے مرتکب ہوئے تھے ان کے خلاف انقلابی کورٹ میں مقدمہ چلایا گیا۔

"میں مسلح افواج کو ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں اور ان کے ایک رکن و جز (فضائیہ) کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتا ہوں میں جو نصیحت کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ مسلح افواج خود مختار رہے"۔ ۲۸

"اگر حکومت اور مسلح افواج اپنے اپنے فرائض پر عمل پیرا ہوں، اپنے اسلامی فرائض پر عمل کریں تو ملک میں ایک محبت و روحانی سکون کی فضا قائم ہو جائے گی اور یہ عوام حکومت اور فوج سب کیلئے مفید ہے"۔ ۲۹

حکومت اور حکام کے سلسلے میں امام خمینیؒ کا نظریہ

حضرت امام خمینیؒ کے نظریئے کے مطابق اسلامی حکومت عصر حاضر کے دوسرے سیاسی نظاموں سے اہداف کے اعتبار سے ظاہری تفاوت کے علاوہ ارکان کے اعتبار سے بھی اساسی تفاوت رکھتی ہے۔ آپ کے اس نظریہ میں اکثریت فقط حق ہونے کی بنا پر جواز اور قانونی حیثیت رکھتی ہے اور ولایت کا قوام اس کی شرائط فراہم ہونے کی بنا پر ہے ان شرائط میں سے ایک عمومی قبولیت کا ہونا ہے جو براہ راست و طبیعی انتخاب کے وسیلہ سے یا خبرگان کے انتخاب کے ذریعہ ہوتا ہے، لہذا قیادت اور عوام کا رابطہ ایک طبیعی، اعتقادی،

بنیادی اور عمیق رابطہ ہے اسی بناپر حضرت امام خمینیؒ نے ایک عوامی ترین حکومت کی بنیاد ڈالی اور اس کی قیادت فرمائی ہے اس حکومت میں دوسرے موجود سیاسی نظاموں کے بر خلاف عوام تعیین رہبر اور حکومت انتخاب کرنے کے بعد اپنی ذمے داری اور فرض سے بری نہیں ہو جاتے ہیں اور ان کو ان کے حال پر نہیں چھوڑ دیا جاتا ہے بلکہ اسلامی معاشرے کے امور چلانے اور اسلامی نظام کی تقدیر بنانے کے میدان میں ان کی موجودگی اور شرکت کی ضمانت دی جاتی ہے۔

حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں اسلامی حکومت کی بنیاد عادل وصالح قائد اور عوام کے باہمی اعتماد اور عشق پر استوار ہے لہذا آپ فرماتے ہیں:

''رہبر ورہبری اسلامی وآسمان ادیان میں ایسی چیز نہیں جو خود بخود قدر ومنزلت رکھتی ہے اور خدا نہ کرے کہ یہ انسان کو غرور وتکبر میں مبتلا کردے''۔۳۰؎

''اگر مجھے رہبر کے بجائے خدمت گار کہا جائے تو بہتر ہے، مسئلہ قیادت کا نہیں ہے بلکہ خدمت کا ہے۔اسلام ہمیں خدمت کرنے کا پابند بناتا ہے''۔۳۱؎

''میں ایرانی عوام کا بھائی ہوں اور اپنے کو ان کا خادم سمجھتا ہوں''۔۳۲؎

حضرت امام خمینیؒ ان حکومتوں کو جو اپنے کو فرمانروا اور عوام سے برتر تصور کرتی ہیں مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسلامی حکومت میں حکمرانی عوام کی خدمت کیلئے ہے لہذا عوام کی خدمت کرنی چاہیے''۔۳۳؎

''عوام کا آگاہ اور اپنی منتخب حکومت کا حامی ہونا اور نگرانی کرنا معاشرے میں قیام امن کی بہترین ضمانت ہے''۔۳۴؎

سماجی قومی سلامتی اور حکومت کے سلسلے میں اس نظریئے اور جمہوری ترین سیاسی نظام کے نظریئے میں کہ جو حکومت کی تعریف اقتدار کے دائرے اور اس کے لوازم ووسائل کے ساتھ کرتا ہے اور اسی بناپر سماجی سلامتی کا اہم ترین رکن قہریہ قوت کو جانتا ہے آشکار فرق ہے۔

حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

''ایک عظیم طاقت جو عوامی مقبولیت نہیں رکھتی ہے، مستحکم وپائیدار نہیں ہو سکتی ہے''۔۳۵؎

خود اعتمادی اور خود آگاہی کا احساس

مارکس ازم اور لبرل ازم سے تعلق رکھنے والے مغربی مفکرین کہ جو معتقد ہیں کہ عوام ناآگاہ ہیں، لہذا روشن خیال اور منتخب افراد کو چاہیے کہ جماعتوں اور انجمنوں کی تشکیل کے ذریعے ان کی زمام اپنے ہاتھوں میں لیں اور ان کی سعادت و خوش بختی کے سلسلہ میں جو تشخیص دیتے ہوں اس کی طرف ہدایت کریں، کے برخلاف حضرت امام خمینیؒ معتقد ہیں کہ معاشرے کے قائدین کی ذمہ داری یہ ہے کہ عوام کو تعلیم دیں اور انہیں ان کی ذمہ داری، حقوق اور حالات سے آگاہ کریں جس کے نتیجہ میں ان کے اندر یہ باور و یقین پیدا ہو جائے، ان کو نہ صرف اپنی تقدیر اپنے ہاتھوں میں لینے کا حق حاصل ہے بلکہ ظالموں سے اپنے حقوق واپس لینے کیلئے قیام کرنا ان کی ذمے داری ہے۔

اسی بنا پر امام خمینیؒ اپنی مقبولیت کے باوجود اسلامی معاشرے کی رہبری کے سلسلے میں ہدایت اور نمائندگی کا اعتقاد رکھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی بجائے لوگوں کے آگے آگے نہیں چلے بلکہ آپ اپنے لیے جس اہم ذمے داری کے قائل تھے وہ لوگوں کو تعلیم اور آگاہ کرنے سے عبارت تھی تاکہ لوگ خود فیصلے کریں اور آگے بڑھیں۔ حضرت امام خمینیؒ عوام میں سیاسی کرنے سے قبل ثقافتی کیلئے معتقد تھے۔ حضرت امام خمینیؒ نے اپنی تحریک کی اساس و اصل کو اصولی طور سے قرآن کریم کی اس آیت {ان اللہ لا یغیّر۔۔۔} کو محور قرار دیتے ہوئے آغاز کیا تھا۔ آپ ثقافتی انقلاب کے تقدم کے خواہاں تھے۔ آپ دوسری جانب عوام کے ذریعہ سماجی تحولات اور انقلاب کو ناگزیر ضرورت سمجھتے ہیں۔ آپ معتقد ہیں کہ جماعتی اور پارلیمانی جدوجہد مفید نہیں حتی مسلح اقدام عوامی حمایت کے بغیر ثمر بخش نہیں ہے حالانکہ لبرل ازم و مارکس ازم عوام کیلئے فقط پیروی و اطاعت کے کردار کے قائل ہیں۔ ان کے قائدین اپنے کو عوام کا وکیل و سرپرست تصور کرتے ہیں۔ وہ اپنی مصلحت و مفادات کے اعتبار سے فیصلے کرتے ہیں خواہ عوام راضی نہ ہوں تب بھی ان پر عملدرآمد کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگرچہ مارکس ازم، کمیونسٹ حزب کو ایک وسیع حزب کے عنوان سے پیش کرتا ہے اور مزدوروں کی آگاہی کو انقلاب کے مرحلہ تک پہنچنے کیلئے لازم قرار دیتا ہے اس کے باوجود اس فرض کو تاریخ پر چھوڑ دیتا ہے لیکن لینن، کمیونسٹ پارٹی کو روشن خیال و پرولتاریا طبقہ کے جانشین کے طور پر پیش کرتا ہے کہ سماجی عدالت کی برقراری کیلئے اپنے پروگراموں پر جماعتی حکومت کے ذریعہ عملدرآمد کیا جاسکتا ہے، مغرب میں بھی سیاسی احزاب کا وجود تعلیم و آگاہی کیلئے نہیں ہوتا بلکہ اپنے مفادات کیلئے اور اپنی تشخیص کے ذریعہ عوام کو اس سمت ہدایت کرتے ہیں وہ پروپیگنڈے کے ذریعہ اس طرح ہدایت کرتے ہیں کہ گویا ان عوام کے مطالبہ کی بنیاد پر اقدام کر رہے ہیں یعنی عوام کے بجائے جماعتیں فیصلے کرتی ہیں اور عوام کیلئے کچھ رہ ہی نہیں جاتا ابھی تک تو مشاہدہ نہیں ہوا کہ ایک پارٹی نے اپنے پروگرام کو تعلیم و معاشرے کی آگاہی میں اضافہ ہوئے مرتب کیا ہو کہ عوام رغبت و اختیار سے فیصلے کریں جبکہ حضرت امام خمینیؒ زیر قیادت نظام میں عوام اور ان کے مطالبات اور ان کی رائے کو خاص اور غیر معمولی مقام حاصل

ہے۔آپ اصول تعلیم پراس طرح پابند تھے کہ آپ حساس ترین اوقات ومسئلہ میں اپنی شخصی نظر کو جاری نہیں کرتے تھے اگرچہ اس قسم کی مداخلت آپ کی مقبولیت کی بناپر ایک معمولی مسئلہ ہے کوئی مشکل پیدا نہ ہونے کے علاوہ حکام کی طرف سے مورد قبول واجراء واقع ہوتی، آپ کی سیاسی سیرت کی تحلیل وتمحیص سے ایک قابل توجہ نکتہ سامنے آتاہے کہ آپ کبھی بھی اپنی تشخیص ونظر کو عوام کی آماد گی اوران کی جانب سے قبول کئے جانے کے بغیر پیش نہیں کرتے اور ایک معین سمت کی طرف ہدایت نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ ان کے نظریات ومطالبات کا احترام اس وقت تک کرتے جب تک وہ اسلام وانقلاب کیلئے خطرناک نہ ہوں، اگرچہ آپ اپنے بیان وخطاب کے ذریعہ عوام کے اندر لازم آگاہی پیدا کرنے کی سعی کرتے تاکہ حقیقت کو قبول کرنے کی آماد گی پیدا ہوسکے، مثال کے طورپر آپ کے نزدیکی افراد کے خیالات واسناد ومدارک سے پتہ چلتاہے کہ انقلاب کے بعد پہلے صدارتی الیکشن میں آپ کی رائے بنی صدر کے خلاف تھی اور آپ نے اسے ووٹ بھی نہیں دیا تھا لیکن چونکہ انقلابی افراد اسے صدر کے عنوان سے انتخاب کرناچاہتے تھے، آپ نے عوام کی رائے کے احترام میں اس کے صدارتی عہدے کی توثیق کی، اس کے باوجود اپنے پیام میں عوام کو لازم آگاہی دیتے رہتے تھے جس وقت عوام بنی صدر کی اصل ماہیت سے آگاہ ہوگئے اور مظاہروں اور ریلیوں کے ذریعہ اپنی مخالفت وعدم اعتماد کا اعلان کرنے لگے توامام خمینیؒ نے بھی اپنی مخالفت کا اظہار کر کے اسے اس کے عہدے سے برطرف کر دیااور پھر پارلیمنٹ نے بھی صدارت کے منصب کیلئے اسے نااہل قرار دیایاوہ وقت جب انقلابی کونسل نے انجینئر بازرگان کو وزیراعظم عہدے پر منتخب کیا حالانکہ امامؒ اُسے موزوں نہیں سمجھتے تھے، اس کے باوجود اس کے عہدے کی توثیق کردی اور عوام سے اس کی حمایت کے خواہاں ہوئے، اسی طرح وہ وقت جب مجلس خبرگان نے آیت اللہ منتظری کو آپ کا جانشین مقرر کیا آپ، مخالف ہونے کے باوجود اپنی مخالفت کا اظہار نہیں فرمایا اور جہاں تک ممکن ہوسکتا تھا عوام کی ہمراہی فرماتے، حالانکہ بعد میں معلوم ہوا کہ اول: حضرت امامؒ تینوں میں سے ہر انتخاب کے مخالف تھے۔ دوم: تینوں کے بارے میں آپ کی مخالفت صحیح تھی۔۳۶ امامؒ فقط اسلامی اقدار کے مسئلہ میں خطا کو قابل تفاہم وچشم پوشی تصور نہیں کرتے تھے بلکہ اس سلسلہ میں بہت حساس تھے اور آپ ان مراحل میں بغیر تامل وتحمل کے فتویٰ دیتے تھے جس وقت قومی پارٹی نے قصاص کے قانون کی مخالفت کی، آپ نے انہیں مرتد قرار دینے میں ذرا بھر تامل سے کام نہیں لیا، جس وقت آپ نے ریڈیو سے حضرت فاطمہ زہراء☆ کی شان میں اہانت کو سماعت فرمایا فوراً تحقیق کیلئے حکم صادر فرمایا اسی طرح سلمان رشدی کو مہدور الدم قرار دینے میں آپ نے ایک لحظہ کیلئے سیاسی وبین الاقوامی آثار ونتائج کی اعتناء نہ کی جیسا کہ واضح ہے۔ حضرت امام خمینیؒ کا مکتبہ تربیتی، اسلامی ممالک اور جہان سوم کے علمی مراکز میں انسان شناسی ومعاشرہ وسوشیالوجی کے عناوین کے تحت تدریس ہونے والے افکار ومکاتب سے کوئی تال میل وسنخیت نہیں رکھتاہے۔ حضرت امام خمینیؒ کی تحریک کی اساس انبیاء (ع) کی روش پر استوار ہے یہ روش عصر حاضر میں فراموش کردی گئی تھی اور آج جو کچھ انسانی علوم کے نام سے پیش کیا جارہاہے وہ ہیومن ازم، سوشل ازم اور لبرل

ازم میں انسان اور روابط انسان کی تعریف ہے، جو خود نشاۃ ثانیہ کا ما حصل ہے اور خود فراموشی اور انسان پر مشین کی حاکمیت واصالت کو قبول کرنے کا نتیجہ ہے، حالانکہ حضرت امام خمینیؒ کے شیوہ تربیت کی بنیاد، انسان کا اپنی طرف بازگشت اور الٰہی راہ میں قرار پانا ہے۔ یہ وہ امر ہے جو لوگوں کو اس قدر شجاعت وطاقت عطا کرتا ہے کوئی طاقت بھی ان کے مقابلہ کی توانائی نہیں رکھتی ہے۔

دشمن کو ناچیز وحقیر سمجھنا

ملل کے قلوب میں رعب ووحشت پیدا کرنا کا ایک نفسیاتی اور اہم وسیلہ دشمن کی قدرت کو ناقابل شکست ومحکم پیش کرنا ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد ایٹمی اسلحوں کی تیاری پر بڑی طاقتوں خصوصاً امریکہ کی اجارہ داری کی وجہ سے تیسری دنیا کے عوام کی یہ ذہنیت بن گئی کہ ایٹمی اسلحہ رکھنے والی بڑی طاقتوں سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ اپنی بقاء کیلئے ان پر تکیہ کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے سرد جنگ کا زمانہ اور اس پر حاکم قوانین کچھ اس نوعیت کی خصوصیت رکھتے تھے اور چھوٹی حکومتیں نیز عوام بھی اسے قبول کر چکے تھے بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ صرف امریکہ کے بحری بیڑے کی حرکت سبب ہوئی کہ علاقہ کی چھوٹی حکومتوں نے اپنے مواقف سے عدول کر کے امریکہ کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا، حضرت امام خمینیؒ چونکہ الٰہی عقائد پر ایمان کی وجہ سے خدا کی لا یزال طاقت پر قلبی اطمینان رکھتے تھے اس اصول کو ٹھکراتے ہوئے فرماتے ہیں:

''امریکہ ہمارے خلاف کارروائی کی جرأت نہیں کر سکتا ہے''۔ ۳۷

''ہم امریکہ کو اپنے قدموں تلے روند ڈالیں گے''۔ ۳۸

امام خمینیؒ کے ان بیانات نے عوام کے قلوب سے خوف ختم کر کے انہیں یہ باور کرا دیا کہ ایک ملک کی طاقت کا معیار اس کے ایٹمی اسلحے نہیں بلکہ اس سے بالاتر ملت وعوام کے عزائم ہیں جو ہر چیز پر غالب ہو سکتے ہیں۔

''امریکہ نے تمہارے ہاتھوں سے طمانچہ کھایا ہے جو ایران اور اس کے پٹرول اور ذخائر سے دل بستہ تھا، تم نے امریکہ کو اپنے ملک سے باہر ڈھکیل دیا ہے''۔ ۳۹

ایثار وشہادت کے اسلحے پر تکیہ کرنا

امام خمینیؒ اسلام کی عظیم تعلیمات کے پیش نظر معتقد تھے، اگر کوئی معاشرہ اور ملت اپنے لیے موت کے مسئلہ کو حل کر لے اور اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ موت زندگی کا خاتمہ اور فنا نہیں بلکہ شرافت مندانہ موت جو شہادت کے ہمراہ ہو ایک نئی اور درخشان

زندگی کا آغاز ہے تو وہ دشمن سے خوفزدہ ہی نہیں ہوتا بلکہ اس اسلحے کے ذریعہ دشمن کو عاجز و ناتوان کر سکتا ہے جس کے نتیجہ میں دشمن سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت امام خمینیؒ نے غیر معمولی Charismatic طاقت اور مرجعیت کے اختیارات رکھنے کے باوجود ارشاد و آگاہی کی طولانی و سخت راہ کو اپنایا اور اس شیوہ کے ذریعہ ایک ملت کی اس طرح تربیت کی کہ وہ آپ کی طرح حرکت کر کے ایسی طاقت وجود میں لائی جو جمہوری اسلامی کے نظام و اقتدار کا اصل رکن و بنیاد قرار پائی، آج جبکہ امام خمینیؒ کی المناک رحلت کو ایک دہائی سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ یہ ملت اسی طرح اور اسی شیوہ سے انقلاب کے میدان میں موجود رہی ہے اور اس نے اپنی قوت شامہ کو اس قدر قوی کر لیا ہے کہ اسلامی نظام و انقلاب کیلئے خطرہ محسوس کرتے ہی فوراً میدان میں اتر آتی ہے اور نفاق والحاد کے شعلہ کو خاموش کر دیتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ تحلیلی برانقلاب اسلامی، انتشارات امیر کبیر، ص۱۰۸،۱۰۹۔

۲۔انقلاب اسلامی در مقایسہ باانقلاب فرانس وروسیہ، ص۱۱۹۔۱۰۹۔

۳۔انقلاب اسلامی وریشہ ہائے آن، ج۱، ص۴۴و۴۵۔

Theda seocopel, Renter State and Shia Islam in the Iranian -4
304-265 3No.11. 1982Revolution. Theory & Socity

۵۔زردہای سرخ، ہاتری مارکانت، ص۲۷۲۔

۶۔ایضاً، ص۲۷۸۔

۷۔مقالہ ارزیابی کاریزمادر تطبیق انقلاب اسلامی، محمد علی حاضری، ج۳۔

۸۔ تحلیلی برانقلاب اسلامی، انتشارات امیر کبیر، ص۱۰۶۔

۹۔ریشہ ہای انقلاب اسلامی، عباس علی عمید زنجانی، ص۲۵۔

۱۰۔انقلاب اسلامی وریشہ ہای آن، ج۱، ہدایت علی جلیلی۔

۱۱۔ صحیفہ امام، ج۱، ص۱۷۔

۱۲۔ آئین انقلاب اسلامی، حمید انصاری، ص۱۸۸۔

۱۳۔ایضاً۔

۱۴۔ صحیفہ امام، ج۲۰، ص۲۴۔

۱۵۔ایضاً، پیام برائت از مشرکین۔

۱۶۔ ایضاً، ج ۷، ص ۳۲۔

۱۷۔ ایضاً، ج ۲۱، ص ۸۶۔

۱۸۔ ایضاً، ج ۷، ص ۴۷۔

۱۹۔ ایضاً، ج ۲۱، ص ۹۹۔

۲۰۔ ایضاً، ج ۱۶، ص ۲۵۔۱۹۔

۲۱۔ آئین انقلاب اسلامی، انصاری، ۱۳۷۳ ھ ش، ص ۱۸۷۔

۲۲۔ صحیفہ امام، ج ۱۲، ص ۱۴۳۔

۲۳۔ ایضاً، ج ۱۴، ص ۳۲۹۔

۲۴۔ ایضاً، ج ۶، ص ۳۰۱۔

۲۵۔ بیانات امام خمینیؒ در جمع روحانیت غرب تہران، ۱۱/۱۲/۱۳۵۷ ھ ش۔

۲۶۔ صحیفہ امام، ج ۸، ص ۶۷۔

۲۷۔ ایضاً۔

۲۸۔ ایضاً، ج ۶، ص ۱۷۔

۲۹۔ ایضاً، ج ۸، ص ۸۶۔

۳۰۔ ایضاً، ج ۱۸، ص ۹۔

۳۱۔ ایضاً، ج ۱۰، ص ۴۶۳۔

۳۲۔ ایضاً، ج ۵، ص ۳۵۴۔

۳۳۔ ایضاً، ج ٦، ص ۴٦۳۔

۳۴۔ ایضاً، ج ۴، ص ۲۴۸۔

۳۵۔ ایضاً، ج ۷، ص ۵۱۱۔

۳٦۔ نامہ امام خمینیؒ بہ آیت اللہ منتظری، تاریخ ٦؍۱؍۱۳٦۸ ھ ش۔

۳۷۔ صحیفہ امام، ج ۱۰، ص ۵۱٦۔

۳۸۔ ایضاً، ج ۱۷، سخن رانی ۲۱؍۱؍۱۳٦۲ ھ ش۔

۳۹۔ ایضاً، ج ۱۵، ص ۱۱۵۔

فہرست

مقدمہ 1

انقلاب بنیادی، سریع واچانک تغیر وتحول کا حامل ہے 5

انقلاب میں قیام کے اصل کردار عوام کا ہوتا ہے 5

ہر انقلاب خاص اہداف و نظریات کا حامل ہوتا ہے 6

انقلاب عموماً تشدد کے ہمراہ ہوتا ہے 6

انقلاب ارتقاء کے اقدام اور آگے بڑھنے کا نام ہے 7

انقلاب اسلامی کی تعریف 7

ناکام اقتصادیات کا نظریہ 8

سیاسی ترقی نہ ہونے کا نظریہ..8

حریت پسند کا نظریہ..9

مذہب اور عقیدہ کا نظریہ 9

حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں انقلاب کی تعریف 10

اسلامی انقلاب کی ماہیت واہداف 12

الف۔اہداف انقلاب 12

اول: دین و معنویت کا احیاء.. 12

دوم: عدالت وحقانیت کا احیاء.. 13

چہارم: حریت پسندی اور استبداد کا انکار 14

ب۔انقلاب اسلامی کی ماہیت و خصوصیات 15
اول: انسان ساز مکتب اسلام کا مرکزی کردار... 16
دوم: انقلاب کا ہمہ گیر ہونا.. 17
سوم: عوام پر بھروسہ و اعتماد 17
چہارم: مرجعیت و قیادت 18
ج۔اسلامی انقلاب دنیا کے دوسرے بڑے انقلابات سے موازنہ 19
انقلاب اسلامی کے ظہور و تشکیل کے اسباب 21
انقلاب اسلامی کے وجود و آغاز کے اصل اسباب 21
الف۔اسلام ستیزی اور عوام کے مذہبی و دینی عقیدہ کی مخالفت.. 22
اخلاقی بے راہ روی و بے حیائی کی ترویج 23
ب۔اغیار سے وابستہ ہونا.. 24
ج۔ گھٹن اور استبدادیت 25
د۔ فقر و غربت... 26
انقلاب اسلامی کی کامیابی کے اسباب 27
اول: مشیت الٰہی و خدا پر ایمان 28
دوم: اتحاد 29
سوم: حضرت امام خمینیؒ کی قیادت 29
دینی و اسلامی مرجعیت 30

عوام کو اہمیت دینا 30
الف۔ عوام اپنی تقدیر کے انتخاب کا حق خود رکھتے ہیں 30
ب۔ عوام کو آگاہ رکھنا انقلاب و حکومت کا فرض ہے 31
ج۔ حضرت امام خمینیؒ سماجی و سیاسی مسائل کی مکمل آگاہی رکھتے تھے 31
انقلاب اسلامی کے ثمرات 32
اول: اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی خود مختاری 32
دوم: آزادی 33
سوم: معاشرے و سیاست میں خواتین کی شرکت 33
چہارم: استکبار ستیزی 34
پنجم: محرومین اور مستضعفین کی حمایت 36
ششم: امت اسلامی 36
الف۔ مسلمانوں کے درمیان اسلامی فکر کا احیاء اور ان کی طرف بازگشت 37
ب۔ مسلمان ملل کی دلی آرزو کا ذکر 37
ج۔ اتحاد بین المسلمین 37
د۔ اسلامی تحریکوں خصوصاً فلسطین کی حمایت 38
نتیجہ 38
۱۔ ایران کا اسلامی انقلاب ایک عام و انسانی انقلاب ہے 39
۲۔ انقلاب اسلامی ایران ایک اصلاحی نظریہ ہے 39

۳۔ دنیا میں عوامی انقلابات میں کامیاب ترین نمونہ انقلاب اسلامی ایران ہے 39
۴۔ حکومتوں اور اقوام کی بیداری 40
۵۔ امام خمینیؒ کی آسمانی وملکوتی شخصیت 41
حوالہ جات 42
نظریہ انقلابی اسلامی، امام خمینیؒ کے زاویہ نگاہ سے (محمد رضا دہشیری) 44
مقدمہ 44
انقلاب کے سلسلہ میں حضرت امام خمینیؒ کے نظریہ کی شناخت 45
امام خمینیؒ کے نظریات کی روشنی میں انقلاب اسلامی کی شناخت ومعرفت 47
الف: مقصد شناسی 48
عدالت پسندی 49
خود مختاری 49
حریت پسندی 50
اخلاقی معنویت وبشری سعادت کا حصول 51
ب۔ ماحول شناسی 52
شاہ کی اسلام مخالف پالیسی 52
پہلوی حکومت کا ظلم وستم اور اختناق 53
معاشرے کی آزادی وحقوق کی پامالی 54
اغیار سے وابستگی 54

اخلاقی،اداری ومالی فساد کی ترویج 55

پہلوی حکومت کی ماہیت کوافشا کرنے والے حوادث وواقعات 55

ج۔اسباب شناسی 57

انقلاب اسلامی کی طاقت کے منابع وسرچشمے 57

۱۔۱۔۱راہنما 57

۱۔۱۔۱۔۱علماء کے اندرروحی تبدیلی کی ضرورت 58

۲۔۱۔۱علماء کیلئے ایک مرکز کی ضرورت 58

۳۔۱۔۱راہنما طبقے کے کردار کی اہمیت 58

۲۔۱نیم منظم طبقہ 59

۳۔۱عوام 59

انقلاب اسلامی کی کامیابی کاذہنی پہلو 60

۱۔۲۔ایمان اور معنویت (اپنے سے جداہو کر خدا سے ملحق ہونا).. 60

۲۔۲۔ملت وعوام کاروحانی وفکری ارتقا.. 61

امام خمینیؒ کے نظریات کی روشنی میں انقلاب کا جائزہ.. 62

الف۔انقلاب اسلامی کی امتیازی خصوصیات.. 63

ا۔انقلاب کااسلامی اور معنوی پہلو 63

۲۔انقلاب کے بعد مکمل آزادی کا حصول 64

۳۔بنیادی اور عمیق تغیر.. 65

۴۔انقلاب کا پرامن طور پر رونما ہونا 65

۵۔مشرق و مغرب کی نفی کے پرتو میں انقلاب کا جداگانہ تشخص 65

۶۔انقلاب کی حمایت میں معاشرے کے تمام طبقات وافراد کا شریک ہونا.. 66

ب۔انقلاب اسلامی کے نتائج و ثمرات 67

۱۔سیاسی و سماجی اداروں میں تبدیلی.. 67

۲۔آزادی.. 68

۳۔سیاسی شرکت کے دائرے میں توسیع 69

۴۔خود مختاری.. 70

۱،۴،سیاسی خود مختاری.. 70

۲،۴،اقتصادی خود مختاری 70

۳،۴،ثقافتی خود مختاری 71

۴،۴،عسکری خود مختاری 71

۵۔اسلامی اقدار کا احیاء اور روحانی ارتقاء 71

۶۔عالم اسلام کی بیداری.. 72

ج۔اسلامی انقلاب ایران کے استمرار و دوام کے اسباب 72

۱۔مشترکہ مقصد اور اتحاد.. 73

۲۔اسلامی و معنوی اقدار کی حفاظت 74

۳۔میدان میں عوام کی دائمی شرکت 74

۴۔عوام وحکام کی متقابل وفاداری 75

۵۔مادی ومعنوی تعمیر نو.. 76

۶۔داخلی وخارجی اعتبار سے اطلاع رسانی کی تقویت وتوسیع 77

۷۔عالم اسلام کے ام القریٰ کے طور پر ایران کی حفاظت 78

انقلاب اسلامی کی ممکنہ شکست کے اسباب 78

۱۔اسلامی واخلاقی اقدار سے انحراف 78

۲۔اختلاف وتفرقہ 79

۳۔سیاسی کنارہ کشی 80

۴۔اغیار کے پروپیگنڈے اور مغربی تہذیب سے مرعوب ومتاثر ہونا،اور اسلام کی تبلیغ میں کوتاہی 80

۵۔غلط مینیجمنٹ 81

۶۔وابستگی 82

۷۔انقلاب کی قدروں اور مقاصد کی تاریخی تحریف 82

۸۔انقلاب کا ملک کے اندر محدود ہونا.. 82

نتیجہ 83

انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے سلسلے میں چھ نظریات (سید صادق حجت).. 85

بحث کی روش 86

ایران کے اسلامی انقلاب کے مطالعہ میں مختلف اپروچز 88

۱۔انقلاب کی ثقافتی وتہذیبی اہمیت.. 88

۲۔ اقتصادی و عمرانی اسباب کی اہمیت 89

۳۔ انفسیاتی اسباب 89

۴۔ اانقلاب کے سیاسی عوامل کی شناخت 90

۵۔ اچند علل واسباب پر مبنی اپروچ 90

انقلاب اسلامی کی کامیابی کے سلسلے میں نظریات 91

۱۔ نظریہ سازش 91

۲۔ ماڈرنائزیشن 92

۳۔ نظریہ اقتصاد 93

۴۔ نظریہ مذہب 93

۵۔ نظریہ استبداد 94

ہمارا نظریہ 95

الف۔ شاہی نظام کا زوال 97

ب۔ اسلامی انقلاب میں مذہبی قیادت کا کردار 102

نتیجہ 106

حوالہ جات 109

انقلاب اسلامی کی آئیڈیالوجی کے ارتقاء کا پروسیس (علی محمد حاضری) 111

مقدمہ 111

حریف آئیڈیالوجی کے فکری سرچشمے 113

الف۔ تجدد (لبرل ازم) 113
تجدد پسندی کی کشش میں کمی کے اسباب 115
ب۔ سوشل ازم 116
سوشل ازم کے ستارے کا غروب ہونا 117
ج۔ نیشنل ازم 119
انقلابی کی آئیڈیالوجی کے تکوینی مراحل 121
۱۔ جدید علوم و دین کے تعارض کی نفی 121
۲۔ دین کی سائنسی توجیہہ 121
۳۔ دین اور مابعد الطبیعات کا فلسفی دفاع 122
۴۔ سیاسی و سماجی شبہات کے مقابل دین کا دفاع 123
انقلاب کی آئیڈیالوجی کے حلقہ اتمام واکمال حضرت امام خمینیؒ 124
کامیابی کے بعد کے حالات میں انقلاب کی نظریاتی پوزیشن 128
ا۔ حریف کی شکست کی بناپر شادابی 128
۲۔ سوشل ازم نظریات سے سبق آموزی 129
۳۔ ثقافتی پلورل ازم اور پوسٹ ماڈرن نظریات 129
موجودہ دشواریاں 130
انقلاب اسلامی سے قبل اسلام کے علمبردار 131
ج۔ سیاسی اسلام کے علمبردار 132

حوالہ جات 134
انقلاب کا تاریخی تشخص اور انسان شناسی اسلامی انقلاب کی تشریحات سے غفلت کا سبب (علی محمد حاضری)............ 136
عقلائی عمل پر مبنی تجزیئے کے چند موارد 137
غیر عقلائی عمل پر مبنی تجزیئے 139
انقلاب کا اسلامی و ایرانی تشخص 140
۱۔ دینی اقدار کے سائے میں آزادیReligon Oriented Liberalism........................ 140
۲۔ علم و دین کی ہم آہنگی 142
۳۔ سیکولرزم کی ضرورت پر عدم یقین 142
۴۔ تحقیر سے آزادی اور تشخص تک رسائی 143
۶۔ دنیا کی مادی زندگی سے بڑی وسعت میں عقلائی انتخاب 145
۷۔ مغرب سے سیاسی و ثقافتی تعامل اور اسلامی مقاصد سے حقائق کی عدم تطبیق 147
نتیجہ 148
الف۔ معاشرتی میدان میں سماجی و ثقافتی عام تحولات 149
ب۔ حکومت اور اس کے حامی گروہوں کی حالت 149
حوالہ جات 151
ایران کے اسلامی انقلاب سے متعلق تحقیقات اور نظریات کے نقائص (مبانی اور تھیوری انقلاب اسلامی) (سید فرہاد سجادی) 155
۱۔ توصیفی تشریح 157
۲۔ یک طرفہ نگاہ اور معیار زدگی 157

۳۔سیاست زدگی اور روزمرہ کی طرف رجحان 158
۴۔ساز شی تجزیہ 158
ا۔غیر علمی نظریات 158
۲۔علمی نظریات 159
اسلامی انقلاب سے متعلق غیر علمی زاویہ ہائے نگاہ 159
ا۔اخبار نویسوں کے تجزیئے 160
۲۔ا۔فریدون ہویدا 161
۳۔ا۔محمود طلوعی 161
تجزیہ 161
۲۔ساز شی تجزیہ 162
نتیجہ 164
انقلاب اسلامی سے متعلق نظریہ سازش 165
الف۔اس نظریئے کے دستاویزی ثبوت نہیں ہیں 165
ب۔ان کے مفروضے بے بنیاد 165
۲۔علمی زاویہ نگاہ (نظریاتی پشت پناہی کے ہمراہ) 166
ا۔۲۔انقلاب کے سلسلہ میں علمی زاویہ نگاہ 166
ا۔ا۔۲۔اقتصادی زاویہ نگاہ 167
ا۔ا۔رابرٹ لونی 168

۲۔۱۔ ہمایوں کاتوزیان 169

نتیجہ 169

گروہ دوم: ایران میں بائیں بازو کی سیاسی جماعتیں 170

۱۔۲۔ فدائیان خلق 170

تجزیہ 170

۲۔۲۔ مجاہدین خلق (منافقین) 171

تجزیہ 171

۳۔۲۔ تودہ پارٹی 171

تجزیہ 172

۴۔۲۔ سوشلٹ مزدور پارٹی 172

تجزیہ 173

انقلاب اسلامی کے سلسلہ میں اقتصادی نظریات کا تحقیقی جائزہ 173

۲۔۱۔۲۔ دینی ومذہبی نظریہ 175

نظریہ کی قدمت وتاریخ 175

انقلاب اسلامی میں مذہبی نظریہ 176

۱۔۱۔۲۔ علی دوانی 177

۲۔۱۔۲۔ عباس علی عمید زنجانی 177

۳۔۱۔۲۔ منوچہر محمدی 178

۴۔۱۔۲۔حامد الگار 178
۵۔۱۔۲۔آصف حسین 178
تجزیہ 179
۱۔۲۔۲۔نداالسکاچپول 180
۲۔۲۔۲۔نیکی کدی 181
۳۔۲۔۲۔علی رضا شیخ الاسلامی 181
۱۔غیر منظم معاشرے کازاویہ نگاہ 182
۲۔منظم معاشرے کازاویہ نگاہ 183
۳۔درمیانہ زاویہ نگاہ 184
سیاسی سوشیالوجی کے زاویہ نگاہ سے انقلاب اسلامی کامطالعہ 184
۱۔اسلامی انقلاب اور معاشرہ 184
۱۔جیرولڈ گرین 185
۲۔۱۔حمید عنایت 186
۲۔اسلامی انقلاب اور شہری معاشرہ 186
۱۔۲۔یثاق پارسا 186
۲۔۲۔نیکی کدی 188
۳۔اسلامی انقلاب اور متفرق مدنی معاشرہ 188
الف۔ناموزون ترقی کانظریہ 189

ب۔ سیاسی ماڈل یا منابع کا آمادہ کیا جانا 190

انقلاب اسلامی اور ناموزون ترقی 190

ا۔ صادق زیباکلام 191

۲۔ نصراللہ نوروزی 192

۳۔ تیسری دنیا میں انقلابات کی تشریح یاوابستہ ترقی کی تھیوری 194

تیسری دنیا کے انقلابات کا نظریہ اور اسلامی انقلاب 195

حوالہ جات 197

حضرت امام خمینیؒ کے زاویہ نگاہ سے اسلامی معاشروں کے سماجی انقلابات کی نوعیت (ڈاکٹر اصغر افتخاری) 202

مقدمہ 202

فصل اول: انقلاب کے نظریات کا تنقیدی جائزہ 205

ا۔ اقتصادی زاویہ نگاہ 205

الف۔ ''بے وقت ماڈرنائزیشن'' کا زاویہ نگاہ 205

ب۔ تقلیدی زاویہ نگاہ 206

۲۔ سوشیالوجیکل زاویہ نگاہ 206

۳۔ سیاسی زاویہ نگاہ 207

۴۔ عقیدتی زاویہ نگاہ 207

نتیجہ 208

فصل دوم: انقلاب سے متعلق اقماری زاویہ نگاہ 208

الف۔ سماجی واقعات کے جائزے کے سلسلے میں امام خمینیؒ کی روش 209

۱۔ محور ولایت 209

۲۔ اقتصاد (سیاست وثقافت) 209

۱۔ محور ولایت 209

۲۔ غیر محوری اصول 211

۲۔ محوری بنیاد کا تزلزل اور اس کا ماحول میں سرایت کرنا 213

۳۔ غیر محوری ساخت کا تزلزل اور مرکز واقدار میں اس کی سرایت 214

اول: سیاسی محور 215

۱۔ مستضعفین کے حقوق کا دفاع 215

۲۔ عوام کی خوشنودی کا حصول 215

۳۔ سیاسی خود مختاری کی حفاظت 215

۴۔ جائز آزادی کا عطا کیا جانا 215

۵۔ عوام سے دوستانہ تعلقات 215

۶۔ ملت کی قدردانی 215

دوم: اقتصادی محور 216

۱۔ اقتصادی عدالت کی برقراری 216

۲۔ سرمایہ داری کا مقابلہ 216

۳۔ سادہ زندگی 216

۴۔تعاون ومساعدت 216
سوم: ثقافتی محور 216
ا۔اصلاح ثقافت (تہذیب) 216
۲۔علمی وثقافتی ضروریات کا پورا کیا جانا 217
۳۔ثقافتی پیداوار 217
۴۔علم سے لیس ہونا 217
۴۔متقابل محوروں کے روابط کا تزلزل 217
فصل سوم: نتیجہ 218
حوالہ جات 220
انقلاب ایران کے آغاز اور کامیابی میں اسلام کا کردار (حجت الاسلام محمد جواد نوروزی) 225
مقدمہ 225
الف۔دین وانقلاب کی سرشت وطینت 226
ب۔اسلام اور انقلاب اسلامی کے جامع وکلی خطوط 227
ج۔سابقہ حکومت کی اسلام اور مذہبی طاقتوں کا ردعمل 228
ا۔قوم پرستی 229
۲۔عقائد اور ایمان کو کمزور کرنا 229
۳۔وابستگی اور مغرب زدگی 230
د۔رہبری 230

ھ۔مساجد کا کردار 232

و۔اسلامی شعائر 234

ح۔ایثار اور شہادت پسندی کا جذبہ 235

ط۔انقلاب کے نعرے 236

نتیجہ 236

حوالہ جات 238

امام خمینیؒ کے زاویہ نگاہ سے انقلاب اسلامی کے مقاصد (اصغر افتخاری) 240

اشارہ 240

ا۔فردی زاویہ سے تربیت، متقی و تربیت شدہ انسان 243

۲۔سماجی (اجتماعی) زاویہ: ایک خدا پسند معاشرے کا قیام 244

اول: انسانوں کی سرنوشت کے سلسلہ میں ہمدردی 244

دوم: اجتماعی ذمے داری 244

سوم: ثقافتی، تربیتی اداروں سے مختص مقاصد 245

اصول اول: تربیتی امور کے افراد کا صالح ہونا 245

اصول دوم: ہدف واحد کے حصول کیلئے تمام اداروں اور مراکز میں عمومی ہم خیالی کا وجود 245

اصول سوم: تمام مراکز میں مہارت اور فرض شناسی کا یکجا ہونا 246

حوالہ جات 247

اسلامی انقلاب میں امام خمینیؒ اور عوام کا رابطہ (ڈاکٹر منوچہر محمدی) 249

۱۔ عوام محور، مکاتب 249
۲۔ قیادت محور مکاتب 250
۱۔امام خمینیؒ ایک کاریزماٹیک لیڈر 251
۲۔امام خمینیؒ ایک دینی مرجع 253
۳۔امام خمینیؒ ایک مرشداور راہنما 255
عوامی طبقے کی عمیق شناخت 256
امام خمینیؒ کی نگاہ میں عوام کی تقسیم 257
۱۔ معنوی واقداری تقسیم 257
۲۔ کارکردگی 260
مزدور وکسان طبقہ 261
دوکاندار اور چھوٹے تاجر 261
خواتین 261
علماء، دانشور اور روشن خیال افراد 262
مسلح افواج 263
حکومت اور حکام کے سلسلے میں امام خمینیؒ کا نظریہ 263
خوداعتمادی اور خودآگاہی کا احساس 265
دشمن کو ناچیز وحقیر سمجھنا 267
ایثار وشہادت کے اسلحے پر تکیہ کرنا 267

حوالہ جات 269
فہرست 272